مقالہ برائے پی۔ایچ۔ڈی

بعنوان

اسلامی تصوّرِ جہاد اور عہدِ حاضر کی اہم جنگیں

''ایک تجزیاتی مطالعہ''

تحقیق نگار
نگہت اکرم

نگراں
پروفیسر ڈاکٹر عبدالرشید

شعبہ قرآن وسنۃ
کلیہ معارف اسلامیہ، جامعہ کراچی

جمادی الثانی بمطابق جولائی ۲۰۰۷ء

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔
IN THE NAME OF ALLAH, THE BENEFICENT THE MERCIFUL

UNIVERSITY OF KARACHI
KAR.-75270

Prof. Dr. Abdul Rashid
Sitara-i-Imtiaz

Dated 03-06-08

Correction Certificate

Certified that the corrections suggested by an external examiner have been made by Nighat Akram,a candidate for Ph.D in Qura`n and Sunnah.

03/06/08
(Abdul Rashid)
Research Supervisor

Dean, Islamic Studies

Prof. Dr. Jalaluddin A. Noori
DEAN
Faculty of Islamic Studies
University of Karachi

Res: A-6, Staff Town, University of Karachi
Kar.-75270 (Pakistan)
Ph: 9243633, Cell: 0345-2398891
Email: hazara9@yahoo.com

Page no. 67 to 72 : References, Chapter One, books & journals names have been changed in Italic Style,

Page no.151 to 157 : References,Chapter Two, books & journals names have been changed in Italic Style,

Page no. 187 to190: References, Chapter Three, books & journals names have been changed in Italic Style,

Page no. 232 to 237: References, Chapter Four, books & journals names have been changed in Italic Style,

Page no. 260 to262 : References,Chapter Five, books & journals names have been changed in Italic Style,

Page no. 249 to296 : References, Chapter Six, books & journals names have been changed in Italic Style,

Page no.321 to 328 : Bibliography ,books & journals names have been changed in Italic style

Page no.127 : Line 19, A spelling correction ''surrender''

Page no.171 : Line 1, A spelling correction ''معاہدات''

Page no.181 : Line 13, A spelling correction ''معاہدہ''

Page no.191 : Line 19, A spelling correction ''نوح''

Page no.206 : Line 11, A spelling correction ''معاہدہ''

-------------------x-------------------

فہرستِ مضامین

باب اوّل تصوّرِ جہاد۔ قرآن وحدیث کے تناظر میں

KAR.-75270

Prof. Dr. Abdul Rashid
Sitara-i-Imtiaz

Dated ____________

CERTIFICATE

تصدیق کی جاتی ہے کہ نگہت اکرم امیدوار برائے پی ایچ ڈی نے بعنوان ''**اسلامی تصور جہاد اور عہد حاضر کی اہم جنگیں** ۔ ایک تجزیاتی مطالعہ'' کے موضوع پر میری نگرانی میں اپنا تحقیقی مقالہ مکمل کرلیا ہے۔

یہ مقالہ خالصتاً ایک تحقیقی کاوش ہے۔ لہذا میں یہ مقالہ پی ایچ ڈی کی سند کے حصول کے لیے پیش کرنے کی اجازت دیتا ہوں۔

(عبدالرشید)

Res: A-6, Staff Town, University of Karachi
Kar.-75270

باب چہارم عرب اسرائیل جنگیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَآءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ

اللہ رحمٰن ورحیم کے نام سے جس نے علم وفضل اور ہدایت سے انسانیت کو بہرہ مند کیا، زندگی گزارنے کا ڈھنگ سکھایا اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو ہمارا آقا اور رہنما بنایا۔

انسانی تمدّن کی بنیاد انسانی جان و مال کے احترام وعزت کے قانون پر مبنی ہے۔ اسلام نے احترامِ انسانیت کو انتہائی مقدس قرار دیا ہے۔

چنانچہ قرآنِ کریم کی سورۃ المائدۃ کی آیت میں فرمایا گیا:

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَکَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا ط وَمَنْ اَحْیَاھَا فَکَاَنَّمَآ اَحْیَا النَّاسَ جَمِیْعًاo

ترجمہ: ’’جو شخص کسی کو (ناحق) قتل کرے گا (یعنی) بغیر اس کے کہ جان کا بدلہ لیا جائے یا ملک میں خرابی کرنے کی سزا دی جائے اس نے گویا تمام لوگوں کو قتل کیا اور جو اس کی زندگانی کا موجب ہوا گویا تمام لوگوں کی زندگانی کا موجب ہوا۔‘‘

پیغمبرِ اسلام حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے عرب کے اس جنگجو ماحول میں آنکھ کھولی تھی جہاں قتل و غارت اور لوٹ کھسوٹ کو تفاخر تصوّر کیا جاتا تھا۔ عرب میں نہایت معمولی معمولی واقعات پر طویل جنگی

خوب ہوا دیتے۔ جنگوں کے محرکات اس طرح کے ہوا کرتے کہ بنی تغلب کے سردار کلیب کی چراگاہ میں بنی بکر بن وائل کی اونٹنی گھس جانے پر ان دونوں میں جنگ چھڑ گئی جو کامل چالیس برس جاری رہی۔ دورانِ جنگ ہر طرح کا ظلم و ستم نہ صرف جائز بلکہ فخر سمجھا جاتا تھا۔ دشمن کے قتل کے بعد مثلہ کیا جاتا بچوں کو مار دیا جاتا اور عورتوں کی عصمت دری کی جاتی۔ عرب قوم تو خیر تہذیب و تمدّن سے یکسر عاری تھی مگر روم و ایران جیسی حکومتیں جو اُس دور میں تہذیب و تمدّن کی علمبردار سمجھی جاتی تھیں۔ علم و ادب اور شان و شوکت کے اعتبار سے اُن کا شمار اُس دور کی عظیم سلطنتوں میں ہوتا تھا، مگر یہ مہذب قومیں بھی جب ایک دوسرے پر حملہ آور ہوتیں تو درندگی و بربریت کی انتہا ہو جاتی، تاریخ ان اقوام کی وحشت و بربریت کے واقعات سے بھری ہوئی ہے۔

اُسی دور میں اور انہیں لوگوں کے سامنے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے عظیم نظریہ اسلام پیش کیا جس نے دیگر بے شمار اصلاحات کے ساتھ ساتھ جنگی نقطۂ نظر کو بھی بدل کر رکھ دیا اور جنگ کا مقصد دشمن کی ہلاکت کے بجائے اُس کے شر کا ازالہ قرار دیا۔ یہی وجہ ہے کہ عہدِ قدیم میں جنگ کیلئے استعمال کی جانے والی تمام اصطلاحات مثلاً حرب، کریہہ، شر، ردع وغیر ترک کر کے ''جہاد فی سبیل اللہ'' کی اصطلاح وضع کی جو جنگ کے مادّی تصوّرات سے پاک ہے حقیقت یہ ہے کہ اسلام نے خالی جہاد نہیں بلکہ جہاد فی سبیل اللہ کا حکم دیا تاکہ مذکورہ ساری جدوجہد رحمتِ الٰہی کو عام کرنے کیلئے کی جائے نہ کہ ذاتی و قومی اقتدار و ملک گیری کیلئے جیسا کہ دنیا کی حکومتوں میں ہوتا ہے اس پاکیزہ مقصد کے لیے جہاد جائز قرار دینے کے بعد اس کے باقاعدہ قوائد و ضوابط، آدابِ جنگ اور اخلاقی حدود متعین کر دی گئیں۔ محاربین کو اہل قتال اور غیر اہل قتال کے طبقوں میں تقسیم کرنے کے بعد غیر اہل قتال پر تلوار اُٹھانے کو ممنوع قرار دیا گیا، مفتوح قوموں کے حقوق بیان کیے گئے۔ اُس وقت کا عربی معاشرہ خود کو مذکورہ قوانین سے ماورا سمجھتا تھا لیکن اسلام ان تمام قوانین و ضوابط کو سامنے لے آیا اور اسے صرف تحریر تک محدود نہ رکھا بلکہ میدان جنگ میں ان کا عملی نفاذ کر کے دکھایا گیا۔ جہاد فی سبیل اللہ اور عام جنگ میں یہ ایک واضح امتیاز ہے۔

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے ہاتھوں رونما ہونے والے عظیم الشان انقلاب کی حقیقت سے کسی بھی مکتبہ فکر کا کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا۔ اس عظیم انقلاب کی رونمائی میں آپ ﷺ کو بے تحاشا مشکلات کا سامنا رہا۔ بلا شبہ عوام و جمہور فوراً حق کو قبول نہیں کر لیا کرتے کیونکہ باطل ہمیشہ پوری قوت کے ساتھ حق کی مخالفت کے لیے اُٹھ کھڑا ہوا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ باطل کی تمام قوتیں فہم وادراک سے خالی تھیں۔ حق کے سامنے ڈٹ جانے والی تمام قوتیں دنیا کا نظام ہر طرح سے چلا رہی تھیں، ان کی بڑی بڑی سلطنتیں قائم تھیں، نظم و نسق چل رہے تھے۔ نمرود، فرعون، قارون سبھی عقل سے ماوراتو نہ تھے۔ بلکہ ان سب کی مشترکہ خاصیت ان کی ضد وہٹ دھرمی اور اپنی بالادستی کا زعم تھا۔ سابقہ اقوام نے اسی ہٹ دھرمی کی بنیاد پر اپنے پیغمبروں سے کہا کہ ہم صرف ایک خدا کے کہنے پر اپنے باپ دادا اور آباؤ اجداد کے صدیوں پُرانے طریقے کیوں چھوڑ دیں گویا آقا وغلام کے طبقوں میں تقسیم نظام چھوڑ کر ساری کائنات کو واحد آقا کی ماتحتی اختیار کرنا کسی کو گوارا نہ تھا چنانچہ جب مکہ کا وہ شخص جس کی صداقت کے باعث مکہ کے لوگ اسے صادق و امین کے لقب سے پکارتے تھے ان کے سامنے پیغام توحید لے کر آیا تو انہوں نے سختی سے رد کر دیا کیونکہ قریش کو سالہا سال سے جمے اُس معاشرہ میں تبدیلی قبول نہ تھی جہاں تمام مذہبی وسیاسی مناسب ان کے ہاتھ میں تھے، اقتصادی و کاروباری لحاظ سے ان کا سکہ رواں تھا، شعوری و غیر شعوری طور پر وہ اپنی مرکزیت و بالادستی کا تحفظ چاہتے تھے اور اس تحفظ کے لیے وہ جاہلی نظام کو ہر حملے و تنزل سے بچانے پر مصر تھے۔

چنانچہ انہوں نے پہلے پہل تحریکِ اسلامی کو قبول کرنے سے انکار کر دیا، پھر جھنجھلاہٹ کا شکار ہوئے تو کٹ حجتیوں اور سختیوں پر اتر آئے۔ طنز وطعنوں کے حربے استعمال کیے آپ ﷺ کے ساتھیوں کو حراساں کرنا شروع کر دیا، انہیں روزگار سے محروم کیا، جسمانی تشدد کیے، خود نبی کریم ﷺ کے راستے میں پتھر، کانٹے، غلاظتیں اور کوڑا ڈالا۔ بال نوچے نبی کریم ﷺ پر جو نفسیاتی کرب کے لمحات گزرے ان کا پورا عکس قرآن میں ملتا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے کلمات سے آپ ﷺ کی تسکین کا ساماں کیا جس کا ذکر قرآنِ کریم آیت سے یوں فرمایا گیا:

ترجمہ: ''(اے محمد ﷺ) عفو اختیار کرو اور نیک کام کرنے کا حکم دو اور جاہلوں سے کنارا کرو۔''

قرآن اور تاریخ گواہ ہیں کہ آپ ﷺ اور ان کے ساتھیوں نے ان ہدایات سے بال برابر تجاوز کیے بغیر پورا مکی دور گزارا۔ قریش مکہ نے آپ ﷺ کے ساتھیوں کا معاشرتی مقاطعہ کر دیا اور خانہ کعبہ کی دیواروں پر لکھ کر آویزاں کر دیا کہ جب تک بنی ہاشم نبی کریم کو ہمارے حوالے نہ کر دیں تب تک ہم ان سے ہر طرح کے تعلقات منقطع کرتے ہیں اس معاشرتی مقاطعہ کے باعث مسلمان شعب ابی طالب نامی ایک گھاٹی میں محصور ہو کر رہ گئے جہاں انہیں کھانے تک کو کچھ میسّر نہ تھا اور وہ درختوں کے پتے کھا کر گزارا کرنے ان شدید حالات کا بھی انہوں نے صبر واستقامت سے مقابلہ کیا۔

اسے قریش کی ہٹ دھرمی کے علاوہ کہا جا سکتا ہے کہ خود ان میں سب سے معزز و محترم کہلانے والے شخص نے حرم میں کھڑے ہو کر توحید کا اعلان کیا تو وہ مشتعل جذبات کے ساتھ اس پر اُمڈ آئے اور ہنگامہ کھڑا کر دیا جب نبی کریم ﷺ کو گھیرے میں لے لیا تو حارث بن ابی آپ کے بچاؤ کے لیے آئے اور تلواریں ان پر ٹوٹ پڑیں وہ شہید ہو گئے یہ عرب کے اندر اسلام و جاہلیت کی کشمکش میں پہلی جان تھی جو حمایت حق میں قربان ہوئی۔

ایک دعوت جو معقول اور پُرسکون انداز میں دی جا رہی تھی اس پر غور کر کے رائے قائم کرنے اور استدلال سے جواب دینے کے بجائے اندھے جذباتی اشتعال سے جواب دیا گیا محمد ﷺ تو آہنی تلوار کے زور پر کلمہ حق منوانے نہیں اُٹھے تھے لیکن مخالف طاقت تلوار سونت کر میدان میں اُتر آئی۔ مجبور ہو کر مسلمانوں نے مکہ چھوڑا اور مدینہ کی جانب ہجرت فرمائی بلاشبہ ہجرت کا یہ عمل ایک محکم منصوبے اور سوچی سمجھی اسکیم کے مطابق ظہور پذیر ہوا کیونکہ جس منصوبے کے مطابق باری تعالیٰ کو تحریک اسلامی چلانا مقصود تھا اس کے لیے ہجرت ضروری ہو گئی تھی۔

ہجرت کے بعد بھی قریش مکہ نے مسلمانوں کو تنگ کرنا نہ چھوڑا لہٰذا انہوں نے اسلام کی فتح کو

بالادستی کا خاتمہ تھا۔لہٰذا قریش نے اسلام کی تحریک روکنے کے لیے عملی کاروائی شروع کر دی۔

قریش چونکہ بارسوخ تھے لہٰذا انہوں نے اردگرد کے تمام قبائل کو مسلمانوں کے خلاف آمادہ کیا اور مدینہ پر حملہ کی دھمکی دے ڈالی جس کے بعد مسلمان ساری رات پہرے میں گزارتے نبی کریم ﷺ پر اب مہاجرین کے ساتھ انصار کی مخالفت کی ذمہ داری بھی عائد ہو گئی تھی کیونکہ مسلمانوں کو پناہ دینے کے جرم میں قریش ان کے خلاف ہو گئے تھے اور مدینہ کو برباد کر دینے پر تلے تھے۔انہی حالات میں اللہ تبارک و تعالیٰ کی جانب سے مسلمانوں کو ہتھیار اُٹھانے کی اجازت دی گئی تا کہ وہ قریش کی بڑھتی طاقت کے سامنے اپنا دفاع کر سکیں۔

اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ط وَ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ o الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُo

ترجمہ: ''جو مسلمانوں سے (خواہ مخواہ) لڑائی کی جاتی ہے ان کو اجازت ہے کہ وہ بھی اڑیں کیونکہ ان پر ظلم ہوا ہے اور خدا ان کی مدد کرے گا یقیناً وہ ان کی مدد پر قادر ہے۔''

آیتِ مبارکہ سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ پہلا حکمِ الٰہی بھی محض مدافعتی تھا۔جس میں صرف اتنی اجازت دی گئی اپنے بچاؤ وحفاظت کے لیے تم بھی ہتھیار اُٹھا سکتے ہو۔ظاہر ہے کہ اپنے دفاع وحفاظت سے دنیا کا کوئی قانون بھی انسان کو روک نہیں سکتا۔البتہ مکہ مکرمہ میں مسلمانوں کو اللہ تبارک و تعالیٰ کی جانب سے اپنے دفاع و بچاؤ کے لیے بھی ہتھیار اُٹھانے و مقابلہ کرنے کی اجازت نہ تھی اور تمام تکالیف صبر وتحمل سے برداشت کرنے اور اپنے ہاتھ روکے رکھنے کا حکم ملتا رہا یقیناً اس میں بہت سی مصلحتیں پوشیدہ تھیں جو بعد میں منظر عام پر آ گئیں مثلاً عرب مسلمانوں کے اندر ڈسپلن (Discipline) پیدا کرنے کی سخت ضرورت تھی تا کہ وہ اطاعتِ امیری کے عادی ہو جائیں۔کسی بھی ناخوشگوار بات کو برداشت کرنے

کرنا تھا اس کا تقاضا تھا کہ پہلے ان خامیوں پر قابو پایا جائے۔ اُمت کی ایسی تربیت کی ضرورت تھی کہ مذکورہ تمام نفسیاتی کمزوریاں ضبط و نظم میں ڈھل جائیں اور وہ ایک مقتدر و مدبر طاقت کے تابع فرمان بن کر دور جاہلیت کے تمام اقدار کو خیر باد کہہ دیں۔ اسی تربیت کا ہی نتیجہ تھا کہ حضرت عمر فاروق ؓ اور حضرت حمزہ ؓ جیسے بہادر و نڈر افراد اپنے ساتھیوں کو تکلیف میں مبتلا دیکھ کر بھی خاموشی اختیار کیے رہے بلکہ خود بھی ظلم برداشت کرتے رہے۔

مکہ میں مسلمانوں کو ہاتھ روکے رکھنے کی دوسری بڑی وجہ یہ تھی کہ دعوت اسلامی کا ابھی آغاز تھا مسلمان تعداد و قامت میں اہل قریش کے مقابلے میں بہت کم تھے۔ لہٰذا ان کی اوّلین ترجیح دعوت کے ذریعے اپنی جماعت میں اضافہ کرنا تھا اور اسی مقصد کے حصول کے لیے وہ ہر مصیبت صبر سے برداشت کرتے رہے تا آنکہ ان کے صبر و علم کو دیکھتے ہوئے کئی شرفاء کے عزت نفس و شرافت میں جوش آ جاتا اور وہ اسلام کی جانب مائل ہو جاتے اسی کا نتیجہ تھا کہ جب بنی ہاشم نے خود کو شعب ابی طالب میں محصور کر لیا تو غیور شرفاء نے آخر جوش میں آ کر اس دستاویز کو پھاڑ ڈالا جس کے مطابق بائیکاٹ کا معائدہ کیا گیا تھا۔

مکہ میں رہتے ہوئے یوں بھی کوئی ایسی منظم حکومت نہ تھی جو مسلمانوں پر ظلم کر رہی تھی بلکہ خود مسلمانوں کے اپنے خاندان کے لوگ انہیں ایذاء دینے میں پیش پیش تھے ان حالات میں اگر مسلمانوں کو بھی مدافعت کی اجازت مل جاتی تو گھر گھر فساد برپا ہو جاتا، خانہ جنگی کی کیفیت پیدا ہو جاتی جب کہ داعی اسلام کا منشاء یہ نہ تھا کہ اسلام کی وجہ سے گھر گھر خونریزی شروع ہو جائے پھر یہ کہ مسلمان مکہ کے اندر محصور تھے ان حالات میں اگر وہ اپنے سے طاقتور اور بارسوخ لوگوں سے مقابلہ شروع کر دیتے تو ان کا وجود مٹ جانے کا احتمال بھی تھا جب کہ خدا کی مشیت یہ تھی کہ مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہو اور وہ ایک حکومت کے ماتحت مجتمع ہو جائیں۔ چنانچہ مدینہ پہنچنے کے بعد جب مسلمانوں نے وہاں ایک باقاعدہ حکومت تشکیل دے دی، مستقل د منظم وحدت کی حیثیت اختیار کر لی، تب مخصوص شرائط کے ساتھ انہیں جہاد و قتال کی اجازت دے دی گئی کیونکہ اب ان کا مقابلہ انفرادی طور پر عوام الناس سے نہیں مکہ مکرمہ کی

یہ نبی کریم ﷺ کی حکمتِ انقلاب تھی کہ پہلے آپ ﷺ نے اپنا انقلابی نظریہ مسلمانوں کے دلوں میں یوں اُتارا کہ وہ مادّی انسانوں سے نظریاتی انسان بن گئے پھر اسی نظریہ کو بطور طاقت یا تلوار استعمال کرتے ہوئے انہوں نے سب سے پہلے اپنے نفس سے جنگ کی اور تیرہ سال تک اس میدان میں عمل پیرا رہے یہاں تک کہ یہ نظام ان کے رگ وپے میں اتر گیا اور وہ اس کی حفاظت کے لیے مرنے مارنے پر تیار ہو چکے اس کے بعد موقع محل کے مطابق باضابطہ طور پر انہیں باطل سے ٹکرا دیا گیا۔

انسان کی بلند تر قدر (Value) اس کی آزادی ہے بالخصوص آزادی رائے کسی کی آزادی چھین لینا اور محض دین، مذہب یا کسی بھی نظریہ کے اختلاف کی وجہ سے تشدد کرنا دراصل حیاتِ انسانی کی مقدس ترین (Value) پر دست درازی ہے یہ براہِ راست یا بالواسطہ اس شخص کی جان لینے سے بھی بڑھ کر اس پر ظلم ہے۔ کیونکہ ایک جانب انسان کی زندگی ہو اور دوسری جانب اس کا عقیدہ و نظریہ تو یقیناً عقیدہ کا پلڑا بھاری ہو جاتا ہے مسلمانوں پر بھی محض اس لیے ظلم ہوا کہ انہوں نے ایک نئے نظریے کو بطور دین قبول کر لیا تھا اور مخالفین تشدد کے ذریعے انہیں ایسے دین وعقیدت سے پھیرنے کے لیے سرگرداں تھے ایسے میں دین وعقیدے کی حفاظت کی خاطر ان لوگوں کے مقابلے پر اُٹھ کھڑا ہونا عین حق تھا۔ یہ پوری انسانیت کا حق بھی تھا کہ اس مکمل نظامِ زندگی کی دعوت پوری آزادی کے ساتھ تمام انسانوں تک پہنچے، اس کے بعد یہ انسانوں پر چھوڑ دیا گیا کہ وہ اس کے ردوقبول میں آزاد میں سورۃ البقرۃ میں ارشادِ الٰہی ہے۔

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۝

ترجمہ: ”دین میں زبردستی نہیں، سیدھی راہ غلط راہ سے الگ کر کے دکھائی جا چکی ہے۔“

اس واضح حکم کے بعد اسلام کے پھیلاؤ کو تلوار سے مشروط کرنا تعصب کے علاوہ کچھ بھی نہیں مسلم مجاہد کی وہ خیالی تصویر حقیقت سے بہت دور ہے جس کے ایک ہاتھ میں قرآن اور دوسرے میں تلوار دکھائی گئی ہے۔ اسلام کے پھیلاؤ کا سہرا تو ان مبلغین کے سر ہے جنہوں نے اس دین کو روئے

سے ہٹانا مسلمانوں کا حق تھا کیونکہ ہر فرد و جماعت اپنی بقا و حفاظت تحفظ کے لیے ہتھیار اُٹھانے میں حق بجانب ہے۔

خیر و شر کی طاقتوں کا تصادم ہر دور میں ہوتا رہا ہے اور جب تک یہ دنیا قائم ہے ایسا ہوتا رہے گا انسانی تاریخ میں ایسا بھی ایک دور گزرا جب باطل طاقتیں مادیت کی بنیاد پر خدائی کی دعوے دار بن گئیں۔ قرآنِ کریم میں اس کی ایک مثال فرعون کے دعوائی خدائی کے حوالے سے موجود ہے جس نے اعلانیہ کیا تھا کہ:

اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی

''میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں۔''

اور اس کا تکبر اس وقت ٹوٹ گیا جب وہ دریائے نیل میں غرق ہونے لگا۔

فاتح اسلام نے اس تکبر و غرور کو قدموں تلے کچل کر حق و باطل کا فرق عام لوگوں کے سامنے عیاں کر دیا چنانچہ جب آپ ﷺ دس ہزار کی فوج کے ساتھ مکہ مکرمہ میں ایک فاتح کی حیثیت سے داخل ہوئے تو کفار مکہ سر جھکائے اپنی گردنیں کٹنے کے انتظار میں کھڑے تھے، ان کے نزدیک اس کے علاوہ کسی برتاؤ کا تصور بھی نہ تھا لیکن پیغمبر خدا نے سب کو حیران کر دیا اور فرمایا'' آج تم پر کوئی گزند نہیں جاؤ تم سب آزاد ہو۔''

ان لوگوں میں ہندہ بھی تھی جس نے نبی کریم ﷺ کی آنکھوں کے سامنے آپ ﷺ کے محبوب چچا حضرت حمزہ ؓ بن عبدالمطلب کا کلیجہ چبایا، ان کی لاش سے کان، ناک کاٹ کر ہار بنایا اور گلے میں پہن کر ناچی، ان میں آپ ﷺ کی چہیتی بیٹی کا قاتل ابوالعاص بھی تھا۔ مگر رحمت کے بادل سب پر یکساں برس پڑے۔ عام معافی کا یہ اعلان بالکل غیر مشروط تھا اسلام قبول کرنے کی شرط بھی نہیں رکھی گئی یہاں تک کہ ہجرت کے بعد مسلمانوں کی جن جائیدادوں پر قریش مکہ قابض ہو گئے تھے ان کو بھی واپس طلب نہیں کیا۔

مفتوحین کے جان و مال اور عزت و ناموس سے قطعاً تعرض نہ کیا، بڑے سے بڑے جنگی مجرم سے بھی مواخذہ نہ کیا، سب کو معاف اور آزاد کر دیا آپ ﷺ کے اس روّیہ نے جنگ کے عالمی دستور کو انسانی اقدار کے منافی سمجھ کر رد کر دیا اور حق و باطل، کفر و اسلام کے اس تاریخ ساز معرکے میں دنیا کو احترام انسانیت اور رواداری پر مبنی ایسا جنگی دستور دیا جو رحمت یا انسانی اقدار کا حامل ہے اور بیسویں صدی کی اقوام متحدہ کے دستورِ جنگ کا ماخذ ہے۔

وقار و حمیت پر سب کچھ قربان کر دینا اہل عرب کا قبائلی شعار تھا اور اسلام دشمنی کو بھی انہوں نے اپنے وقار و حمیت کا حصہ بنا رکھا تھا لیکن فتح مکہ کے موقع پر کفار نے ہتھیار نہ اُٹھائے اور مکہ مسلمانوں کے حوالے کر دیا یہ ایسا کارنامہ ہے جس کی مثال تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے کہ آپ ﷺ نے قریش کی دینی پیشوائیت و سیادت کو ایسے حسن تدبر سے ختم کیا کہ نہ تلوار چلی اور نہ خون بہا۔

اگر رسول اللہ ﷺ کی ساری مدنی زندگی کا اوسط نکالا جائے تو فی سال ایک لاکھ مربع میل رقبہ اسلام کے زیر اثر آیا۔ جب کہ اس دس سالہ عرصے میں 7-6 سال مسلمان اپنے Survival کی جنگ لڑتے رہے اگر یہ مدت نکال دی جائے تو اسلام ایک ہزار مربع میل اوسط کے حساب سے عالم عرب میں پھیلا اتنے بڑے انقلاب میں کل ۱۱۸۹ جانیں ضائع ہوئیں جب کہ عیسائیوں نے جب یروشلم فتح کیا تو صرف ایک میں ستر ہزار افراد تہ تیغ ہو گئے جن میں عورتیں و بچے شامل تھے یہ عہد قدیم کی بات ہے لیکن دورِ حاضر میں تہذیب کی علمبردار اقوام جب میدان جنگ میں اتریں تو پہلی جنگِ عظیم میں ایک کروڑ اور دوسری میں پانچ کروڑ جانیں گئیں جب کہ ان جنگوں کا مقصد کوئی اہم نظریہ یا اعلیٰ ارفع مقصد نہ تھا جس کے حصول کے لیے اتنی بڑی تباہی کی گئی ایک فیصد بھی تعمیری و مثبت سوچ کا عمل دخل نہیں رہا اسرائیل و عرب کشمکش، خلیجی جنگوں کی تباہ کاریاں، افغانستان و عراق کا تہس نہس ہو جانا، کہیں بھی کسی مثبت رویے کا شائبہ تک نہیں دکھائی دیتا جولائی 2006ء کے سروے کے مطابق عراق میں سوا تین سالوں میں چھ ہزار شہری ناگہانی موت کے گھاٹ اُتر چکے اور افغانستان میں ان تاریک راہوں میں مارے جانے والوں کا

عہدِ حاضر کی ان جنگوں کو تہذیبوں تصادم کا نام دیا جا رہا ہے اور اسلام اور دیگر مذاہب کی جنگ کہا جا رہا ہے حالانکہ تمام اہم مذاہب کی ممتاز شخصیات یہ اعتراف کرتی ہیں کہ فی الفور مسئلہ مذہبی اختلافات کا نہیں بلکہ مذہب کی آڑ میں سیاسی مقاصد اور اقتصادی مفادات کا حصول ہے اور مذہب کو صرف ہتھیار کے طور استعمال کیا جا رہا ہے ہر قسم کے تشدد و دہشت گردی کو اسلام سے جوڑنے کا بلا جواز سلسلہ بھی اسی تمثیل کا حصہ ہے جس میں طاقتور قومیں کمزور قوموں کا استحصال کرتی ہیں اور نتیجے میں عالمی بدامنی و بداعتمادی کی فضا پھیلتی چلی آ رہی ہے۔

عہدِ جدید میں قیام امن و اصلاحِ جنگ کی وہ تمام کاوشیں ناکارہ ثابت ہو چکی ہیں جو جنیوا کانفرنس سے شروع ہوئیں اور آج تک ان کا سلسلہ جاری ہے اس سلسلے میں بیسوں کانفرنسیں منعقد ہوئیں جن میں اسیرانِ جنگ، زخمیوں، بیماروں اور زہریلی گیسوں و ہتھیاروں کی روک تھام کے لیے قوانین ترتیب دیے جاتے رہے لیکن اگر ان قوانین کا واقعی کوئی وجود ہوتا تو انسانیت کی مظلومیت و بے چارگی اس آخری درجہ تک نہ پہنچ پاتی جہاں آج کھڑی ہے۔

پوری تاریخ حرب میں ایسی کسی جنگ کا سراغ نہیں ملتا جو محض انسانیت کے بلند تر اور وسیع تر نصب العین کے لیے لڑی گئی ہو اور اس میں احترام انسانیت و اخلاقی مقتضیات کو ملحوظ رکھا گیا ہو مگر جہاد اسلامی میں یہ دونوں امتیازی خواص موجود ہیں اس کے باوجود آج الزام اسلام اور نظریہ جہاد پر ہے جب کہ غزواتِ نبوی کے پس منظر اور احوال سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی کوئی لڑائی بھی جارحانہ نہ تھی لیکن مقابلہ کے بعد فتح مسلمانوں کے حصے میں آئی اگر اسلام میں جبر یا اکرہ کی گنجائش موجود ہوتی تو مسلمانوں کے مفتوح علاقوں میں غیر مذاہب کا وجود عنقا ہو جاتا۔

یہ تحقیقی مقالہ ''اسلامی تصورِ جہاد اور عہدِ حاضر کی اہم جنگیں ایک تجزیاتی مطالعہ'' انہیں واقعات و حقائق کے ادراک کی کاوش و جستجو ہے۔ مقالہ میں غزواتِ نبوی پر عمیق نظر رکھنے کے بعد بیسویں و اکیسویں صدی کی اہم جنگوں کے اسباب و محرکات اور حصول و زیاں پر تحقیق کی گئی ہے۔

باب اوّل۔ جہاد کے معنی ومفہول، جہاد وقتال میں فرق، زمانہ جاہلیت کا طریقہ جنگ اور اسلام کی جنگی اصلاحات پر مشتمل ہے۔

باب دوم ۔ عہدِ نبوی کے غزوات پر مشتمل ہے جس میں غزوات کی کل تعداد، مقاصد اور نقصانات کا احاطہ کیا گیا ہے۔

باب سوم۔ بیسوی صدی کی دونوں عالمگیر جنگوں کے حالات واقعات پر روشنی ڈالتا ہے۔

باب چہارم ۔ میں تاریخ کے تناظر میں فلسطین واسرائیل تنازع اور اس کے نتیجے میں وقوع پزیر جنگوں کو بیان کیا گیا ہے۔

باب پنجم۔ خلیجی جنگ کے مقاصد واسباب، واقعات واحوال پر مشتمل ہے۔

باب ششم ۔ اکیسویں صدی کی دو یکطرفہ جنگوں کے تجزیہ پر مشتمل ہے۔

تمام واقعات کی گہری تحقیق کے بعد آخر میں خلاصہ کے ساتھ ساتھ غیر جانبدارانہ تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔

ثانوی تحقیق کے دوران مصنفین کی تصنیفات جاننے کے لیے کتب خانوں اور لائبریریوں کے مخطوطات کی فہرستوں کا مطالعہ نہایت ضروری ہوتا ہے۔

اس مقالے کو ترتیب دیتے ہوئے تصنیفات کے سلسلے میں مذکورہ اُصولوں سے غافل نہیں رہی ہوں اور میں نے مقالے کی تحقیق کے دوران حوالہ جات کی باقاعدہ جانچ پڑتال کی ہے۔

نگہت اکرم
اُمیدوار برائے پی ایچ ڈی
شعبۂ قرآن وسنہ، کلیہ معارف اسلامیہ
جامعہ کراچی

بابِ اوّل

تصوّرِ جہاد

قرآن وحدیث کے تناظر میں

تصوّرِ جہاد۔ قرآن و حدیث کے تناظر میں

جہاد کا مفہوم

لفظ جہاد، جہد سے مشتق ہے اور جہد کے معنی کوشش اور جدو جہد۔ اصطلاح میں کسی بھی معین مقصد کے لیے کی جانے والی کاوش جہاد کہلاتی ہے۔ اس لفظ کو محدود معنوں میں مقید نہیں کیا جا سکتا، علماء نے اس کو بڑے وسیع معنوں میں لیا ہے۔

حضرت سیّد سلمان ندویؒ اپنی کتاب سیرۃ النبیﷺ میں لکھتے ہیں کہ:

> ''جہاد کے معنی عموماً قتال اور لڑائی کے سمجھے جاتے ہیں مگر مفہوم کی یہ تنگی قطعاً غلط ہے۔ ''جہاد'' کا لفظ ''جہد'' سے نکلا ہے۔ جہاد اور مجاہدہ فعال اور مفاعلت کے وزن پر اسی جہد سے مصدر ہیں، اور لغت میں اس کے معنی محنت اور کوشش کے ہیں۔''(۱)

استحکامِ ملت کے لیے انجام دی جانے والی ہر کاوش خواہ وہ جان سے ہو، مال سے یا کسی دوسرے طریقے سے ہو جہاد کہلاتی ہے۔ علم کے لیے جدو جہد، اپنا مال اسلام کے استحکام پر خرچ کرنا، کلمۂ حق کہنا سب جہاد کے زمرہ میں آتا ہے۔

حضرت سیّد سلمان ندویؒ فرماتے ہیں کہ:

> ''اکثر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ''جہاد'' اور ''قتال'' دونوں ہم معنی ہیں، حالانکہ ایسا نہیں قرآنِ کریم میں وہ دونوں لفظ الگ الگ استعمال ہوئے ہیں۔ اس لیے جہاد فی سبیل (اللہ کی راہ میں جہاد کرنا) اور قِتَالٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (خدا کی راہ میں لڑنا) ان دونوں لفظوں کے ایک معنی نہیں بلکہ ان دونوں میں عام و خاص کی نسبت ہے یعنی ہر

دشمنوں سے لڑنا ہے۔''(۲)

حضرت مولانا سیّد مودودیؒ جہاد کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''جہاد کے معنی ہیں کسی مقصد کو حاصل کرنے کے لیے اپنی انتہائی کوشش صرف کر دینا یہ محض جنگ کا ہم معنی نہیں ہے۔ جنگ کے لیے تو قتال کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ جہاد اس سے وسیع تر مفہوم رکھتا ہے۔''(۳)

گوہر رحمان نے اپنی کتاب ''اسلامی ریاست'' میں لکھا ہے کہ:

''قرآنِ کریم کی چودہ سورتوں اور سینتالیس آیات میں قتال کا حکم دیا گیا ہے یا اس کی فضیلت بیان ہوئی ہے ان مقامات کے علاوہ پندرہ سورتوں اور آٹھائیس آیات میں جہاد کا حکم یا اس کی فضیلت بیان ہوئی ہے، اور جہاد صرف لڑنے کو نہیں کہا گیا بلکہ ہر قسم کی جدوجہد پر جہاد کا اطلاق ہوتا ہے۔''(۴)

قرآنِ کریم میں سورۂ نحل، سورۂ فرقان، اور سورۂ عنکبوت میں بھی لفظ جہاد استعمال ہوا ہے حالانکہ یہ مکی سورۃ ہیں اور مکہ میں رہتے ہوئے مسلمانوں کو جنگ کی قطعاً اجازت نہ دی گئی تھی۔ فرمایا:

وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيْرًا ٥ فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا٥(۵)

ترجمہ: ''یہاں ہتھیاروں سے لڑنا مراد ہرگز نہیں کیونکہ اس کی اجازت تو مکّہ معظّمہ کے اندر رہتے ہوئے تھی ہی نہیں بلکہ یہاں وعظ ونصیحت سے کوشش وجدوجہد کو جہاد کہا گیا ہے۔''

ثُمَّ اِنَّ رَبَّکَ لِلَّذِیْنَ ھَاجَرُوْا مِنْ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰھَدُوْا وَصَبَرُوْآ لا اِنَّ رَبَّکَ مِنْ بَعْدِ ھَا لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌo (۶)

ترجمہ: ''پھر جب ان لوگوں نے ایذائیں اُٹھانے کے بعد ترک وطن کیا پھر جہاد کیے اور ثابت قدم رہے تمہارا پروردگار بیشک (آزمائشوں) کے بعد بخشنے والا اور ان پر رحم کرنے والا ہے۔''

یہاں مہاجرین حبشہ کی جانب اشارہ ہے ان مسلمانوں کا جہاد وہ محنتیں ومشقتیں تھیں جو ظلم وجبر برداشت کرنے کے بعد جلاوطنی کی صورت میں ان کو اُٹھانی پڑیں۔

سورۂ عنکبوت میں ارشاد فرمایا:

وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا ط وَ اِنَّ اللّٰہَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَo (۷)

ترجمہ: ''اور جن لوگوں نے ہمارے لیے کوشش کی ہم ان کو ضرور اپنے رستے دکھادیں گے اور خدا تو نیکوکاروں کے ساتھ ہے۔''

ان تصریحات سے ثابت ہوتا ہے کہ جہاد کا لفظ صرف قتال بلکفار کے لیے ہرگز مخصوص نہیں بلکہ اس سے وسیع تر مفہوم کا حامل ہے۔ جہاد فی سبیل اللہ کی شکل کب کیا ہو اس کا تعین حالات کرتے ہیں کیونکہ مختلف حالات کے لیے اس کی مختلف قسمیں ہیں۔ خود اسلامی معاشرے کے اندر سر اُٹھانے والی بُرائیوں کے خلاف ردّعمل داخلی جہاد کہلاتا ہے اور یہ جہاد حکومت وافراد دونوں کا فریضہ ہے۔ جہاد کی ایک قسم دعوتی اور فکری جہاد ہے۔ جس کی تعریف صدرالدین اصلاحی نے یوں فرمائی ہے:

''غیر مسلم حلقوں کی طرف سے اسلام کے خلاف جن شبہات کو پیش کیا جائے، جو اعتراضات اُٹھائے جائیں، جو دلیلیں دی جائیں ان کا مناسب جواب دیا جائے اور کوئی شبہ یا اعتراض یا دلیل ایسی

بنے۔"(۸)

نبی کریم ﷺ نے والدین کی اطاعت و دیکھ بھال کو بھی جہاد قرار دیا روایت ہے:

عن عبد اللّٰہ بن عمرو قال جاء رجل اِلٰی رسول ﷺ یستاذنہ فی الجھاد فقال احیّ والِداکَ قالَ نعم قالَ ففیھماَ فجاھد (۹)

ترجمہ: "حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ راوی نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور جہاد کی درخواست کی! آپ ﷺ نے فرمایا کیا تیرے والدین زندہ ہیں اس نے کہا ہاں! آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ان دونوں میں ہی جہاد کرو۔"

جہاد بالسیف جہاد کی اعلیٰ وارفع قسم ہے اور اس کلیہ میں اسی طرح داخل ہوتا ہے جس طرح دینِ حق کی اشاعت و سربلندی کی دیگر کاوشیں، کیونکہ کلمۂ حق کو عام کرنے میں اس کا نمایاں کردار رہا ہے اور حق گوئی کی خاطر آئندہ بھی اس کی ضرورت رہے گی۔ لیکن اس کا مطلب اندھا دھند جنگ و جدال ہرگز نہیں، بلکہ یہ بلند مقاصد کی خاطر ایک با اُصول جنگ کا نام ہے جو معین اُصولوں اور پابندیوں کے ساتھ لڑی جاتی ہے اور "Every thing is fair in war" کے فلسفے کی نفی کرتی ہے۔

حضرت مولانا سیّد مودودیؒ جہاد بالسیف کے بابت لکھتے ہیں کہ:

"یہ جہاد کی آخری شکل ہے اور اس کا دوسرا اور مخصوص نام قتال ہے۔ عملی طور پر یہ جہاد کی سب سے مشکل اور صبر آزما قسم ہے۔ لیکن دین کی بقا کے لیے بہت ضروری ہے۔"(۱۰)

دائرۂ معارفِ اسلامیہ میں اس کی تعریف یوں کی گئی:

"قتال جہاد میں شامل ہے اور اس کی آخری اور انتہائی صورت ہے

رہبانیت پر اعتقاد نہیں سکھاتا اور زندگی کے حقائق کو نظر انداز نہیں
کرتا اس لیے قتال کی مجبوری سے غفلت نہیں برتتا۔"(۱۱)

اسلام میں جہاد سے مراد ہی اہم ترین اور عظیم تر مقصد کے لیے اپنے تمام وسائل صرف کرنا ہے چنانچہ یہ اہم تر مقصد اللہ کی خوشنودی اور نظامِ الٰہی کے نفاذ کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے۔

حضرت سیّد علی ندویؒ نے لکھا ہے کہ:

"مسلمانوں کا سب سے بڑا مقصد اللہ کی فرمانبرداری، اس کی خوشنودی کا حصول اور اس کی بادشاہی اور احکام کے سامنے سپردگی اور سرآندگی ہے۔ جس کے لیے ایک طویل جہاد کی ضرورت ہے۔ ہر اس عقیدہ، تربیت، اخلاق، اغراض اور خواہشات کے خلاف جو اس میں مزاحم ہوں۔"(۱۲)

یہ کائنات اور اس میں موجود ہر شے اس کے بنانے والی ذاتِ عظیم کے تابع اور اسی کے حکم کے سامنے سرافگندہ ہے۔ لہٰذا اس کی پیروی بطورِ اشرف المخلوقات انسان پر فرض ہے۔

قرآنِ کریم میں ارشاد ہے:

وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّ كَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ○ (۱۳)

ترجمہ: "حالانکہ سب اہلِ آسمان و زمین خوشی یا زبردستی خدا کے فرمانبردار ہیں اور اُسی کی جانب لوٹ کر جانے والے ہیں۔"

اس مالک کائنات کی فرمانبرداری کی راہ میں حائل ہونے والی ہر رکاوٹ کو دُور کرنے کی سعی دراصل "جہاد" ہے اور اس مقصد اعلیٰ کے لیے جب انسان قیمتی ترین شے یعنی اپنی جان تک کی بازی لگا دے تو یہ جہاد کی افضل ترین قسم ہے۔

''خدا کی راہ میں جنگ کرنا اور اپنی جان کی بازی لگا دینا جہاد کی سب سے اعلیٰ ترین شکل ہے اور قرآنِ کریم میں اسے قِتَالٌ فِی سَبِیلِ اللّٰهِ یعنی اللہ کی راہ میں لڑنا کہا گیا ہے۔ عام طور پر جب جہاد کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس کے معنی دشمنانِ دین کے مقابلے میں جنگ ہی کے سمجھے جاتے ہیں۔'' (۱۴)

مولانا مفتی محمد شفیع اپنی تفسیر معارف القرآن میں جہاد و قتال کی وضاحت یوں فرماتے ہیں:

''لفظ ''جہاد'' اور ''مجاہدہ'' کسی مقصد کی تحصیل میں اپنی پوری طاقت خرچ کرنے اور اس مقصد کے لیے مشقت برداشت کرنے کے معنی میں آتا ہے۔ کفار کے ساتھ قتال میں بھی مسلمان اپنے قول، فعل اور ہر طرح کی امکانی طاقت خرچ کرتے ہیں اس لیے اس کو بھی جہاد کہا جاتا ہے''۔ (۱۵)

فرضیت جہاد

آپ ﷺ کو نبوت اقراء کے الفاظ سے ملی جس میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ربّ العالمین کے نام سے پڑھنے کا حکم دیا اور تبلیغ کا ذکر نہ کیا گیا۔ دوسری بار آیۃ ''یَاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ o قُمْ فَاَنْذِرْ o'' کے الفاظ کے ساتھ یہ دعوت آگے پھیلانے کا حکم دیا گیا۔ آپ ﷺ نے اس سلسلے میں سب سے پہلے اپنے اقرباء کی جانب توجہ کی، پھر پوری قوم کی جانب متوجہ ہوئے اور یوں آہستہ آہستہ مکۃ مکرمہ کے اِردگرد پھیلے ہوئے قبائل کی تبلیغ شروع کر دی اس طرح یہ دعوت بین الاقوامی حیثیت اختیار کرتی گئی۔

اس پورے Process کے آغاز سے ہی نبی کریم ﷺ کو انتہائی پر پیچ و کٹھن راہوں سے گزرنا پڑا۔ کیونکہ قریشِ مکّہ جو سالہا سال سے عربی معاشرہ میں اپنے لیے ایک اُونچا مقام حاصل کر چکے تھے اور تمام سیاسی اور مذہبی اور اقتصادی و کاروباری معاملات پر حاوی تھے، ہر طرف ان کی طاقت کا سکّہ رواں تھا گویا

نعیم صدیقی لکھتے ہیں کہ:

''ان کی یہ چودھراہٹ اسی مذہبی و تمدّنی، معاشرتی سانچے میں ڈھل سکتی تھی جو جاہلی دور میں استوار تھا۔ اگر وہ شعوری اور غیر شعوری طور پر مجبور تھے کہ وہ اپنی چودھراہٹ کا تحفظ کریں تو پھر اس پر بھی مجبور تھے کہ جاہلی نظام کو بھی ہر حملے اور تنزل سے بچائیں۔''(۱۶)

یہی سبب تھا کہ دعوتِ حق کے اعلان کے بعد انہوں نے مسلمانوں پر ظلم کے پہاڑ توڑنا شروع کر دیے۔ کلمہ خدا پڑھنے والے تمام معصوم اور ضعیف افراد پر ظلم و ستم کا لا متناہی سلسلہ شروع کر دیا، خود آپ ﷺ کو ہر قسم کے آزر پہنچائے گئے، وہ لوگ جنہوں نے خود تو کعبہ کو مختلف بتوں سے بھر رکھا تھا اس کی چار دیواری کے اندر وحدتِ الٰہی کی پکار پر مشتعل ہو گئے اور آپ ﷺ پر کعبہ کی بے حرمتی کا الزام عائد کرتے ہوئے حملہ کی تیاری شروع کر دی۔

''حارث بن ابی امِ حالہ کے گھر میں تھے، شور و شغب سن کر آپ ﷺ کو بچانے کے لیے دوڑے لیکن ہر طرف سے تلواریں ان پر ٹوٹ پڑیں اور وہ شہید ہو گئے۔ عرب کے اندا اسلام اور جاہلیت کی کشمکش میں یہ پہلی جان تھی جو حمایتِ حق میں قربان ہوئی۔''(۱۷)

نبی کریم ﷺ نے تلوار کو نہیں بلکہ دعوت کو اپنا ہتھیار بنایا تھا لیکن مخالفین اس معقول انداز میں دی جانے والی دعوت کے جواب میں کوئی معقول دلیل پیش نہ کر سکے اور مشتعل ہو کر تلوار سونت لی۔

مخالفین کی جانب سے تضحیک و استہزاء اور کٹ حجتیوں کا روّیہ بڑھتے بڑھتے بالآخر گالی گلوچ تک پہنچ گیا، آپ ﷺ پر نعوذ باللہ) مرتد ہونے تک کا الزام لگایا گیا مختلف قسم کے پروپیگنڈوں کے ذریعے آپ ﷺ کو نفسیاتی طور پر مفلوج کرنے کی کوشش کی گئی۔ لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ کی جانب سے آپ ﷺ کو جوابی حملے کا حکم نہ دیا گیا بلکہ ذاتِ باری تعالیٰ نے اپنے کلمات سے نبی کریم ﷺ کی تسکین فرمائی اور یقین

کر وہ وقت جلد آئے گا جب یہ اپنی بوالفضولیوں کا نتیجہ خود ہی دیکھ لیں گے۔

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ o (۱۸)

ترجمہ: ''(اے محمد ﷺ) عفو اختیار کرو اور نیک کام کرنے کا حکم دو اور جاہلوں سے کنارہ کشی کرو۔''

دوسری جگہ فرمایا:

فَلَعَلَّكَ تَارِكٌ بَعْضَ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَضَآئِقٌ بِهٖ صَدْرُكَ اَنْ يَّقُوْلُوْا لَوْ لَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ ط اِنَّمَآ اَنْتَ نَذِيْرٌ ط وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ وَّكِيْلٌ o (۱۹)

ترجمہ: ''شاید تم کچھ چیزیں وحی میں سے جو تمہارے پاس آئی ہیں چھوڑ دو اس خیال سے کہ تمہارا دل تنگ ہو کہ (کافر) یہ کہنے لگیں کہ اس پر کوئی خزانہ کیوں نہیں نازل ہوا یا اس کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہیں آیا۔ (اے محمد ﷺ) تم صرف نصیحت کرنے والے ہو اور خدا ہر چیز کا نگہبان ہے۔''

اس آیت کی وضاحت میں جناب امین احسن اصلاحی فرماتے ہیں:

''یہ آنحضرت ﷺ کے لیے تسلی ہے کہ تم ان لوگوں کے روّیہ سے برداشتہ خاطر ہو کر اپنے فرض کی ادائیگی میں ذرا ڈھیلے نہ پڑنا۔ تم صرف ان کے لیے نظیر بنا کر بھیجے گئے ہو۔ ان پر داروغہ مقرر کر کہ نہیں بھیجے گئے کہ لازماً ان کو تم ہدایت کے راستہ پر ہی کر دو۔'' (۲۰)

آپ ﷺ کے ساتھ ساتھ آپ کے احباء کو جس طرح کی اذیتیں دی گئیں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ انہیں مختلف طریقوں سے ہراساں کیا گیا، روزگار سے محروم کیا گیا، جسمانی تشدد کیے گئے، پتھر کی جلتی سلوں کے نیچے دبائے گئے، کوئلوں پر لٹائے گئے غرض یہ کہ ہر وہ حربہ آزمایا گیا جس سے انہیں تکلیف پہنچے

سیّد اسعد گیلانی لکھتے ہیں کہ:

''سونا بھی جب کان سے کھود کر باہر نکالا جاتا ہے تو پتھر کی مانند سخت اور مختلف ملاوٹوں کا ایک ڈھیلا ہوتا ہے۔ لیکن جب اسے بھٹی میں ڈال کر تپا دیا جاتا ہے تو مٹی الگ ہو جاتی ہے کھوٹ بھی الگ ہو جاتا ہے اور کھرا سونا اپنی خوبصورتی میں سامنے آجاتا ہے۔ بس اسی طرح مکّہ میں ایک تربیتی بھٹی لگی ہوئی تھی اور اس میں ایک شخص کو جو دعوتِ حق کا سونا ہونے کا مدعی تھا ڈال ڈال کر تپایا جا رہا تھا۔''(۲۱)

اس جماعت نے تمام تر تکالیف کے باوجود صبر و درگزر سے کام لیتے ہوئے وعظ و تبلیغ پر اکتفا کیا۔ غرض تیرہ سال تک مختلف قسم کے ذود وکوب برداشت کرنے کے بعد آپ ﷺ اور اہلِ ایمان گھر بار چھوڑ کر مکّہ معظّمہ سے اڑھائی سو میل شمال کی جانب ایک بستی میں چلے گئے۔ وہاں بھی قریش نے پیچھا نہ چھوڑا اور مدینہ کے یہود سے ساز باز شروع کر دی۔ مسلمان اس قدر خطرے میں تھے کہ ابتدائی ایام میں ہر وقت چوکس رہتے کہ نجانے کب ان پر حملہ ہو جائے۔ اس صورتِ حال میں مسلمانوں کو ہتھیار اُٹھانے کی اجازت دی گئی۔

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا ط وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ o الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَنْ يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ o (۲۲)

ترجمہ: ''جن مسلمانوں سے (خواہ مخواہ) لڑائی کی جاتی ہے ان کو اجازت ہے کہ (وہ بھی لڑیں) کیونکہ ان پر ظلم ہو رہا ہے اور خدا ان کی مدد کرے گا (یقیناً) وہ ان کی مدد پر قادر ہے اور جو لوگوں کو گھروں

رب ہے۔"

یہ وہ پہلی آیت تھی جس میں مسلمانوں کو باضابطہ طور پر ہتھیار اُٹھانے کی اجازت دی گئی اس سے قبل مکّہ میں اللہ تعالیٰ کی طے کردہ حکمت کے تحت اپنے ہاتھ روکے رکھنے کا حکم دیا گیا تھا۔ فرمایا:

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ قِیْلَ لَھُمْ کُفُّوْآ اَیْدِیَکُمْ وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ ۝ (۲۳)

ترجمہ: "بھلا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا پہلے ان کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ اپنے ہاتھوں کو (جنگ) سے روکے رہو اور نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے رہو۔"

مکّہ معظّمہ میں رہتے ہوئے اگر مسلمانوں کا اپنی مدافعت کی اجازت بھی مل جاتی تو ہر طرف خون ریزی اور ہر گھر میں جنگ برپا ہوتی جس کا کوئی مثبت نتیجہ سامنے آنے کی توقع نہ تھی بلکہ عرب سوسائٹی کے اندر اسلام گھروں کے اندر تفرقہ ڈالنے والے مذہب کے طور پر سامنے آتا کیونکہ اس وقت تک مسلمانوں کی کوئی باقاعدہ تنظیمی ہیت موجود نہ تھی اور منتشر افراد کی جنگ فساد کو مٹا کر حق وعدل قائم کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکتی جب کہ اسلام میں جنگ کا مقصد ہی حق وعدل کا قیام ہے۔

مفتی محمد شفیع اپنی تفسیر معارف القرآن میں لکھتے ہیں:

"قیامِ مکّہ کے آخری دور میں مسلمانوں کی تعداد بھی خاصی ہو چکی تھی۔ وہ کفار کے ظلم و جوار کی شکایت اور ان کے مقابلے میں قتل و قتال کی اجازت مانگتے تھے، رسول اللہ ﷺ جواب میں فرماتے کہ صبر کرو مجھے ابھی تک قتال کی اجازت نہیں دی گئی ہے۔" (۲۴)

ہجرت کے بعد صورتِ حال خاصی بدل گئی اب مسلمان ایک مستقل وحدت کی حیثیت اختیار کر چکے تھے جس کا مقابلہ مکّہ میں موجود دوسری وحدت سے تھا۔ چونکہ تیرہ سال تک ظلم وستم برداشت کرنے

دی جاتی تو یہ اسے اپنی حق تلفی سمجھتے۔

مولانا ابوالکلام آزادؒ لکھتے ہیں کہ:

''اگر وہ اس حق سے محروم کر دیے جائیں تو دنیا میں انسانی ظلم و استبداد کی مدافعت کا کوئی سامان نہ رہے، جس گروہ سے بھی بن پڑے، دوسرے گروہ کے اعتقاد و عمل کی آزادی ہمیشہ کے لیے پامال کرڈالے۔''(۲۵)

اس کے بعد بھی مسلمانوں کو اپنے مخالفین کے مقابل ہتھیار اُٹھانے کی اجازت اس لیے نہیں دی گئی کہ وہ کسی زرخیز ملک اور بڑی معیشت کے مالک ہیں یا کسی دوسرے مذہب کے پیروکار ہیں بلکہ اس لیے کہ مخالفین ان پر ظلم کررہے ہیں اور ظلم بھی محض اس لیے کہ ان لوگوں نے اللہ کی وحدانیت کا اقرار کیا ہے۔ لہٰذا اس ظلم کے استحصال کے لیے نہ صرف انہیں مدافعت کا حق دیا گیا بلکہ دوسرے مظلوموں کی اعانت وحمایت کا بھی حکم دیا گیا۔

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ج وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۚ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًاO (۲۶)

ترجمہ: ''اور تم کو کیا ہوا ہے کہ خدا کی راہ میں اُن بے بس مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر نہیں لڑتے جو دعائیں کیا کرتے ہیں کہ اے پروردگار ہم کو اِس شہر سے جہاں کے رہنے والے ظالم ہیں نکال کر کہیں اور لے جا اور اپنی طرف سے کسی کو ہمارا حامی بنا اور اپنی ہی طرف سے کسی کو ہمارا مددگار مقرر فرما۔''

کر چکے تھے لیکن ہجرت پر قادر نہ ہونے کے باعث مسلسل ظلم برداشت کر رہے تھے۔ ایسے حالات میں ان کی مدد کرنا دوسرے مسلمانوں کا فرض بنتا تھا۔ لہٰذا انہیں اسی فرض کی جانب متوجہ کیا گیا ہے مگر اس سے مراد یہ نہیں کہ یہ حکم صرف اسی وقت تک محدود ہو گیا۔

امین احسن اصلاحی نے لکھا ہے کہ:

> ''اگر کہیں مسلمان اس طرح کی مظلومیت کی حالت میں گھر جائیں تو ان تمام مسلمانوں پر جو ان کی مدد کرنے کی پوزیشن میں ہوں جہاد فرض ہو جاتا ہے۔ اگر وہ ان کی مدد کے لیے نہ اُٹھیں تو یہ صریح نفاق ہے۔''(۲۷)

جہاد کا حکم جب نافذ ہوا اس وقت آپ ﷺ کا واسطہ تین مختلف طرح کے فریقین سے تھا جن میں سے ایک اہلِ صلح تھے جن کے ساتھ مدینہ آنے کے بعد امن معاہدات طے پا چکے تھے ان کے معاملے میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی جانب سے یہ حکم نافذ ہوا کہ آپ معائدے کی پاسداری کریں اس وقت تک کہ جب وہ خود نہ معائدہ توڑ دیں۔

''یہاں تک کہ وہ خود توڑ دیں اور عہدِ شکنی کریں تو اس صورت میں بھی عملاً جنگ اس وقت تک ان سے نہ چھیڑی جائے جب تک انہیں معائدہ ختم ہونے کی باقاعدہ اطلاع نہ دی جائے۔''(۲۸)

مدینہ منوّرہ میں مسلمانوں کے لیے مشکل ترین صورتِ حال یہ تھی کہ کفار کے ساتھ ساتھ انہیں ایک خطرہ منافقین کی جانب سے بھی درپیش تھا جو بظاہر مسلمانوں کی فہرست میں شامل ہو چکے تھے لیکن اندر سے انہیں کھوکھلا کر رہے تھے مگر خدا کا حکم یہی تھا کہ انہیں زبان و دلیل سے سمجھاؤ اور ان کے اعلانِ اسلام کو قبول کرو کیونکہ مسلمان تو ظاہری اعمال کے پابند ہیں۔ دلوں کا دیکھنے والا اور اس کے مخفی راز جاننے والا اللہ تعالیٰ ہے لہٰذا اس بات کو اللہ پر چھوڑ دو کہ انہوں نے سچے دل سے خود کو اللہ کے سپرد کیا ہے کہ نہیں، مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ اگر وہ لوگ ایمان لانے کا اقرار کریں یا معائدہ صلح کر لیں

اسلام کا اوّلین اقتضاء انسانی جماعت میں پائے جانے والے غیر فطری عوامل کی اصلاح اور لوگوں کے ذہن میں ایک انقلاب برپا کرنا اور انسانی عزوشرف کے خودساختہ معیار مٹا کر تمام انسانوں کو رشتہ اُخوّت میں منسلک کرنا اور حاکم ومحکوم، اعلیٰ وادنیٰ، اشرف وارزل کی تفریق مٹا کر مساوات قائم کرنا ہے۔

بقول حیدرزمان صدیقی:

> ''حاکمیت ہو تو صرف احکم العالمین کی، اور قانون ہو تو اسی کا اور تمام انسان آپس میں بھائی بھائی ہوں، اور خدا کے وفادار بندے یہ ہے اسلام کی دعوت اور اس معصوم ومقدس دعوت کی راہ میں جو جدوجہد کی جاتی ہے، خواہ وہ زبان سے ہو یا قلم سے ہو، یا جنگ وقتال سے اس کا نام اسلامی اصطلاح میں ''جہاد'' ہے۔''(۲۹)

جنگ اور جہاد میں فرق

لفظ جنگ اپنے اپنے دامن میں تاریخ انسانی کی بے شمار خونین اور زہرہ گداز داستانیں لیے ہوئے ہے۔ تاریخ کا کوئی دور اس کی تباہ کاریوں سے محفوظ نہیں رہا اور کرۂ ارض کا کوئی خطہ، کوئی ملک، کوئی جگہ ایسی نہیں جنگ کی شعلہ باریوں سے خاکستر نہ ہو چکی ہو۔

فطری طور پر انسان کے اندر خیر وشر کی دو علیٰحدہ علیٰحدہ قوتیں پائی جاتی ہیں جو انسان کے اندر محبت ونفرت جیسا جذبہ اُجاگر کرتی ہیں۔ کبھی یہ مثبت ومنفی احساسات انفرادی ہوتے ہیں اور کبھی اجتماعی، اور یہی اجتماعی منفی جذبہ قوموں کو باہم دست وگریبان کرتا رہا ہے۔ قوموں اور ملکوں کے درمیان مفادات کے ٹکراؤ نے ہمیشہ تنازعات کو ہوا دی اور جنگ کو آخری تصفیہ کے طور پر اختیار کیا گیا۔ ملکوں وقوموں کے درمیان جنگ چھڑنے کی ہمیشہ کوئی مخصوص وجہ نہیں ہوتی۔ لیکن سب سے اہم وجہ جو اکثر تنازعوں ولڑائیوں کا باعث بنی رہی ہے وہ ہے ''مفادات کا ٹکراؤ'' یہ مفادات خواہ مادّی ہوں، نظریاتی ہوں، یا روایتی

بنتے ہیں۔ لیکن اسلام کا نظریہ جنگ اس کے بالکل متضاد ہے۔

''اسلام کا مقصد اس ہمہ گیر شورش و بدامنی کو ختم کرنا اور عالمِ اسلام کو امن و سلامتی کی منزل تک پہنچانا ہے اور اس مقصد کے لیے جس لگاتار اور مسلسل جدوجہد کی ضرورت ہے۔ اس کے لیے لفظ جنگ اور اس جیسے رسوائے عام الفاظ کا استعمال ہرگز مستحسن نہ تھا اس لیے اسلام نے اس مقدس و معصوم جدوجہد کے لیے ''جہاد'' کا نام تجویز کیا۔'' (۳۰)

جہاد سے مراد ہے کہ اس میں پورا اخلاص اللہ کے لیے ہو اور کسی دنیاوی نام ونمود، حرص و طمع، یا فخر و غرور کا شائبہ تک شامل نہ ہو۔ آپ ﷺ نے جنگ کو خون آشامی و غارت گیری کے دائرے سے نکال کر اس کا باقاعدہ ایک مقصد متعین کیا، اور اسے اعلیٰ اخلاقی اور مدنی نصب العین کی سطح تک لایا ہے، جبکہ آپ ﷺ سے قبل عرب دنیا میں جنگ کے لیے استعمال ہونے والے محاورے، استعارے سب کے سب ایک وحشیانہ جنگ کے تصور کو پیش کرتے تھے آپ ﷺ نے اس تصور کی نفی کی اور ''جنگ'' کو ''جہاد'' کی اصطلاح دی۔

آپ ﷺ نے اس غرض کے لیے نیتوں کو دُرست کیا اور یہ واضح کیا کہ جہاد و قتال حصول اقتدار، عزت و تکریم، یا اظہارِ شجاعت کے لیے نہیں کیا جاتا بلکہ اس کا مقصد کلمہ اعلائے حق ہے۔ (۳۱)

ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

من قتل لتکون کلمة اللّٰہ هی العلیا فهو فی سبیل اللّٰہ (۳۲)

ترجمہ: ''جو شخص اس ارادہ سے جنگ میں شریک ہوتا کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو صرف وہی اللہ کے راستے میں لڑتا ہے۔''

عرب میں اسلام سے قبل جنگوں کا ایک طویل سلسلہ چلا آ رہا تھا اور یہ جنگ قبائلی جنگ کہلاتی تھی کیونکہ عربوں میں قبیلہ عموماً سیاسی وحدت کی حیثیت رکھتا تھا لہٰذا ان قبائلی جنگوں کا مقصد خون کا بدلہ و

اضطراب کی حالت رونما رہتی۔ جبکہ اسلام نے جہاد کے علاوہ دیگر تمام لڑائیاں موقوف کر دیں اور صرف وہی لڑائی جائز رکھی خدائی قانون کا نفاذ جس کا متقاضی ہو۔ آپ ﷺ نے ان فتنہ انگیز لڑائیوں کے سلسلہ کو روکا اور جہاد و لڑائی کا مقصد ہی ارضِ پاک کو فتنہ سے محفوظ کرنا قرار دیا۔

اسلام کے تصوّرِ جہاد کو حیدر زمان صدیقی نے یوں بیان کیا ہے:

> ''جس طرح خاطی انسان کو سزائے موت دی جاتی ہے اسی طرح اجتماعی فتنہ کی صورت میں نظامِ تمدّن کے حصول کے لیے خون کی ندیاں بھی بہانی پڑتی ہیں اور عقل و مصلحت کا تقاضا ہے کہ ایک قابل عملِ جراحی کی طرح اس فاسد و مفسد عضو کو ہی کاٹ کر پھینک ڈالے جو اجتماعی نظام میں زہریلے اثرات پھیلانے کا باعث ہو رہا ہے۔'' (۳۳)

جہاد اس انقلابی جد و جہد کا نام ہے جو اسلام کے انقلابی نظریہ و مسلک کو تمام دنیا کے اجتماعی نظام میں بدلنے کے لیے سرانجام دی جاتی ہے اسی لیے اسے ایک خاص اصطلاحی زبان دے دی گئی تا کہ عام جنگی تصوّرات سے اس کے انقلابی تصوّرات کو الگ کیا جا سکے اور حرب جنگ کے محدود مفہوم کو جہاد کے اعلیٰ مفہوم سے الگ کیا جا سکے۔ کیونکہ یہ تو ایک نیک مقصد کے لیے کی جانے والی Struggle کا نام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے لیے جنگ و حرب جیسے پُرانے الفاظ ترک کر کے جہاد کا نیا لفظ اختیار کیا گیا ہے۔

مولانا سیّد مودودیؒ رقمطراز ہیں:

> ''جنگ کا لفظ قوموں اور سلطنتوں کی ان لڑائیوں کے لیے جو اشخاص اور جماعتوں کی نفسانی اغراض کے لیے لڑی جاتی ہیں۔ ان لڑائیوں کے محرک محض ایسے شخصی اور اجتماعی مقاصد ہوتے ہیں جن کے اندر کسی نظریے یا کسی اُصول کی حمایت کا شائبہ تک نہیں ہوتا

اس لفظ ہی کو ترک کر دیتا ہے۔'' (۳۴)

تاریخ انسانیت کا پہلا قتل

اسلام کے تصوّرِ جہاد کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ جنگ وجدال کے ابتدائی محرکات پر ایک نظر ڈال دی جائے تا کہ جنگ و جہاد کے نظریات کا فرق عیاں ہو نیز جہاد و جنگ کے الگ الگ پسِ منظر کی روشنی میں دونوں کے اغراض و مقاصد کو سمجھا جا سکے۔

خالق نے اس کائنات میں ہر شے کو دو پہلو رکھے ہیں۔ زندگی کے ساتھ موت ہے تو خوشی کے ساتھ غم۔ محبت کا دوسرا رُخ عداوت اور امن کے ساتھ جنگ کا وجود موجود ہے۔ یہ سب ایک ہی فطرت کے دو پہلو ہیں جو بظاہر متضاد لیکن درحقیقت ایک دوسرے سے لازمی طور پر ہم آہنگ اور جڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ جیسے زندگی کی تکمیل کے لیے موت کا وجود اٹل ہے اور خوشی کے بھرپور احساس کے لیے غم کا تجربہ ضروری ہے اسی طرح بسا اوقات امن کے قیام کے لیے جنگ ناگزیر ہوتی ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

وَ قَاتِلُوْا هُمْ حَتّٰی لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ٥ (۳۵)

ترجمہ: ''اور ان سے اس وقت تک لڑتے رہنا کہ فساد نا مود ہو جائے اور (ملک میں) خدا کا ہی دین ہو جائے۔''

گویا لڑائی کا مقصد ہی فتنہ وفساد یا بدامنی کا مکمل خاتمہ اور امن کا مکمل نفاذ ہے نا کہ کوئی نفسانی یا ذاتی تسکین۔

سورۃ المائدہ میں ارشادِ ربانی ہے کہ:

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ٥ (۳۶)

لیا جائے یا ملک میں خرابی کرنے کی سزا دی جائے تو اس نے گویا
تمام لوگوں کو قتل کیا۔''

حضرت مولانا سیّد مودودیؒ اس کی وضاحت میں رقمطراز ہیں:

''مَنْ قَتَلَ نَفْسًا فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا ہی نہیں فرمایا بلکہ
اس کے ساتھ بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ کا استثناء بھی کر
دیا یہ نہیں کہا کہ کسی جان کا کسی حال میں قتل نہ کرو ایسا کہا جاتا تو یہ
تعلیم کا نقص ہوتا، عدل نہ ہوتا بلکہ حقیقی ظلم ہوتا۔'' (۳۷)

کیونکہ اصل مقصد تو دنیا میں عدل وانصاف قائم کرنا اور شر کو مٹانا ہے۔ شر کا جزبہ ہی اس دنیا میں سب سے پہلی لڑائی کا باعث بنا۔ خیر وشر کے تصادم نے دو بھائیوں کا آمنے سامنے لا کھڑا کیا، بغض وسرکشی کا جذبہ تھا جس نے ایک بھائی کے ہاتھوں دوسرے بھائی کا خون کروا کہ دنیا میں قتلِ انسانیت کی بنیاد ڈال دی۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

لا تقتل نفس ظلماً الا کان علی ابن آدم الاول کفل
من دمها لأنه کان اوّل من سن القتل (۳۸)

ترجمہ: ''جو بھی قتل کیا جائے گا اس کے (گناہ کا) ایک حصہ آدم کے بیٹے
قابیل پر پڑتا ہے۔''

سورۃ المائدۃ میں قتل کے اس واقعہ پر یوں روشنی ڈالی گئی ہے:

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ
اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ط قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ط قَالَ
اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ o (۳۹)

حالات (جو بالکل) سچے (ہیں) پڑھ کر سنا دو کہ جب ان دونوں
نے (خدا کی جناب میں) کچھ نیازیں چڑھائیں تو ایک کی نیاز تو
قبول ہو گئی اور دوسرے کی قبول نہ ہوئی (تب قابیل ہابیل
سے) کہنے لگا کہ میں تجھے قتل کر دوں گا اس نے کہا کہ خدا
پرہیز گاروں ہی کی نیاز قبول کرتا ہے۔''

تفاسیر سے واضح ہوتا ہے کہ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب دنیا اپنی ابتدائی حالت میں آگے بڑھ رہی تھی لہٰذا یوں ہوتا تھا کہ حضرت آدم وحوا کے ہاں ایک حمل سے ایک لڑکا اور لڑکی پیدا ہوتے جو حقیقی بہن بھائی شمار ہوتے اسی طرح دوسرے حمل سے بھی ایک لڑکا اور لڑکی پیدا ہوتے اور یوں ایک حمل کی لڑکی کا نکاح دوسرے حمل کے لڑکے سے کر دیا جاتا۔

علامہ طبری اپنی کتاب جامع البیان عن تاویل القرآن میں لکھتے ہیں:

كان لا يولد لأدم مولود الا ولد معه جاريه ،فكان
يزوج غلام هذا البطن الأخر، و يزوج جارية هذا
البطن غلام البطن هذاالأخر (۴۰)

ترجمہ: ''ایک حمل سے دو بچے پیدا ہوتے ایک حمل کی لڑکی کا نکاح
دوسرے حمل کی لڑکے سے کر دیا جاتا چنانچہ جب ہابیل وقابیل پیدا
ہوئے جن میں قابیل بڑا تھا اور اس کے ساتھ کی بہن زیادہ حسین
تھی ،لہٰذا جب دستور کے مطابق ہابیل کا نکاح اس سے طے پایا تو
قابیل نے اس کی مخالفت کر دی اور کہا۔''

هي اختي ولدت معي، و هي أحسن من أختك، و أن
أتزوجها (۴۱)

سے زیادہ حسین ہے لہٰذا تو اسی سے نکاح کر۔''

ابنِ کثیر نے لکھا ہے:

و كانت أخت (هابيل) دميمه و أخت (قابيل)و ضيئة، فأراد أن يستأخر بها على أخيه ،فأبى آدم ذلك الايقربا قرباناَ، ضمن منه فيهى له(۴۲)

ترجمہ: ''ہابیل کی بہن خوبصورت نہ تھی تو قابیل نے چاہا کہ اپنی ہی بہن سے نکاح کر لے، حضرت آدم علیہ السلام نے منع فرمایا آخر یہ طے پایا کہ دونوں خدا کے نام پر خیرات نکالو جس کی خیرات قبول ہو جائے تو اسی کے حق میں فیصلہ ہوگا۔''

اس زمانے میں قربانی کی قبولیت کا الہامی دستور یہ تھا کہ نذر و قربانی کی چیز کسی بلند مقام پر رکھ دی جاتی اور آسمان سے آگ نمودار ہو کر اس کو جلا ڈالتی اس قانون کے مطابق دونوں نے اپنی اپنی نذر پیش کی، ہابیل نے اپنے ریوڑ میں سے بہترین دنبہ خدا کی نذر کیا جب کہ قابیل نے ردّی قسم کا غلّہ قربانی کے لیے پیش کیا جس سے دونوں کی حسنِ نیت اور نیت بد کا اندازہ ہو جاتا ہے۔

ابنِ کثیر نے بدایہ ونہایہ میں لکھا ہے:

فقرب هابيل جذية سمينة و كان صاحب غنم و قرب قابيل حزمه من ذرع من ردى زرعة فنزلت نار فأكلت قربان هابيل و تركت قربان قابيل فغضب و قال لأقتلت حتّى لا تنكح أختى(۴۳)

ترجمہ: ''ہابیل نے اپنے ریوڑ سے بہترین دنبہ قربان کیا جبکہ قابیل نے ناقص، چنانچہ آگ نے آکر ہابیل کی نذر کو جلا ڈالا اور اس کی قربانی

کو کہا کہ میں تجھے قتل کیے بغیر نہ چھوڑوں گا تا کہ تو میری بہن سے
نکاح نہ کر پائے۔''

توریت میں اس واقعہ کو یوں بیان کیا گیا ہے کہ:

''قابیل کسان اور ہابیل چرواہا تھا لہٰذا ان دونوں نے اپنی بساط
کے مطابق قربانی دینی چاہی۔ یوں ہوا کہ قائن اپنے کھیت کے پھل
کا ہدیہ خداوند کے واسطے لایا اور ہابیل بھی اپنی بھیڑ بکریوں کے کچھ
پہلوٹھے بچوں کا اور کچھ ان کی چربی کا ہدیہ لایا اور خداوند نے ہابیل
کو اور اس کے ہدیہ کو منظور فرمایا۔'' (۴۴)

ہابیل کی قربانی قبول ہو جانے کے باعث اس کا بھائی اس سے خار کھا گیا اور اپنے ہی بھائی کے قتل کے درپے ہو گیا، قرآن کے ظاہری الفاظ کا اقتضاء بھی یہ ہے کہ قابیل کی ناراضگی کا سبب قربانی کی عدمِ قبولیت تھا جب کہ قربانی کی قبولیت کا دارومدار نیک نیتی اور پرہیز گاری پر ہے۔

قرآنِ حکیم سورۂ حج میں قربانی کی قبولیت کی بابت ارشادِ ربانی ہے:

لَنۡ یَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوۡمُهَا وَلَادِمَآؤُهَا وَ لٰكِنۡ یَّنَالُهُ التَّقۡوٰیo(۴۵)

ترجمہ: ''اللہ تک نہ ان کا خون پہنچتا ہے نہ گوشت بلکہ اس تک تمہاری
پرہیز گاری پہنچتی ہے۔''

لیکن قابیل نے قربانی کے فیصلہ کو غیر جانبدارانہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور حضرت آدم پر الزام عائد کیا کہ چونکہ آپ نے ہابیل کے لیے اللہ سے دُعا کی اس لیے اس کی قربانی قبول ہوئی۔

**فقال قابیل أحبه فعلیت علی قربانه دعوت له فتقبل
قربانه و رد علی قربانی (۴۶)**

ترجمہ: ''قابیل نے کہا کہ وہ انہیں عزیز تھا اس لیے اس کی قربانی کے لیے

اسی خیال نے قابیل کے دل میں حسد و رشک کا جذبہ بیدار کر دیا یہاں تک کہ اس نے اپنے بھائی کے قتل کی ٹھان لی اور ایک دن اسے ایک موقع مل گیا جب ہابیل کو واپسی میں دیر ہوگئی تو حضرت آدم علیہ السلام نے اسے خبر گیری کے لیے بھیجا جب دونوں کی ملاقات ہوئی تو پہلے اس نے اپنے بھائی کو خوب دھمکایا کہ میں اب تجھے مار ڈالوں گا جواب میں ہابیل نے تحمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا:

قربت أطيب مالي،و قربت انت أحبث مالك و اِن
الله لا يقبل الا الطيب اِنما يتقبل الله من المتقين (۴۷)

ترجمہ: ''میں نے مرغوب ومحبوب شے اللہ کے نام کی اور تو نے بے کار بس اللہ نیکوکاروں کی ہی نیکی قبول فرماتا ہے۔''

قرآنِ کریم سے واضح ہوتا ہے کہ ہابیل نے کس کمال صبر وتحمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے نہایت شستہ انداز میں اپنا موقف بیان کیا اور بھائی کو سمجھانے کی کوشش کی۔ فرمایا:

لَئِنۢ بَسَطْتَّ اِلَیَّ یَدَکَ لِتَقْتُلَنِیْ مَآ اَنَا بِبَاسِطٍ یَّدِیَ
اِلَیْکَ لِاَقْتُلَکَ ج اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰہَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَo (۴۸)

ترجمہ: ''اگر تو مجھے قتل کرنے کے لیے مجھ پر ہاتھ چلائے گا تو میں تجھے قتل کرنے کے لیے تجھ پر ہاتھ نہ چلاوں گا مجھے تو ربّ العالمین سے ڈر لگتا ہے۔''

اس بیان کا یہ مطلب نہیں لیا جاسکتا کہ تو مجھے قتل کرنے کے لیے بھی آئے گا تو میں تجھ پر ہاتھ نہ اُٹھاوں گا اور خود کو تیرے سپرد کردوں گا کیونکہ خود سپردگی تو انصاف کے منافی ہے۔ لہٰذا اس سے مراد یہی لی جاسکتی ہے کہ تیرا ارادہ اگرچہ میرے قتل کا ہے لیکن میں تجھے ختم کرنے کا ارادہ یا نیت نہیں رکھتا اور یہ نہیں چاہتا کہ میں تجھ پر حملہ کروں لہٰذا اپنے دفاع کے دوران میرے ہاتھوں جو تیرا نقصان ہوگا اس کی ذمہ داری اور گناہ بھی تیرے ہی سر جائے گا اس لیے کہ میری نیت تو تمہیں نقصان پہنچانے کی نہیں ہے۔

''کسی شخص کا اپنے آپ کو خود قاتل کے سامنے پیش کر دینا اور ظالمانہ حملہ کی مدافعت نہ کرنا کوئی نیکی نہیں، البتہ نیکی یہ ہے کہ اگر کوئی شخص میرے قتل کے درپے ہو اور میں جانتا ہوں کہ وہ میری گھات میں لگا ہوا ہے تب بھی اس کے قتل کی فکر نہ کروں گا۔''(۴۹)

احنف بن قیس سے نبی کریمﷺ سے روایت ہے کہ:

اذا تواجه المسلمان بسیفیهما فالقتل والمقتول فی النّار ،قالوا یا رسول الله هذا القتل فما بال المقتول قال: اِنه کان حریصاً علی قتل صاحبه(۵۰)

ترجمہ: ''جب دو مسلمان تلواریں لے کر بھڑ گئے تو قاتل اور مقتول دونوں جہنمی ہیں ۔فرمایا: میں نے پوچھا یا رسول اللہﷺ! قاتل تو ہوا مقتول کیوں؟ فرمایا اس لیے کہ وہ اپنے ساتھی کے قتل کا ارادہ کیے ہوئے تھا۔''

ہابیل چونکہ نیکی کی جانب مائل تھا لہٰذا وہ اپنے بھائی کو مارنے کے ارادہ سے بھی باز رہا اور کہا کہ بجائے اس کے کہ ہم دونوں ایک دوسرے کے قتل کے جرم میں گنہگار رہوں میں یہ بہتر سمجھتا ہوں کہ دونوں کا گناہ تیرے ہی حصّہ آئے، میں تو اس جرم کے ارتکاب کی نیت ہی نہیں رکھتا اس لیے کہ میں خداوند کریم سے ڈرتا ہوں۔اس وقت مصلحت کا تقاضہ وہی تھا جو ہابیل نے کہا۔کیونکہ ایک فتنہ اس کے سامنے آموجود ہوا تھا اور اس کا تدراک اس کے بس میں نہ تھا۔اسی مصلحت کی جانب نبی کریمﷺ سے اشارہ ملتا ہے کہ:

انها ستکون فتنة القاعده فیهما خیر من القائم والقائم خیر من الماشی الماشی خیر من الساعی (۵۱)

ہونے والے سے بہتر ہو گا اور کھڑا چلنے والے سے، چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہو گا جو اس کی طرف جھانک کر بھی دیکھے گا تو وہ اسے تباہی تک پہنچا دے گا پس جو کوئی جہاں بھی پناہ پائے لے لے۔''

حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

یا ابا ذر أرایت اِن قتل الناس بعضیهم بعضاً یعنی تغرق حجازة الزیت من الدماء کیف تصنع قال الله رسوله أعلم قال اقعد نی بیتک و أغلق علیک بابک قال فان لم أترک ،قال: فأت من أنت منهم فکن منه مقال فأخذ سلاحی قال فاذا تستار کهم فیما هم فیه و لکن اَذا خشیت أن یروعک سقاع السیف خالق طرف ردائک علی وجهک کی یبوء باثمه و اثمک(۵۲)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے ابوذر اس وقت کیا کرو گے جب مدینہ میں قتلِ عام ہو گا میں نے عرض کیا خدا اور اس کا رسول ﷺ جو میرے لیے پسند فرمائیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اہل مدینہ کے ساتھ وابستہ رہنا، میں نے عرض کیا میں تلوار لے کر ایسے شخص کے خلاف جنگ کیوں نہ کروں فرمایا: اگر تم ایسا کرو گے تو مفسدوں میں شمار ہو گے تمہیں چاہیے کہ چپ چاپ اپنے گھروں میں بیٹھ جاؤ۔ میں نے عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ فتنہ میرے گھر میں گھس آئے تو آپ ﷺ

ڈال لینا قتل کرنے والا اپنا اور تمہارا دونوں کا گناہ اپنے سر لے گا اور
دوزخ میں جائے گا۔

سورۃ النساء میں قتلِ عمد کی سزا سنائی گئی ہے:

وَمَنۡ يَّقۡتُلۡ مُؤۡمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيۡهَا وَ
غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيۡمًا٥ (۵۳)

ترجمہ: ''اور جو شخص مسلمان کو قصداً مار ڈالے گا تو اس کی سزا دوزخ
ہے۔ جس میں وہ ہمیشہ جلتا رہے گا اور خدا اس پر غضبناک ہوگا اور
اس پر لعنت کرے گا اور ایسے شخص کے لیے اس نے بڑا عذاب تیار
کر رکھا ہے۔''

ہابیل نے آخری بار بھی اپنے بھائی کو نصیحت کی اور ڈرایا کہ ایسا سوچ کر تم خدا کی ذات کو ناراض کر رہے ہو اور ایسا کرنے کی صورت میں تمہارا ٹھکانہ جہنم ہو جائے گا جو بہت ہی بُرا ٹھکانہ ہے۔ اس نے بھائی کو تنبیہی انداز میں سمجھایا کہ چونکہ میں تو تیرا مقابلہ کر ہی نہیں رہا لہٰذا اس ارادہ بد کا سارا بوجھ تیرے ہی کندھوں پر پڑے گا۔ لیکن قابیل کے نفس نے اسے ورغلایا اور اس پر نصیحت کا کوئی اثر نہ ہوا۔

فَطَوَّعَتۡ لَهٗ نَفۡسُهٗ قَتۡلَ اَخِيۡهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصۡبَحَ مِنَ
الۡخٰسِرِيۡنَ٥ (۵۴)

ترجمہ: ''مگر اس کے نفس نے اس کے بھائی کو مار ڈالنے کی ترغیب دی تو
اس نے اسے قتل کر دیا اور خسارہ اُٹھانے والوں میں ہو گیا۔''

توریت کا بیان ہے کہ ہابیل کے قتل کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس سے اس کے بھائی کے بارے میں پوچھا۔

''تب خداوند نے کہا کہ تیرا بھائی کہاں ہے؟ اس نے کہا مجھے معلوم نہیں، کیا میں اپنے بھائی کا

قتل کرنے کے بعد قابیل حیران اور پریشان تھا کہ آخر اس نعش کا کیا کیا جائے کیونکہ ابھی تک نسلِ آدم موت سے دوچار نہیں ہوئی تھی لہٰذا ابھی تک حضرت آدم علیہ السلام نے مردے کے بابت کوئی حکمِ الٰہی نہیں سنایا تھا اور خود قابیل کو بھی کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس نعش کا کیا کرے۔

طبری نے لکھا ہے کہ:

كان يحمله على عاتقه ماته سته ،لا يدرى ما يصنع به يحمله و لصيقه اِلى الأرض حتى رأى الغراب يدفن الغراب(٥٦)

ترجمہ: ''سال بھر تک قابیل اپنے بھائی کی لاش اپنے کندھوں پر اُٹھائے پھرتا رہا پھر کوے کو دیکھا اور اپنے نفس سے ملامت کرنے لگا کہ میں اتنا بھی نہ کرسکا۔''

اس نے کوے کو دوسرے کوے کی لاش زمین کھود کر دفناتے دیکھا اور اس سے راہنمائی لی لیکن کوے کا سیانا پن دیکھ کر اسے اپنی کم عقلی پر افسوس ہوا اور اس نے اپنا سر پیٹ لیا کہ میں تو اس حقیر کوے سے بھی گیا گزرا نکلا۔

قَالَ يٰوَيْلَتٰٓى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِيْ ج فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَo(٥٧)

ترجمہ: ''کہنے لگا کہ مجھ سے اتنا بھی نہ ہوسکا کہ اس کوے کے برابر ہوتا پھر اپنے بھائی کی لاش چھپا دیتا پھر وہ پشیمان ہوا۔''

مولانا سیّد مودودیؒ فرماتے ہیں:

''اس کی ندامت صرف اس بات تک محدود نہ تھی کہ وہ لاش چھپانے کی ترکیب میں کوے سے پیچھے کیوں رہا، بلکہ اس کو یہ بھی

جاہلیت کا ثبوت دیا بعد کا فقرہ کہ وہ اپنے کیے پر پچھتایا اسی پر دلالت کرتا ہے۔''(۵۸)

مذکورہ وضاحت سے ثابت ہوا کہ دنیا میں جنگ وجدال کی بنیاد حسد ورقابت کا جذبہ تھا۔ واقعہ پر گہری نظر ڈالنے سے یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ قابیل کی بہن کا زیادہ حسین ہونا اور پھر قانون کے مطابق اس کا نکاح ہابیل سے قرار پانا قابیل کے لیے حسد کا باعث بنا۔ شدت اس بات میں نظر نہیں آرہی کہ مجھے زیادہ بہتر ملے بلکہ اس میں شدت نظر آرہی کہ دوسرے کو مجھ سے بہتر کیوں ملے؟ یعنی خود اچھا پانے کی خواہش سے بھی زیادہ دوسرے کو بہتر ملنے کی جلن تھی جس نے بھائی کے دل میں بھائی کے لیے نفرت پیدا کردی۔

انسانی فطرت میں جس طرح محبت ونفرت کے جذبات بیک وقت پائے جاتے ہیں اسی طرح ان کے اظہار کا انداز بھی یکساں پایا جاتا ہے یعنی وہ اپنی پسندیدہ شے کی بقا کے لیے لڑتا ہے اور ناپسندیدہ شے کی بقا کے لیے بھی لڑتا ہے۔ فرق صرف منفی ومثبت جذبے کا ہے یہیں سے لڑائی کا انداز بھی تبدیل ہو جاتا ہے اور نتائج بھی۔

جذبہ نفرت وحسد کے باعث ہونے والی پہلی لڑائی نے دنیا میں قتلِ انسانیت کی بنیاد ڈال دی اور آئندہ بھی شر کا باعث بنی جبکہ دینِ الٰہی کی محبت اور نیک نیتی پر مبنی جنگوں کی حکمت اور نتائج واضح طور پر ساری دنیا نے دیکھے۔

اس فساد کا دوسرا بڑا سبب تکبر وگھمنڈ اور بڑائی کا وہی زعم جو آدم کو سجدہ کرتے وقت ابلیس پر غالب آگیا تھا۔ فرمایا:

وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ط
اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَo (۵۹)

ترجمہ: ''اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کے آگے سجدہ کرو تو وہ

بن گیا۔"

یہی برتری کا احساس جب ابنِ آدم کے ذہن میں سمایا تو اس نے اپنی ہی توام بہن سے نکاح کرنے کی ایک وجہ یہ بتائی کہ ہم دونوں جنت میں پیدا ہوئے جبکہ ہابیل اور اس کی بہن دونوں زمین پر لہٰذا میں زیادہ سے زیادہ افضل ہوں اور افضل کا حقدار بھی۔

قال نحن ولادة الحسنه و هما من ولاده الارض، و انا أحق بأختي (٦٠)

ترجمہ: "ہم جنت میں پیدا ہوئے اور وہ دونوں زمین پر لہٰذا میرا حق میری بہن پر زیادہ ہے۔"

جب کہ خدا برتری اور کمتری کا پیمانہ اپنے پاس رکھا ہے اور اس کا معیار تقویٰ اور پرہیزگاری رکھا ہے نا کہ کوئی اسٹیٹس ہابیل اپنی سب سے عزیز شے راہِ خدا میں نذر کے طور پر پیش کر کے تقویٰ کے معیار پر پورا اُترا جس کے عوض اللہ نے اس کی منّت قبول فرمائی لیکن ہابیل نے حضرت آدمؑ پر الزام عائد کیا کہ چونکہ آپ کو ہابیل زیادہ عزیز ہے لہٰذا آپ نے اس کے لیے دُعا کی، جو کہ محض ایک شیطانی وسوسہ تھا۔

ہابیل کا مشتعل ہونے کے بجائے بھائی کو نصیحت کرنا۔ خاص مومنانہ ردّیہ کی نشاندہی ظاہر کرتا ہے کہ یہ جانتے ہوئے بھی کہ اس کا بھائی اس کی جان کے درپے ہے وہ قتل کے لیے آگے نہ بڑھے۔ اس سے یہ مراد ہرگز نہیں ہے کہ مومن اپنے بچاؤ کے لیے بھی آگے نہ بڑے اپنا بچاؤ کرنا تو خوفِ خدا کے منافی نہیں ہے۔

قابیل نے نفس کی بے جا پیروی کی شیطان اس کی منفی سوچ کو عملی جامہ پہنانے تک اس کے ساتھ رہا۔ لیکن جب لاش چھپانے کے سلسلہ میں اسے کوے سے راہنمائی لینی پڑی تب اسے اپنی کم مائیگی کا احساس ہوا اور بڑائی کا گھمنڈ اس کے ذہن سے اُتر گیا، اور اسے اپنی وقعت کا احساس ہو گیا اس لیے کہ اب شیطان نے اسے آزاد چھوڑ دیا تھا۔

تک لے گئے اور دنیا میں قتل انسانیت کی بنیاد ڈال دی۔

بعثتِ نبوی ﷺ سے قبل عربوں کی جنگی کیفیت

بعثتِ نبوی ﷺ سے قبل دنیا کی مجموعی حالت بے تحاشا بگڑی ہوئی تھی۔نسلِ آدم تباہ کن سیاسی و ذہنی خلفشار میں مبتلا تھی۔معاشرہ اخلاقی و روحانی پستی کی انتہا تک پہنچ چکا تھا، ہر طرف فتنہ وفساد، ظلم و استبداد اور کشت وخون کا سلسلہ جاری تھا۔

''دنیا کے دیگر ممالک کے باشندوں کی طرح جزیرۂ نما عرب کی حالت چھٹی ساتویں صدی عیسوی میں ہر لحاظ سے گری ہوئی تھی۔سارے ملک میں سیاسی انتشار کے باعث خانہ جنگی زوروں پر تھی۔ ان غیر یقینی حالات میں لوگوں کے ذہنوں میں جان، مال، آبرو کا احترام ختم ہو چکا تھا مسلمان مؤرخ اس زمانہ کو زمانہ جاہلیت کے نام سے یاد کرتے ہیں۔''(۶۱)

اس زمانہ میں باقاعدہ کوئی سیاسی ومرکزی ڈھانچہ موجود نہ تھا بلکہ سیاسی نظام قبائلی اُصولوں پر قائم تھا۔پورا جزیرہ مختلف حصوں میں بٹا ہوا تھا اور مختلف قبائلی سرداروں کی حکمرانی قائم تھی۔قبیلہ کے سردار کے لیے علم، فیاضی اور شجاعت کے علاوہ ایک ضروری شرط یہ تھی کہ اس کے حامیوں کی تعداد زیادہ سے زیادہ ہو۔یوں اقتدار کے حصول کے لیے اکثر قبائل کے درمیان رسہ کشی جاری رہتی اور جانشینی کے دعویداروں کے درمیان پشتوں تک عداوتوں کا سلسلہ چلتا رہتا۔

محمد خالد اسمٰعیل نے لکھا ہے کہ:

> ''ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ پر حملہ کر کہ اس کے زن و مرد کو اپنا غلام بنا لیتا تھا دو افراد کی لڑائی دو قبیلوں کی لڑائی بن جاتی تھی۔بعد میں کئی قبائل شریک ہو جاتے تھے اور لڑائی کا یہ سلسلہ عرصہ دراز تک جاری رہتا۔''(۶۲)

شاعر اعشی اپنے مخالفین کے جذبہ کو اپنی شاعری سے اس طرح بھڑکاتا ہے۔

لقد اعمتم بأنّا لا نقاتلكم　　أنا يا قومنا مثل

قالوا الطراء فقلنا تلك عادتنا　　أتنزلون فامعمر نزل (۶۳)

ترجمہ: ''تم یہ سمجھ بیٹھے ہو کہ ہم تم سے جنگ نہیں کریں گے۔ اے قوم ہم تم جیسوں کے لیے تو بڑے خونخوار اور جلاد ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہم مشترکہ حملہ کریں گے ہم نے کہا یہ تو ہماری عادت ہے۔ یا اگر تم ایک ایک کر کے مقابلہ میں اُترو تو ہم اس طریقہ سے بھی واقف ہیں۔''

اسی طرح عنترہ اپنی تعریف میں لکھتا ہے:

انی امرؤ من خیر عبس منصباَ

شطری، و أحمی سائری بالمنصل (۶۴)

ترجمہ: ''میرا آدھا نسب عبس کے اعلیٰ خاندان سے ملتا ہے اور تلوار سے میں اپنے پورے نسب کی حفاظت کرتا ہوں۔''

عرب قدیم کے حالات معلوم کرنے کے دو بڑے ذرائع ہیں۔ شاعری اور داستانیں ہیں۔ شعرائے عرب کا کلام محض نازک خیالیوں و مبالغہ آرائیوں کا مجموعہ نہ تھا بلکہ قومی سیرت کا مکمل عکس تھا۔ انہوں نے اپنے اشعار میں عرب سوسائٹی اور تہذیب و تمدن کی بڑی خوبصورت تصویر کشی کی ہے۔ لہٰذا یہ کلام اور اس میں موجود تشبیہات و استعارات اہلِ عرب کا جنگی تصور، مقاصد و محرکات جنگ نیز جنگی حکمت عملی و طریقہ کار ساری چیزیں کھول کر ہمارے سامنے پیش کر دیتے ہیں اور یہ واضح کرتے ہیں کہ اہلِ عرب کے ہاں جنگ لوٹ مار، شور و ہنگامہ، اور غیض و غضب کا نام تھا جس میں اخلاقی فضیلت اور انسانی شرافت کا شائبہ تک دکھائی نہ دیتا اور یہ جنگ ان کے ہاں فخر کی علامت گردانی جاتی تھی۔

مولانا سیّد مودودیؒ لکھتے ہیں کہ:

''ان کے ہاں عام عقیدہ یہ تھا کہ اگر کوئی شخص پلنگ پر پڑ کر مرتا ہے

دیتا ہے تو اس کی رُوح اس کے زخم سے نکلتی ہے۔ ہر عرب کی تمنا تھی
کہ اس کی ناک کے بجائے زخم سے نکلے۔"(۶۵)

اس قسم کے خیالات کا اظہار ایک شاعر اپنے الفاظ میں یوں کرتا ہے:

و ما مات منا سبید حتف انفه(۶۶)

ترجمہ: "ہم میں سے کوئی سردار ناک کی موت نہیں مرا۔"

یہ اس سوسائٹی کا المیہ تھا کہ جنگ کا کوئی واضح مقصد وغرض جانے بنا بس صدا کان میں پڑتے ہی ہر کوئی کود پڑتا اور جو اپنے قدم روک لے تو وہ انتہائی حقیر وکمتر سمجھا جاتا۔ نبی کریم ﷺ نے انہیں لوگوں کے درمیان اور اسی جنگ وجدال کے ماحول میں آنکھ کھولی جہاں بنی تغلب و بنی بکر کے درمیان محض چراگاہ میں اونٹنی کے چرنے کے باعث چالیس برس تک جنگ جاری رہی۔

ان معمولی وجوہات کے باعث شروع ہونے والی جنگیں پشتشوں تک جاری رہی ہیں عرب کی کسی بھی جنگ کو دیکھا جائے داحس وغبرا، بعاث، کلاب، فترت، قرن، کوئی ایک جنگ نہ تھی جس کی کوئی معقول وجہ پائی جاتی ہو یا ان میں سے کسی ایک لڑائی کا بھی کوئی مثبت نتیجہ رہا ہو۔ کیونکہ ان جنگوں کا مقصد مثبت تھا اور نہ ہی طریقہ کار، دشمن پر قابو پانے کے بعد اس کے اہل وعیال کا قتلِ عام کر دیا جاتا، لڑائی شروع ہونے سے قبل کسی قسم کا باقاعدہ اعلان ہرگز نہیں کیا جاتا بلکہ اچانک اور خفیہ حملوں کا رواج تھا۔ نہ کسی قسم کی صف بندی کا اہتمام ہوتا نہ ہی کوئی مرکزی لیڈر رہوتا۔

"جنگ کے دوران میں دشمن کو قتل کرنا اور اس کے اعضاء کا مثلہ کرنا، ہر ممکن طریقہ سے اس کی توہین وتذلیل کرنا، دشمنوں کی عورتوں کی عصمت دری کرنا، یہ سب اُمور نہ صرف جائز سمجھے جاتے تھے بلکہ ان پر اعلانیہ فخر کیا جاتا تھا۔"(۶۷)

ابتدائے آفرینش سے اس وقت تک برپا ہونے والی ہزاروں جنگوں کا محرک وہی شر کا جذبہ ہے جو نسلِ آدم کے پہلے قتل کا باعث بنا اور پھر اس کے بعد کبھی بھی انسانی معاشرے کو پُر امن اور متحد ہونے نہ دیا اور یہی شر عربوں کی فطرت کا خاص حصہ تھا۔ مختلف قوموں کے درمیان تعصب، بغض و عناد، مفاد پرستی، بڑھتے بڑھتے اس حد تک پہنچ جاتا کہ کشت و خون اور کثیر مالی و جانی نقصان کی صورت میں نتیجہ سامنے آتا۔ عربوں کے ہاں واقع ہونے والی بیشتر جنگوں کے دو نمایاں محرکات تھے۔

ا۔ مالِ غنیمت

عربوں کو جنگ جیسے خوفناک عمل میں ہمہ وقت متحرک رکھنے والا سب سے اہم محرک مالِ غنیمت کا شوق تھا۔ ایک عرب اسی جذبہ شوق کے باعث ہتھیار اُٹھاتا تھا کہ اس کے عوض اسے خوب مالِ غنیمت اور لونڈی غلام ہاتھ آئیں گے۔ ان کے نزدیک محنت و مشقت سے حاصل شدہ مال کے بجائے وہ مال و دولت زیادہ متبرک تھا جو میدانِ جنگ سے حاصل کیا جائے۔ اسی غرض کے لیے مختلف قبائل موقع ملتے ہی ایک دوسرے پر چھاپہ مارتے رہتے۔ شعراء نے اپنے اشعار میں اس بات کو فخریہ بیان کیا ہے کہ ہم لوٹ مار کے شوق میں اپنے بھائیوں تک کو نہیں چھوڑتے۔

و کن اذا غرن اعلیٰ جنابِ   و اعوزھن نصب حیث کانا

اغرن من ھن انصاب علیٰ حلولِ   و حبّہ انہ من فن فکانا(۶۸)

ترجمہ: ''ہمارے گھوڑے جب قبیلی جناب پر ٹوٹ پڑتے ہیں اور وہاں لوٹ کا مال ہاتھ نہیں آتا تو وہ حباب اور حبہ پر ٹوٹ پڑتے ہیں جب کہ وہ گھروں کے اندر ہوتے ہیں اور کوئی مر جائے اس کی انہیں کوئی پروا نہیں۔''

ہوس و لالچ کا یہ عالم تھا کہ ان قبائل کی عورتیں اپنے مردوں کو قسم دے کر میدانِ جنگ کی طرف

اخذن علیٰ بعولتھن عھداً　　اذ الاقوا کتائب معلیمنا

لکی یسلبن افراساً و بیضا　　و اسری فی الحبال مقرنینا(۶۹)

ترجمہ: ''انہوں نے اپنے شوہروں سے عہد لیا کہ جب بہادری کے نشان لیے دشمن کے لشکر سے ملیں تو گھوڑے اور صقیل شدہ تلواریں لے کر لوٹیں اور غلام اسی میں باندھے ہوئے لے کر آئیں۔

۲۔ فخر

عربوں کو اپنی شان و شرافت اور بہادری و شجاعت پر بڑا ناز تھا اور یہی ان کے ہاں ہونے والی جنگوں کا دوسرا بڑا محرک تھا۔ تفاخر کا جذبہ عرب قوم کی فطرت میں پایا جاتا تھا ان کا سب سے پسندیدہ مشغلہ دوسروں کو نیچا دکھانا اور اپنی بڑائی ثابت کرنا ہے۔ اپنی بہادری کے جوہر دکھانے کے لیے وہ بڑے سے بڑا خطرہ مول لینے سے بھی گریز نہ کرتے تھے۔

نجیب آبادی لکھتے ہیں کہ:

''آپس میں محرکہ آرائیوں کے میدان گرم رکھنے کے سبب وہ خود ستائی اور باہمی تنافر کی جانب بھی زیادہ مائل ہو گئے تھے۔ فخر و معلیٰ کے لیے بہادری اور سخاوت دو مضمون بہت پسندیدہ تھے۔''(۷۰)

اپنی بہادری کو یوں فخریہ بیان کیا جاتا تھا۔

و اذا الکتبہ أجعمت و تلاخطت　　ألضیت خیراص معھم مخول

و الخیل تعلم و الفوارس أنبنی　　فرقت جمعھم بضربہ فیصل (۷۱)

ترجمہ: ''اور جب لشکر خوف کی وجہ سے پیچھے ہٹ جائے تو میں وہاں شریف چچاؤں کی، ماموں سے بہتر پایا جاؤں گا سواروں کے دستے اور شہسوار سب جانتے ہیں کہ میں اپنے فیصلہ کن وار سے ان کی

یہ خودستائی کا جذبہ اس قدر حاوی تھا کہ عرب اپنے مقابل کسی دوسرے کا وجود برداشت کرنے کو ہی تیار نہ تھا۔ دوسرے کی فتح یابی تو درکنار اتنا تک گوارہ نہ کر سکتے کہ ان کی چراگاہ پر کسی دوسرے کا اونٹ آئے یا ان کے چشمہ سے کسی دوسرے کا جانور پانی پیے۔ یہاں تک کہ رہن سہن اور لباس کے معاملے میں بھی ہر کوئی اپنی حکمرانی اور فوقیت چاہتا اور دوسرے کی برتری برداشت نہ کرتا تھا۔

عرب شعراء کے کلام سے اس بات کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے عربوں کے ہاں بڑائی و فخر کا احساس کس قدر نمایاں تھا۔ ان کا سارا کلام فخریہ خیالات سے بھرا پڑا ہے۔

و قد علم القبائل معد — اذا حبّب بالطحها بنینا
بانا المانعون لما اردنا — و انا النازلون بحث شینا
و انا لعاصمون اذا أطعنا — و انا العازمون اذا ھینا
و نشرب ان و ردنا اماء صفواً — و یشرب غیرنا کدراًو طینا (۷۲)

ترجمہ: ''تمام قبائل معد جب سے زمین پر آباد ہیں یہ جانتے ہیں کہ ہم جس چیز کو چاہتے ہیں روک دیتے ہیں اور جس منزل میں چاہتے ہیں ٹھہرتے ہیں جب ہماری اطاعت کی جاتی ہے تو ہم بچانے والے ہوتے ہیں اور جب ہماری نافرمانی کی جاتی ہے تو ہم جنگ کے لیے تیار رہتے ہیں جب ہم کسی چشمہ پر پہنچتے ہیں تو صاف پانی پیتے ہیں اور دوسروں کو گدلا پانی پینا پڑتا ہے۔

عرب کا مشہور شاعر عنترہ عبسی یوں رقمطراز ہے:

یدعون عنتر ،والرماح فأنها
أشطان میسر فی لبال الأدھم

ما زلت أرمیھم بتعزۃ لخرہ
و لبانہ حتی تسر کل بالدم (۷۳)

گھوڑے میں رسیوں کی طرح لمبے نیزے تھے اور میں مسلسل
گھوڑے کو دشمن کی طرف بھگا رہا تھا، یہاں تک کہ اس کی قمیض
خون سے تر ہو گئی جیسے کہ اس نے خون کا لباس پہن لیا ہو۔''

طرفۃ بن العبد اظہارِ فخر یوں بیان کرتا ہے:

أنا الرّجال الضرب الّذی تعرفونه
خشاش لرأس الحمة المشوقد

و اذا ابتدر القوم الساح و بعدتنی
منعیاَ، اذا بلّت بقائمة یدی (۷۴)

ترجمہ: ''جنگ کے موقع پر جب لوگ تیزی سے ہتھیار اُٹھاتے ہیں تم دیکھو
گے کہ تلوار کے دستے کو ہاتھوں میں پکڑ کر میں بے خوف ہو جاتا
ہوں اور دستے کی گرفت سے میرا ہاتھ پسینے سے تر ہو جاتا ہے۔''

یہ دو اہم وجوہات تھیں جنھوں نے عرب قوم کو صدیوں تک جنگ میں اُلجھائے رکھا ہے۔ بلاشبہ دیگر وجوہات بھی اس سلسلے میں حائل تھیں لیکن بنیادی اسباب یہی رہے ہیں۔

اسلام کا تصوّرِ جہاد۔ اہم اغراض و مقاصد

خالقِ کائنات نے انسان کو اس دنیا میں ایک مقصدِ عظیم کے تحت بھیجا اور یہاں بہتر اور پُر امن زندگی گزارنے کے لیے باقاعدہ کچھ اُصول و قوائد مقرر کیے۔ ان میں ایک بنیادی اور اہم اُصول احترامِ نفس ہے۔ یہ وہ اُصول ہے جو دنیا کے ہر قانون میں قابلِ احترام ہے اور دنیا کے تمام مذاہب و شریعتوں میں اس قانون کو مرکزی حیثیت حاصل رہی ہے۔ اس دنیا میں کوئی شخص تنہا اور سوسائٹی سے کٹ کر اپنا وجود برقرار نہیں رکھ سکتا لہٰذا تمام لوگوں کو ایک جماعت کی صورت میں باہم مربوط رکھنے کے لیے ایک دوسرے پر حقوق و فرائض عائد کر دیے گئے اور اس جماعت کا وجود قائم رکھنے اور پُر امن زندگی گزارنے

نہ ہو تو امن و اطمینان کیسے میسّر آ سکتا ہے۔ لہٰذا کسی بھی سچے مذہب میں سب سے پہلے احترامِ حیاتِ انسانی کی صحیح قدر و قیمت دلوں میں بیدار کی جاتی ہے۔ اس نقطۂ نظر سے احترام نفس کی جیسی مؤثر تعلیم اسلام میں دی گئی ہے اس کی نظیر کسی دوسرے مذہب میں ملنی مشکل ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے:

مِنْ اَجْلِ ذٰلِکَ ج کَتَبْنَا عَلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ اَنَّہٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَکَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًاo (۷۵)

ترجمہ: ''اس وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر حکم نازل کیا کہ جو شخص کسی کو ناحق قتل کرے بغیر اس کے کہ جان کا بدلہ لیا جائے یا ملک میں خرابی کرنے کی سزا دی جائے اس نے گویا تمام لوگوں کو قتل کیا۔''

دوسری جگہ ارشادِ ربانی ہے:

لَا یَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا یَزْنُوْنَ وَ مَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ یَلْقَ اَثَامًاo(۷۶)

ترجمہ: ''کسی کو قتل نہیں کرتے مگر جائز طریق (شریعت کے حکم) سے اور بدکاری نہیں کرتے اور جو یہ کام کرے گا سخت گناہ میں مبتلا ہوگا۔''

اس کے ساتھ ہی دوسرا حکم ربانی یوں ہے کہ:

یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَی الْقِتَالِo(۷۷)

ترجمہ: ''اے نبی مومنوں کو قتال کے لیے اُبھارو۔''

یہ حکم بلا جواز نہیں بلکہ اس کی ایک ٹھوس اور مضبوط وجہ یہ ہے اللہ تبارک وتعالیٰ کو انسان کی تربیت مقصود ہے اور اس دنیا کا نظام معتدل و متوازن رکھنے کے لیے انسان کے لیے قوانین و قوائد ضروری تھے

وہ یقیناً جی بھر کر فساد و بدامنی پھیلائے گا، جیسا کہ عرب معاشرے میں قبل از اسلام کوئی قانونی ڈھانچہ نہ ہونے کے باعث دستور رائج تھا۔

اسلام نے اس فتنہ وفساد کی تردید کی اور ایک ایسے نظام وقانون کی بنیاد ڈالی جس کے تحت ہر شخص اپنی اپنی حدود کے اندر رہ کر آزادانہ زندگی گزار سکے لیکن دوسرے کی آزادی میں مخل نہ ہونے پائے۔

اگر انسان کو مکمل طور پر پابند کر دیا جاتا کہ وہ کسی صورت بھی آواز نہ اُٹھائے اور ہر حال میں درگزر سے ہی کام لے۔ تو ایسی صورت میں بھی عدل کا تقاضا پورا نہ ہو پاتا لہٰذا اللہ تعالیٰ نے عدل و مساوات کے اُصول کے پیشِ نظر انسانی جان کی حرمت کی تعلیم دینے کے ساتھ ہی اس کی حدود بھی بتا دیں۔

مولانا سیّد مودودیؒ رقمطراز ہیں:

> ''لَا يَقْتُلُوا لنَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ ہی نہیں فرمایا بلکہ اس کے ساتھ اِلَّا بِالْحَقِّ بھی کہا ہے۔ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا فَكَاَ نَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ہی نہیں فرمائے بلکہ اس کے ساتھ ہی بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ کا استثناء بھی کر دیا۔ یہ نہیں کہا کہ کسی جان کو کسی حال میں قتل نہ کرو، ایسا کہا جاتا تو یہ تعلیم کا نقص ہوتا''۔ (۷۸)

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو ایک خاص مقصد کے تحت اس دنیا میں رسول بنا کر بھیجا اور آپ ﷺ پر اپنا دین مکمل کر دیا اور اس دین کی تکمیل کے لیے جہاد جیسا فعل ضروری قرار دیا تا کہ انسان کو انسان کی غلامی سے نجات دلا کر ایک ایسی ذاتِ اقدس کی ماتحتی میں دے دیا جائے جو مقتدرِ اعلیٰ اور حقیقی طاقت کا سر چشمہ ہے۔ کیونکہ اس زمین پر موجود ایک ذرّے سے لے کر انسان تک کا بنانے والا وہی رب ہے تو پھر حکمرانی بھی اسی کی ہی ہونی چاہیے اور قانون بھی اسی کا رائج ہونا چاہیے کیونکہ وہی منصفانہ انداز میں اس کائنات کی ڈور چلا سکتا ہے اور انسان کا خود ساختہ قانون قطعاً کامیاب نہیں ہو سکتا اس لیے کہ جو انسان کا بنانے والا ہے وہی اس کے لیے بہتر قانون بھی بنا سکتا ہے۔ انسان کا کام تو اسے اپنا بادشاہ تسلیم کرتے

اس کے ذہن میں ہر دم بادشاہ کے سامنے جواب دہی کا خیال موجود ہو۔

کسی بھی ملک میں سربراہ یا بادشاہ کے بنائے قوانین سے روگردانی کرنے والے کے خلاف اگر حدود نافذ ہو سکتی ہیں تو کیا اس سربراہِ عالم کے بنائے قوانین کی کھلے عام دھجیاں اُڑانے والے کے خلاف کوئی حد نافذ نہیں ہونی چاہیے؟ اسلام کا مطالبہ فقط اتنا ہی ہے کہ جو لوگ اللہ کے قانون سے بغاوت کر کہ خود ساختہ قانون کے زور پر مالک الملک ہونے کا دعویٰ کر رہے ہیں ان کا زور توڑا جائے فرمایا:

وَقَاتِلُوْا هُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ج
فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَo (۷۹)

ترجمہ: ''اور ان سے اس وقت تک لڑتے رہنا کہ فساد نابود ہو جائے اور ملک میں خدا کا ہی دین ہو جائے اور اگر وہ (فساد) سے باز آ جائیں تو ظالموں کے سوا کسی پر زیادتی نہیں (کرنی چاہیے)۔''

کہیں بھی اللہ کی جانب سے یہ حکم نافذ نہیں ہو۔ اسلام میں داخل ہوتے ہی مخلوقِ خدا کے خلاف اعلانِ جنگ کر دو بلکہ ہر جگہ جہاد کا مقصد بتا دیا گیا ہے۔ جس طرح مختلف ممالک کی فورسز کو ملک وقوم کی حفاظت اور دفاع کے لیے خاص ٹریننگ دی جاتی ہے اسی طرح نظامِ الٰہی کے نفاذ کے لیے جہاد بھی ایک ٹریننگ ہے۔

مولانا فرماتے ہیں:

''ہم لڑیں تو اس لیے نہ لڑیں کہ ہمیں خود اپنے لیے مال و دولت اور زمین درکار ہے۔ بلکہ ہمارے عمل سے یہ ثابت ہونا چاہیے کہ ہماری لڑائی خالص خدا کی رضا کے لیے اور اس کے بندوں کی فلاح و بہبود کے لیے ہے۔ ہم فتح پائیں پائیں تو متکبر و سرکش نہ ہوں۔''(۸۰)

سے فساد مٹا کر امن قائم کرنے، طمع وہوس، بغض وعداوت، تعصب وتنگ نظری جیسی چیزوں کو ختم کرنے کے لیے تلوار اُٹھائے اور حق وباطل کے فرق کو کھول کر واضح کر دیا کہ کون حق کے لیے لڑتا ہے اور کون باطل کے لیے۔

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ج وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِیَآءَ الشَّیْطٰنِ ط اِنَّ كَیْدَ الشَّیْطٰنِ كَانَ ضَعِیْفًا ○ (۸۱)

ترجمہ: ''جو مومن ہیں وہ خدا کے لیے لڑتے ہیں اور جو کافر ہیں وہ بتوں کے لیے لڑتے ہیں۔ تم شیطان کے مددگاروں سے لڑو (اور ڈرو مت) کیونکہ شیطان کا گھاؤ بودا ہوتا ہے۔''

مولانا کوثر نیازی لکھتے ہیں کہ:

''جنگ کا اصلی محرک اگر کوئی اخلاقی اور مابعد الطبعیاتی نصب العین نہ ہو بلکہ محض مادّی خواہشات کی تسکین ہو، تو اس صورت میں انسان کی نظر میں ہر چیز مستحسن اور دلفریب ہوگی جو اس کو اس حیوانی مقصد کے حصول میں مدد دے سکتی ہے اور جو چیز ایسی نہیں ہوگی وہ اس کے نزدیک قابل نفرت ہوگی۔'' (۸۲)

اقوام عالم کی جنگی تاریخ کا اگر جائزہ لیا جائے تو عیاں ہوتا ہے کہ چاہے ملکی جنگ ہو یا قومی ونسلی، اس کا اہم محرک ہمیشہ معیشت رہی ہے، گو دیگر اسباب بھی حائل رہے ہیں لیکن ان کی حیثیت ثانوی ہے۔ جزیرہ عرب کے لوگوں کے باشندے اپنے علاقے سے نکل کر دوسرے علاقوں میں ذرائع پیداوار کے حصول کے لیے جدوجہد کرتے اور اس مقصد کے لیے بیشتر ملکوں پر یلغار کے بعد خون ریزی وسفاکی سے وہاں کے باشندوں کو باہر نکال لیتے اور خود ان علاقوں پر قابض ہو جاتے۔

تکمیل تک پہنچ سکتی ہیں اور نہ انسان کو امن وسکون میسّر آ سکتا ہے اور پھر جب انسان کے سامنے کوئی عظیم ومعصوم اخلاقی مقصد نہ ہو بلکہ وہ محض اپنی خواہشات کی پیروی میں لڑ رہا ہو تو وہ جائز وناجائز کے پہلو کو بھی خاص اہمیت نہیں دیتا بلکہ وہ اپنے مقصد کے حصول کے لیے کسی جائز وناجائز ذرائع کے استعمال سے گریز نہیں کرتا۔

''اسلام نے معاشی، نسلی اور قومی محرکاتِ جنگ کے علی الرغم جنگ وقتال کے لیے ایک بلند تر اخلاقی اور الہیاتی نصب العین متعین کر دیا ہے اور اسلام ہر اس جنگ کو فساد فی الارض سے تعبیر کرتا ہے جو اس مقدس مقصد کے سوا کسی دوسرے مقصد کے لیے لڑی جائے یہاں تک کہ وہ اس میں کسی مادّی غرض کی ہلکی سے ہلکی آمیزش بھی برداشت نہیں کرتا۔'' (۸۳)

دفاع اور جہاد

اسلام میں جہاد فرض ہی اپنے بچاؤ اور دفاع کے لیے ہوا ہے۔ چنانچہ جہاد سے متعلق پہلی آیت میں مسلمانوں کو اپنے بچاؤ کے لیے ہتھیار اُٹھانے کی اجازت دی گئی تھی، کیونکہ مکّہ معظمہ میں مسلمان اپنے اُوپر ہونے والے ظلم کے جواب میں مدافعت تک نہ کر پاتے تھے اور ان کی پوزیشن کے پیشِ نظر اللہ تعالیٰ نے بھی انہیں صبر کی ہی تلقین فرمائی یہاں تک کہ انہیں مکّہ معظمہ سے ہجرت کر کہ مدینہ جانا پڑا، اب مدینہ کے اندر ان کی جماعت ایک مستقل اور منظم وحدت تھی اور اپنا دفاع کرنے کی طاقت حاصل کر چکی تھی، لیکن دفاع سے مراد یہی نہیں کہ جب کوئی ہتھیار اُٹھا کہ آپ کے سامنے آجائے بلکہ جب کوئی فریق آپ کو اس طرح تنگ کرے کہ آپ کے عقیدے کو مٹانے کے درپے ہو، اور دعوتِ حق کو عام کرنے میں مخل ہو رہا ہو تو اس کے خلاف بھی ہتھیار اُٹھائے جائیں، کیونکہ دعوت ایک پیغام ہے اور پیغام عام کرنے میں رکاوٹ کا حق کسی کو نہیں، جبکہ پیغام کی قبولیت کے لیے ہر شخص آزاد ہے کسی کو اس پر مجبور نہیں کیا جا رہا بلکہ صرف دعوت دی جا رہی ہے اور خدا نے اسے توفیق دی تو وہ اس دعوت کو قبول کر لے گا ورنہ رد کر دے گا

راستے پر رواں دواں ہے لہٰذا اگر کوئی اسے روکنے کی کوشش کرے گا تو بجائے پیچھے ہٹنے کے اسے اپنا راستہ ہموار کرنا ہوگا، اللہ تعالیٰ نے دفاع کی اجازت بھی اس تاکید کے ساتھ دی گئی ہے۔

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ o (۸۴)

ترجمہ: ''اللہ کی راہ میں ان سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں اور حد سے نہ بڑھ جاؤ کیونکہ اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''

گویا ایک مومن کو اپنے بچاؤ کی اجازت تو دے دی مگر اس میں بھی قانونِ الٰہی نے اسے خاص حدود میں مقید کر دیا ہے اور کھلے عام ظلم و بربریت کی ہرگز اجازت نہ دی۔ یہاں تک کہ حالت جنگ میں بھی اسلام کی مقرر کردہ حدود و قیود کو پامال کرنے کی اجازت نہیں دی گئی۔

علامہ ابنِ کثیر اپنی تفسیر میں نبی کریم ﷺ کا فرمان بیان کرتے ہیں:

منع من المثلة، والغلول، فقتل النساء والصبيان، والشيوخ الذين لأرای لهم ولا قتال فيهم والرهبان، و اصحاب الصوامع و تحريق الاشجار، و قتل الحيوان بغير مصلحة (۸۵)

ترجمہ: ''ناک کان وغیرہ نہ کاٹو، خیانت نہ کرو، عورتوں اور بچوں کا قتل نہ کرو، جو بوڑھے لڑ نہیں سکتے انہیں نہ مارو اور کسی جنگی مصلحت کے بغیر درخت کاٹنے اور حیوانوں کے قتل سے بھی منع فرمایا۔''

دفاع کے معنی میں صرف اپنی جان و مال کا دفاع ہی نہیں آتا بلکہ دین کا دفاع اس میں سرفہرست آتا ہے کہ جب کوئی قوت دینِ اسلام کی اس طرح دشمن ہو جائے کہ اسے مٹانے اور اسلامی نظام کو فنا کرنے کے لیے حملہ آور ہو تو تمام مسلمانوں پر حفاظت دین اور مدافعت دیارِ اسلام فرض ہو جاتا ہے فقہ

فرض ہو جاتا ہے۔

بدائع الصنائع میں لکھا ہے:

اما اذا عم النفير بان هجم العدو علىٰ بلد فهو فرض عين يفترض علىٰ كل واحد من اٰحاد المسلمين ممن هو قادا عليه فاذا عم النفير لا يتحقق القيام به الا بالكل فبقى فرضا على الكل عينا بمنزلة الصوم والصلوٰة فيخرج العبد بغير اذن مولاه ولمرأة بغير اذن زوجها لان منافع العبد والمرأة فى حق العبادات المفروضة عينا مستثناة عن ملك المولىٰ والزوج شرعا كما فى الصوم والصلوة''(۸۲)

ترجمہ: ''جب اعلان عام ہو جائے کہ دشمن نے ایک اسلامی ملک پر حملہ کیا ہے، تو پھر جہاد فرض عین ہو جاتا ہے اور ہر مسلمان پر جو جہاد کی قدرت رکھتا ہو فرداً فرداً اس کی فرضیت عائد ہو جاتی ہے۔ نفیرِ عام کے بعد تو ادائے فرضیت کا حق اس کے بغیر پورا ہی نہیں ہوتا کہ سب کے سب جہاد کے لیے کھڑے ہو جائیں اس وقت وہ سب مسلمانوں پر ایسے ہی فرض ہو جاتا ہے جیسے نماز، روزہ پس غلام کو بغیر آقا کی اجازت کے اور عورت کو بغیر خاوند کی اجازت کے نکلنا چاہیے۔ کیونکہ ان عبادات میں جو فرض عین ہیں غلام اور بیوی آقا اور شوہر کی ملک سے مستثنیٰ ہیں۔ جیسے نماز اور روزہ۔

ظلم کے خلاف اُٹھ کھڑا ہونا بھی دفاع کی ایک قسم ہے کیونکہ یہاں بھی انسان حق بجانب ہے کہ اس کے ساتھ یا اس کے بھائی کے ساتھ زیادتی ہو رہی ہے تو وہ اس زیادتی کے خلاف اُٹھ کھڑا ہو اور اس ظلم کے خلاف آواز اُٹھائے اگر اس کی آواز دبا دی جائے تو وہ تلوار اُٹھانے میں بھی حق بجانب ہے۔

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ج وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا لا وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ○ (۸۷)

ترجمہ: ''اور تم کو کیا ہوا ہے کہ خدا کی راہ میں ان بے بس مردوں اور عورتوں اور بچوں کی خاطر نہیں لڑتے جو دعائیں کیا کرتے ہیں کہ اے پروردگار ہم کو اس شہر سے کہ جس کے رہنے والے ظالم ہیں نکال کر کہیں اور لے جا اور اپنی طرف سے کسی کو ہمارا حامی بنا، اور اپنی ہی طرف سے کسی کو ہمارا حامی بنا، اور اپنی ہی طرف سے کسی کو ہمارا مددگار مقرر فرما۔''

اس آیۂ مبارکہ میں روئے سخن کفارِ مکہ تھے لیکن درحقیقت یہ جہاد قیامت تک کے لیے ہے۔ کیونکہ ہر دور میں راہِ حق سے روکنے والی قوتیں موجود ہیں لہٰذا جب تک یہ طاقتیں انسان اور خدا کے درمیان مداخلت ترک نہ کر دیں اس وقت تک دفاع اور مزاحمت کی یہ صورت برقرار رہے گی اور اس دفاع کا مقصد تمام سیاسی نظام اور ملکی قانون بندگی رب کے ماتحت دے دینا اور انسان کی حاکمیت کا خاتمہ کرنا ہے۔ اسلام کا مطالبہ یہ ہے زمین پر موجود ان تمام تنظیموں اور اداروں کا خاتمہ کیا جائے جس کی بنیاد انسانی حاکمیت پر ہے اور اس غرض کے لیے وعظ و تبلیغ کے ساتھ ساتھ عملی جدوجہد بھی ضروری ہے البتہ اسلام میں اس کی گنجائش نہیں کہ غیر مسلم معاشرے میں خلافِ اسلام سرگرمیوں پر مسلمان یوں مشتعل ہو جائیں کہ

آجائے، بلکہ ایسی صورتِ حال میں ہجرت کا تصور پیش کیا گیا ہے کہ جس معاشرے میں رہتے ہوئے مسلمانوں کو حفاظتِ دین خطرے میں نظر آئے تو بجائے جھنجھلاہٹ اور تشدد کے، اس معاشرے کو ہی اچھے طریقے سے خیر باد کہہ دو، فرمایا:

وَاصۡبِرۡ عَلٰى مَا يَقُوۡلُوۡنَ وَاهۡجُرۡهُمۡ هَجۡرًا جَمِيۡلًا۝ (۸۸)

ترجمہ: ''صبر کرو کہ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے اور جو جو (دل آزاد) باتیں یہ لوگ کہتے ہیں ان کو سہتے رہو اور اچھے طریقے سے اُن سے کنارہ کش رہو۔''

گویا ایسا طریقہ کا اختیار کرنا جس سے کوئی مثبت نتیجہ برآمد ہونہ ہی اس سے دین کی بقا ہو پار ہی ہو، جو کہ جہاد کی اصل رُوح ہے۔ بہترین راستہ یہ ہے کہ اس علاقے کو ہی خیر باد کہہ دیا جائے اور کسی دوسری جگہ منتقل ہو کر پھر قانونی جہاد کے ذریعے اپنا پیغام پھیلایا جائے۔ لیکن یہ حکم ان جگہوں کے لیے ہے جہاں مسلمان اقلیت میں ہوں جبکہ اکثریت ہونے کے باوجود اگر مسلمان قوم غیر مسلم اقتدار کے زیرِ سایہ غلامی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہو تو یقیناً وہاں مزاحمت اس کا حق ہے۔

''جس طرح صلح حدیبیہ سے قبل کے زمانے میں مسلمانوں نے مکی قوتوں کے خلاف مزاحمت کی، یا جس طرح آج کل کشمیر، اریٹریا، سیستان، بوسنیا، الجزائر اور مصر و شام میں ارکانِ مسلمان کر رہے ہیں۔ ان مقامات پر بھی مسلمانوں کے لیے اسلامی پالیسی یہ ہے کہ وہ جس قدر سیاسی آزادیاں ہیں ان کے دائرے میں رہ کر جدوجہد کریں اور مزید سیاسی آزادیوں کے لئے سعی کریں۔'' (۸۹)

اس کے لیے بھی طریقۂ کار وہی ہونا چاہیے جو اسلام نے متعین کیا ہے، اور اسلام عام لوگوں پر تشدد کی ہرگز اجازت نہیں دیتا، نہ اس بات کی اجازت ہے کہ نہتے افراد پر حملہ کیا جائے اور اسلامی جہاد کی تاریخ میں اس کی کوئی ایک مثال بھی نہیں ملتی۔ اس سلسلے میں معروف شاہ شیرازی نے لکھا ہے کہ:

''اگر کوئی تنظیم کشمیر میں، شیستان میں، بوسنیا میں، شام میں، مصر

قانونِ جنگ اور اصلِ جنگ کی پیروی اس پر لازمی ہے۔"(۹۰)

کیونکہ جہاد کا اصل مقصد ہی حفاظتِ دین و مذہب ہے۔فرمایا:

وَلَوۡ لَا دَفۡعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعۡضَهُمۡ بِبَعۡضٍ لَّهُدِّمَتۡ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّ صَلَوٰتٌ وَّ مَسٰجِدُ يُذۡكَرُ فِيۡهَا اسۡمُ اللّٰهِ كَثِيۡرًا ؕ (۹۱)

ترجمہ: "اگر خدا لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعے دفع نہ کرتا تو صومعے اور گرجے اور معبد اور مسجدیں جن میں اللہ کا ذکر کثرت سے کیا جاتا ہے، مسمار کر دیے جاتے۔"

جہاد کے بابت یہ حکم کوئی نیا نہیں ہے بلکہ اس سے قبل بھی انبیاء اور ان کی اُمتوں کو حفاظتِ دین کے لیے یہ حکم ملا اور اگر ایسا نہ ہوتا تو کسی مذہب کی خیر و بقا ممکن نہ تھی۔

مولانا شفیع آیۃ کی وضاحت میں فرماتے ہیں کہ:

"مطلب آیۃ کا یہ ہے کہ اگر کفار سے قتال و جہاد کے احکام نہ آتے تو کسی زمانے میں، کسی مذہب و ملت کے لیے امن کی جگہ نہ ہوتی، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں صلوٰت، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں صوامع اور "بیع" خاتم الانبیاء ﷺ کے زمانے میں مسجدیں ڈھا دی جاتیں۔"(۹۲)

تصوّرِ جہاد اور دہشت گردی

دہشت کے معنی خوف و ڈر کے ہیں، اور دہشت گردی سے مراد خوف و ہراس پھیلانا لیا جاتا ہے دنیا کی تمام زبانوں میں دہشت و خوف و ہراس کے لیے کوئی نہ کوئی لفظ استعمال کیا جاتا ہے جیسے عربی میں رھبۃ، رھبیٰ، جبکہ انگریزی میں Terror، لیکن دورِ حاضر میں دہشت گردی کو ایک خاص اصطلاح میں پیش

political objective. Terrorism has been used by political organizations with both right and leftist objectives,by nationlist and ethoic groups,by revolutions and by the armies and secret police of Government themselves. (93)

ورلڈ بک انسائیکلو پیڈیا میں لکھا ہے:

Terrorism is the use or the threat of violence to creat tear and alarm.Terrorists murder and kidnap people,set off bombs,hijack airplanes,set fires and commit other serious crimes but the goals of terrorists differ from those of ordinary criminals.Most criminals want money or some other form of personal gain,but most terrorists commit crimes to support political causes (94)

جہاد سے مراد جدو جہد ہے اور اللہ تعالی نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ اللہ کی زمین پر اسی کا نظام غالب کرنے کے لیے حالات کی مناسبت سے جدو جہد یعنی جہاد کرو قرآنِ حکیم میں اس بابت متعدد آیات نازل ہوئی ہیں اور موجودہ دور میں ان آیات پر غیر مسلم حلقوں کی جانب سے آواز اُٹھائی جارہی ہے کہ یہ دہشت گردی کی تعلیم دے رہی ہیں۔

اس دنیا میں ایک ارتقائی تسلسل قائم ہے اور انسانی عقل انتہائی کارگزار ہونے کے باوجود محدود ہے لہٰذا انسانی عقل کی بنیاد پر بننے والا نظام بھی محدود ہوتا ہے۔تاریخی ارتقاء کے ساتھ لامحالہ اس میں تبدیلیاں آتی جاتی ہیں۔جبکہ قانونِ قدرت اس فطری کمزوری سے یکسر پاک ہے۔کیونکہ اگر کوئی مقتدر طاقت وقوت خدائی تعلیمات سے منحرف ہوکر محض اپنی عقل کی بنیاد پر کوئی قانون ونظام تجویز کرے گی تو وہ

انصاف پر مبنی ہوتا ہے۔ تاریخ عالم پر نظر ڈالی جائے تو اس روئے ارضی پر قبضہ وتسلّط ہر قوم، ملت اور حاکم و بادشاہ کا مطمع نظر رہا ہے۔ جس کو بھی یہاں طاقت ملی اس نے اس کا بھرپور فائدہ اُٹھایا چاہے وہ فرعون ہو، ہامان ہو یا نمرود یا ہٹلر، مسولینی، نپولین وغیرہ۔

جب طاقت کے حصول ساتھ کسی بڑی طاقت کے سامنے جوبداہی کا خوف بھی موجود ہو تو یقیناً مذکورہ شخص اپنی طاقت کا استعمال محتاط ہوکر اور قانون وانصاف کے مطابق استعمال کرے گا۔ اس کا ثبوت مسلم فاتحین کی انکساری ہے، جس کا انہوں نے عملی مظاہرہ کر کے دکھایا ہے اور اگر کہیں مسلم حکمرانوں نے طاقت کا غلط استعمال کیا تو اس کی ذمہ داری اسلام پر نہیں ہے بلکہ یہ خلافِ اسلام اقدام ہے اور اسلام ہر طرح کی دہشت گردی کی مذمت کرتا ہے خواہ وہ مذہبی نوعیت کی ہو یا سیاسی۔ چاہے اس کا ارتکاب کرنے والا ایک مسلم ہے یا غیر مسلم۔

دہشت گردی اور اسلامی تعلیمات کا فرق

دہشت گردی کی کوئی مسلمہ اور ٹھوس تعریف نہ ہونے کے باعث اس کی مکمل وضاحت ابھی تک تشنہ ہے کہ دہشت گردی کیا ہے اور دہشت گرد کون ہے؟ ایک شخص جو کسی ایک حلقے کے مطابق دہشت گرد گروانا جاتا ہے، دوسرے حلقے کے مطابق وہ محبِ وطن اور سپاہی کہلاتا ہے۔ آزادی کے لیے کی جانے والی جدوجہد کو بھی دہشت گردانہ اقدام سمجھا جارہا ہے۔ حالانکہ قانون بین الاقوام اور اقوام متحدہ کے چارٹر میں اس دفاعی جنگ اور آزادی کے لیے کی جانے والی جدوجہد کی اجازت موجود ہے اور حقِ خودارادیت کے لیے لڑی جانے والی جنگوں کے نتیجے میں وجود میں آنے والی ریاستوں کو قانون بین الاقوام نے تسلیم کیا ہے۔ اسلامی نقطۂ نظر سے اس طرح کی جدوجہد جہاد کہلاتی ہے۔ فرمایا:

اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ط وَ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ o الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ o (۹۵)

ہے کہ (وہ بھی اڑیں) کیونکہ ان پر ظلم ہو رہا ہے اور خدا ان کی مدد کرے گا (یقیناً) وہ ان کی مدد پر قادر ہے اور جو لوگوں کو گھروں سے بغیر حق کے نکالتے ہیں۔ اس لیے وہ کہتے ہیں کہ اللہ ہی ہمارا رب ہے۔''

موجودہ وقت میں پروپیگنڈا کے ذریعے جہاد کو دہشت گردی کے مترادف قرار دیا جا رہا ہے حالانکہ جہاد اور دہشت گردی میں تعریف مقاصد آداب، اور نتائج ہر لحاظ سے زمین وآسمان کا فرق ہے، دہشت گردی کی رائج الوقت تعریف کی رو سے یہ سیاسی اغراض کے لیے کی جانے والی جدوجہد کا نام ہے جس کے لیے ہر طرح کا حربہ جائز سمجھا جاتا ہے۔ جس میں خوف وہراس کی فضا پیدا کرنا، تشدد وقوت اور قتلِ عام کے ذریعے دہشت کی فضا پیدا کرنا، بے گناہ لوگوں کا خون بہانا، نجی آبادی کی تباہی، بم دھماکے وغیرہ شامل ہیں۔ جبکہ جہاد کی تعریف ہی اس کے متضاد ہے جس میں صرف اللہ کے دین کی سربلندی اور انسانیت کی بھلائی کے لیے کاوش کا حکم دیا گیا ہے اور جس میں کسی قسم کی ذاتی اغراض ومقاصد کا شائبہ تک شامل نہ ہو۔ ان اغراض ومقاصد کے لیے ہتھیار ان ناگزیر حالات میں اُٹھائے جاتے ہیں جن صورتوں میں ہتھیار اُٹھانے پر دنیا کا کوئی قانون بھی قدغن نہیں لگا سکتا۔ جب کہ دہشت گردی کا مقصد ہی مادّی اغراض ومقاصد کا حصول اور خوف وحراس پھیلانا ہے۔

چنانچہ جہاد اور دہشت گردی کے نتائج بھی واضح طور پر الگ الگ سامنے آتے ہیں۔ دہشت گردی کے نتیجے میں دنیا میں بدامنی، فتنہ وفساد، اور خوف دہراس پھیلتا جا رہا ہے۔ جب کہ جہاد ان تمام فسادات کو مٹانے کا باعث بنا ہے، کیونکہ جہاد کی فرضیت کا حکم ہی امن وامان کے پھیلاؤ کے لیے ہوا تھا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَوْ دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ ۝ (۹۶)

سے نہ ہٹاتا رہتا تو ملک تباہ ہو جاتا۔''

وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ○ (۹۷)

ترجمہ: ''زمین میں فساد نہ کرتے پھرنا۔''

جہادِ اسلامی اُصول وضوابط

ظہورِ اسلام سے قبل خطہ عرب میں جنگ ظلم توحش، قساوت سفاکی، بیدردی اور درندہ پن کا تماشا گاہ تھی، لیکن اعجازِ نبوت سے یہی چیز تمام نقائص سے پاک ہو کر ایک مقدس فرض انسانی بن گئی، کسی ملک میں جب ہزاروں برس سے ظلم و غارت گری مسلسل چلی آ رہی ہو تو وہاں کسی انقلاب کی صورت میں مہذب نظامِ حکومت واضح ہونے کے باوجود آغاز میں چند روز تک کچھ نہ کچھ قدیم اثرات باقی رہنا ایک فطری عمل بھی ہے اور اس طرح کے کچھ قدیم اُصول اور طرزِ زندگی دانستہ بھی برقرار رکھے جاتے ہیں جس کو طبی اصلاح میں علاج بالمثل کہتے ہیں۔ چنانچہ آغازِ اسلام میں جنگ کے متعلق کچھ واقعات ایسے دکھائی دیتے ہیں جو پہلے سے رائج تھے مثلاً جاہلیت میں دستور تھا کہ حملہ آور بے خبری کی حالت میں دشمن پر چڑھ دوڑتے اور قتل وقید کرتے تھے جبکہ اسلام نے اس طریقۂ کار کی نفی کی اور اسے یکسر مٹا ڈالا لیکن اگر آغاز میں ہی اس پر عمل کیا جاتا تو نتیجتاً مسلمانوں پر تو غفلت میں حملے کیے جاتے اور جبکہ مسلمانوں کو حملہ کی صورت میں پہلے دشمن کو آگاہ کرنا پڑتا جس سے دشمن کہیں ٹل جاتے یا اپنی حفاظت کا سامان کر لیتے لیکن جیسے جیسے اسلام کو زورِ قوت حاصل ہوتی گئی اسی قدر وہ قدیم طریقے مٹتے گئے، یہاں تک کہ ایک ایک کر کہ سب کا خاتمہ ہو گیا۔

درحقیقت اسلام میں جنگ کا مقصد حریف مقابل کو ہلاک کرنا، اور نقصان پہنچانا نہیں بلکہ محض شر کا دفع ہے لٰہذا دورانِ جنگ صرف اتنی ہی قوت استعمال کرنے کی اجازت ہے جو دفع شر کے لیے ناگزیر ہو اور قوت کا استعمال انہیں طبقوں کے خلاف ہوگا جو عملاً برسرِ پیکار ہوں یا پھر جن سے شر کا اندیشہ ہو یہ

قطعی مختلف، یہی وجہ ہے کہ اسلام نے دیگر تمام الفاظ اور اصطلاحات کو چھوڑ کر ''جہاد فی سبیل اللہ'' کی الگ اصطلاح وضع کی ہے جو اپنے معنی سے ہی وحشیانہ جنگ کے قدیم تصوّر کی نفی کر دیتا ہے کیونکہ لغت کے اعتبار سے جہاد کے معنی ہیں کسی مقصد کے حصول کے لیے اپنی انتہائی سعی و کوشش کرنا اس لفظ میں نہ حرب و شر کا تصوّر موجود ہے نہ بہیمت و حیوانیت کا، اور کوشش بھی وہ جس میں ہوائے نفس کا شائبہ تک نہ ہو یعنی ذاتی اقتدار یا شہرت و ناموری، مال و دولت یا ذاتی عداوت و انتقام کے لیے کی جانے والی کوشش اس زمرے میں نہیں آتی اسی غرض کے لیے جہاد کے ساتھ فی سبیل اللہ کی شرط بھی لگا دی گئی ہے تاکہ اس کاوش میں دوسرا کوئی مقصد شامل نہ ہو سکے۔ چنانچہ جنگ کو جہاد میں بدل کر اس کا ایک پاکیزہ تصوّر پیش کرنے کے ساتھ اسلام نے اس کا باقاعدہ ایک ضابطہ قانون بھی وضع کیا ہے اور جنگ کے آداب، اخلاقی حدود، اور دیگر حقوق و فرائض اور جائز و ناجائز سب الگ الگ تفصیل سے بیان کیے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عہدِ نبوی ﷺ کے غزوات کا حال سابقہ جنگوں اور بعد کی جنگوں سے قطعی مختلف ہے۔

عہدِ نبوی ﷺ میں غزوات کی تعداد بظاہر کچھ زیادہ نظر آتی ہے۔ مگر ان جنگوں میں کشت و خون کس حد تک ہوا؟ آدمی کتنے مارے گئے اور کتنے گرفتار ہوئے۔ پھر ان کی تعداد کا موازنہ دنیا کی مشہور جنگوں سے کر کے دیکھیں تو واضح ہو جاتا ہے کہ عہدِ نبوی ﷺ میں جنگی کاروائیوں کی زیادتی کا جو فسانہ تراشا گیا ہے اس میں کہاں تک صداقت ہے۔ ایک اندازے کے مطابق عہدِ نبوی ﷺ کی تمام لڑائیوں میں طرفین کا جو نقصان ہوا اس کی تفصیل حسبِ ذیل ہے۔

مقتولین	مسلمان ۲۶۹	مخالف ۷۶۹	
قیدی	۱	۲۵۶۴	(۹۸)

مقتولین کی اس قلیل تعداد کا سبب یہ ہرگز نہیں کہ چونکہ اس دور میں آتشیں اسلحہ و بارود اور ایٹمی ہتھیار دستیاب نہ ہوئے تھے اس لیے مقتولین کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہے بلکہ اصل وجہ وہ قوانین اور ضوابط ہیں جنہیں دورانِ جنگ اپنایا گیا اس لیے کہ اسلام بلا وجہ قتل عام،، لاشوں کے ڈھیر اور خون خرابے

وحشت و بربریت کا نمونہ ثابت ہوتی ہے اور مقتولین کی تعداد بھی ہزاروں تک پہنچ جاتی ہے۔

اعلانِ جنگ

قوانینِ بین الاقوام میں سے ایک اہم قانون یہ ہے کہ اگر کوئی ملک کسی دوسری حکومت کے خلاف جنگ کا ارادہ رکھتا ہو تو اس پر واجب ہے کہ پہلے باقاعدہ اعلانِ جنگ کرے اور وہاں کی رعایا کو اپنے ارادہ جنگ سے مطلع کردے اور اچانک حملہ نہ کیا جائے اور نہ ہی کسی قسم کی بدعہدی کی جائے اگرچہ یہ صرف ایک قانون ہے اور اس پر عمل درآمد ضروری نہیں۔

جب کہ اسلام میں ان کفار سے مقابلہ کرنے سے پیشتر مسلمانوں پر واجب ہے کہ انہیں باقاعدہ دعوت دیں اور دعوت رد ہونے کی صورت میں عملی اقدام کی طرف توجہ کی جائے اور اگر کسی معاہد جماعت کی جانب سے شرائط و معاہدات کی خلاف ورزی کا خطرہ ہو یا مخالف گروہ کے طرزِ عمل سے اندیشہ ہو رہا ہے کہ کبھی بھی ہمارے ساتھ غداری کرسکتا ہے تو اس صورت میں بھی مسلمانوں کو اجازت نہیں کہ وہ اپنے طور پر خود فیصلہ کرلیں کہ اب ہمارے درمیان معاہدہ نہیں رہا اور یکا یک ان سے وہ طرزِ عمل شروع کر دیں جو معاہدہ سے قبل تھا، بلکہ ایسی صورت میں بھی پہلے باقاعدہ انہیں الٹی میٹم دیا جائے۔ فرمایا:

وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ۝ (۹۹)

ترجمہ: ''اگر تم کو کسی قوم سے دغا بازی کا خوف ہو تو (ان کا عہد) انہیں کی طرف پھینک دو۔''

تفہیم القرآن میں اس کی وضاحت میں لکھا گیا ہے کہ:

''جب ایسی صورت پیش آئے تو ہم کوئی مخالفانہ کاروائی کرنے سے پہلے فریقِ ثانی کو صاف صاف بتادیں کہ ہمارے درمیان اب معاہدہ نہیں رہا تاکہ فسخ معاہدہ کا جیسا ہم کو علم ہے ویسا ہی اس کو بھی ہو جائے اور وہ غلط فہمی میں نہ رہے کہ معاہدہ باقی ہے۔'' (۱۰۰)

اس طرزِ عمل کی ممانعت کی ہے اور اس کا عملی ثبوت بھی فراہم کیا ہے۔

غزوۂ خیبر کے ذکر میں انس بن مالک فرماتے ہیں:

كان اذا جاء قوماً بليلٍ لم يغر عليهم حتّى يصبح (١٠١)

ترجمہ: ''آنحضرت ﷺ جب کسی دشمن قوم پر رات کے وقت پہنچتے تو جب تک صبح نہ ہو جاتی حملہ نہ کرتے۔''

اطاعتِ امیر

اسلام کے قانونِ حرب کی ایک عمدہ پالیسی یہ ہے کہ معمولی نوعیت کی جنگی کارروائی امام کی اجازت کے بغیر نہیں کی جا سکتی اور دورانِ جنگ تمام جائز افعال جیسے دشمن کا قتل، اس کے مال پر قبضہ، جنگی آلات وغیرہ برباد کر دینا وغیرہ تک، تمام افعال امام کی اجازت کے بغیر بلکہ گناہ شمار ہوتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من اطاعنی فقد اطاع اللّٰہ و من عصانی فقد عصی اللّٰہ، و من یطع الامیر فقد اطاعنی، و من یعص الامیر فقد اعصانی (١٠٢)

ترجمہ: ''جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی، جس نے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی، جس نے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔''

اس میں یہ حکمت عملی پوشیدہ ہے کہ تمام اعمال کا ذمہ دار اور تمام اختیارات کا حامل چونکہ امیر کو سمجھا جاتا ہے لہٰذا فوج پر اس کی اطاعت فرض ہو جاتی ہے جس سے میدانِ جنگ میں باقاعدگی پیدا ہونا لازمی عمل ہے۔

وفائے عہد

اسلام جنگ وصلح ہر صورت میں سختی سے وفائے عہد کی تاکید کی، اور انفرادی فوائد ہوں یا اجتماعی فوائد کی توقع ہو ہر مقصد کے لیے بدعہدی ممنوع ہے چاہے اس سے کتنا بڑا فائدہ پہنچنے کا اہتمام ہو یا وفائے عہد سے کتنے بڑا نقصان کا احتمال ہو۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِى الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ۗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ۗ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝ (۱۰۳)

ترجمہ: ''اور جب عہد کریں تو اس کو پورا کریں اور سختی اور تکلیف میں اور (معرکہ کارزار کے وقت) ثابت قدم رہیں یہی لوگ ہیں جو سچے ہیں اور یہی لوگ ہیں جو خدا سے ڈرنے والے ہیں۔''

دوسری جگہ فرمایا:

وَ اَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا ۝ (۱۰۴)

ترجمہ: ''اور عہد کو پورا کرو کہ عہد کے بارے میں ضرور پرسش ہوگی۔''

آپ ﷺ نے جب ہجرت فرمائی تو بہت سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم مجبوریوں کی وجہ سے مکّہ میں ہی رہ گئے تھے، ان میں حضرت حذیفہ بن یمان اور ان کے والد کہیں سے آرہے تھے، کفار نے ان کو پکڑ لیا کہ تم مدینہ جا کر پھر ہمارے مقابل آؤ گے۔ انہوں نے کہا ہمارا مقصد صرف مدینہ جانا ہے۔ کفار نے ان سے عہد کر کہ چھوڑ دیا، یہ لوگ مقامِ بدر میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچے اور یہ دیکھ کر کہ رسول اللہ ﷺ کفار سے مصروفِ جنگ ہیں، خود بھی اس سعادت کی آرزو کی لیکن آپ ﷺ نے ان کو باز رکھا کہ تم معاہدہ کر چکے ہو۔

صلح حدیبیہ جو شرائط کفار قریش سے طے ہوئی تھی کہ ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ اگر مکّہ سے

آدمی مکّہ جائے گا تو اسے واپس نہ کیا جائے گا یہ معاہدہ ابھی لکھا ہی جا رہا تھا کہ:

''ابوجندل بن سہیل کفارِ مکّہ کی قید سے کسی طرح چھوٹ کر لشکرِ اسلام میں پہنچ گئے پاؤں میں بیڑیاں تھیں، بدن پر مار کے نشان تھے، چہرے پر شدید مصائب کے آثار تھے آپ ﷺ کے سامنے آ کر فریاد کی کہ مجھے اس مصیبت سے نکالیے مسلمان ان کی یہ حالت دیکھ کر بے چین ہو گئے۔ چودہ سو تلواریں رسول اللہ ﷺ کے اشارہ کی منتظر تھیں اور اسلامی اُخوّت ایک مسلمان بھائی کو قید سے چھڑانے کے لیے مضطرب تھی مگر شرائطِ صلح طے ہو چکی تھیں، معاہدہ لکھا جا رہا تھے اس لیے اللہ کے رسول ﷺ نے ابوجندل کو چھڑانے سے صاف انکار کر دیا۔''(۱۰۵)

غیر جنگجو طبقہ

بین الاقوامی جنگی قوانین میں سے ہی ایک قانون یہ بھی ہے کہ غیر فوجی طبقہ کے ساتھ ناروا سلوک ہرگز نہ کیا جائے اور نہ ہی انہیں کسی قسم کی تکلیف و گزند پہنچائی جائے لیکن یہ قانون بھی صرف زینتِ قرطاس ہی ہے اور عملی طور پر یہی دکھائی دیتا ہے کہ غیر جنگجو طبقہ زیادہ سے زیادہ ہدف تنقید بنایا جاتا ہے۔

شریعتِ اسلامی نے کوئی مجمل بات نہیں کی بلکہ صاف اور واضح الفاظ میں کہا ہے کہ عورتوں بچوں، راہبوں، پادریوں، بوڑھوں، بیماروں کا قتل قطعاً ناجائز ہے نیز جو لوگ جنگ آزمانہ ہوں انہیں بھی قتل کرنے کی ممانعت کی گئی ہے اور اس قانون پر اسلامی حکومت میں سختی سے عمل درآمد ہوا ہے۔

اسی طرح آپ ﷺ نے آگ کے عذاب سے منع کیا فرمایا کہ آگ کا عذاب صرف آگ پیدا کرنے والا ہی دے سکتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قال بعثنا رسول ﷺ فی بعث فقال ان وجدتم فلانا فأحرقوهم باالنّار ثم قال رسول ﷺ حین اردنا الخروج الی امرتم ان تحرقوا فلاناًو فلانا و انّ والنّار لا

ترجمہ: ''رسول ﷺ نے ہمیں ایک مُہم پر روانہ کیا اور ہدایت کی کہ فلاں فلاں مل جائیں تو انہیں آگ میں ڈال دینا پھر ہم نے روانگی کا ارادہ کیا تو فرمایا کہ میں نے تمہیں حکم دیا تھا کہ فلاں فلاں کو جلا دینا لیکن اگ ایسی چیز ہے جس کی سزا صرف اللہ ہی دے سکتا ہے اس لیے اگر وہ تمہیں ملیں تو انہیں قتل کر دینا۔''

اسی طرح نبی کریم ﷺ نے مثلہ کی ممانعت کی ہے اور سختی سے اس بات سے روکا ہے کہ دشمن کی لاشوں کی بے حرمتی کی جائے اور ان کے اعضاء کی قطع برید کی جائے۔

نهی النبی ﷺ من النهبیٰ و المثله (۱۰۷)

ترجمہ: ''نبی کریم ﷺ نے لوٹ کے مال اور مثلہ سے منع فرمایا۔''

جنگِ احد میں کفار نے حضرت حمزہؓ کا جگر چاک کیا اور ناک کان کاٹ ڈالے۔

ابنِ ہشام نے لکھا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے یہ منظر دیکھا تو فرمایا:

لو لا أن تحزن صفیه، و یکون سنة من بعدی، لترکته، حتی یکون فی بطون السباع، و حواصل الطیر، و لئن أظهر فی اللّٰه علی قریش فی موطن من المواطن لأمثلن بثلاثین رجلاً منهم (۱۰۸)

ترجمہ: ''اگر مجھے اس بات کا خیال نہ ہوتا کہ صفیہ کو صدمہ ہوگا اور یہ کہ میرے بعد یہ ایک سنت بن جائے گی تو میں حضرت حمزہؓ کو یونہی چھوڑ دیتا تا کہ وہ درندوں کے پیٹوں اور پرندوں کے پوٹوں میں پہنچ جائیں اور اگر اللہ نے مجھے قریش پر غلبہ دیا تو میں ان کے تیس آدمیوں کا مثلہ کروں گا۔''

و ان عاقبتم فعاقبوا بمثل مَا عوقبتما به ولئن صبرتم لهو خير للصّبرين واصبر و ما صبركَ الاّ باللّٰه و لا تحزن عليهم و لا تك فَى ضيكِ ممّا يمكرون(۱۰۹)

ترجمہ: ''اگر تم ان کو تکلیف دینی چاہو تو اتنی ہی دو جتنی تکلیف تم کو ان سے پہنچی اور اگر صبر کرو تو وہ صبر کرنے والوں کے لیے بہت ہی اچھا ہے اور صبر ہی کرو تمہارا صبر بھی خدا کی ہی مدد سے ہے اور ان کے بارے میں غم نہ کرو اور یہ جو بد اندیشی کرتے ہیں اس سے تنگ دل نہ ہو۔''

(۱) سلمان ندوی ،سیرۃ النبیﷺ:اعظم گڑھ،مطبع معارف،ص:۴۰۴،ج:۵

(۲) ایضاً

(۳) مودودیؒ،ابوالاعلیٰ مودودیؒ،تفہیم القرآن:لاہور،ترجمان القرآن،۱۹۷۹ء،ص:۱۶۷،ج:۱

(۴) گوہر رحمان،اسلامی ریاست:مردان،ادارالعلوم تفہیم القرآن،۱۹۸۱ء،ص:۱۸۳

(۵) القرآن،۲۵:۵۱۔۵۲

(۶) القرآن،۱۶:۱۱۰

(۷) القرآن،۲۹:۶۹

(۸) صدرالدین اصلاحی،اسلام ایک نظر میں : لاہور،اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ،ص:۳۴۷

(۹) السیوطی،جلال الدین السیوطی،سنن النسائی : بیروت،داراحیاء التراث العربی،ص۱۰،ج:۴

(۱۰) ابوالاعلیٰ مودودیؒ،اسلامی نظامِ زندگی اوران کے بنیادی تصورات:لاہور،اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ،ص:۲۹۸

(۱۱) دائرہ معارف اسلامیہ،لاہور،دانش گاہ پنجاب،۱۹۷۱ء،ص:۵۴۳،ج:۶

(۱۲) ابوالحسن علی ندوی،انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کے اثرات : کراچی،مجلس نشریات اسلام،۱۹۷۲ء،ص:۹۲

(۱۳) القرآن،۳:۸۳

(۱۴) کوثر نیازی،اسلام ہمارا دین ہے : لاہور،فیروزسنز لمیٹڈ،۱۹۷۲ء،ص:۹۲

(۱۵) شفیع محمد،مفتی،معارف القرآن :کراچی،ادارۃ المعارف،۱۹۹۳ھ، ص:۶۷۶،ج:۶

(۱۸) القرآن، ۷ : ۱۹۹

(۱۹) القرآن، ۱۱ : ۱۲

(۲۰) اصلاحی، امین احسن اصلاحی تدبر قرآن: لاہور، فاران فاؤنڈیشن، ۱۹۸۴ء، ص: ۱۱۲، ج: ۴

(۲۱) اسعد گیلانی، رسول ﷺ کا حکمت انقلاب: لاہور، ادارہ ترجمان القرآن، ۱۹۸۱ء، ص: ۲۸۸

(۲۲) القرآن، ۲۲: ۳۹-۴۰

(۲۳) القرآن، ۴: ۷۷

(۲۴) مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، محولہ بالا، ص: ۲۵۸، ج: ۶

(۲۵) ابوالکلام آزاد، رسول رحمت ﷺ: لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز، ص: ۲۵۵

(۲۶) القرآن، ۴: ۷۵

(۲۷) امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، محولہ بالا، ص: ۳۳۶، ج: ۲

(۲۸) شبلی نعمانی، سیرۃ النبی ﷺ: کراچی، دارالاشاعت، ۱۹۸۵ء، ص: ۱۸۴، ج: ۲

(۲۹) صدیقی، حیدر زمان، اسلام کا نظریہ جہاد: لاہور، کتاب منزل، ص: ۴۲

(۳۰) صدیقی، حیدر زمان، اسلام کا نظریہ جہاد، محولہ بالا، ص: ۱۲۳

(۳۱) رضوی، واجد، رسول ﷺ میدانِ جنگ میں: لاہور، مقبول اکیڈمی، ۱۹۵۴ء، ص: ۴۶

(۳۲) بخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسمٰعیل بخاری صحیح بخاری: استنبول، المکتبۃ الاسلامیۃ، ۱۹۸۱ء، ص: ۱۴۴، ج: ۷

(۳۳) حیدر زمان صدیقی، اسلام کا نظریہ جہاد، محولہ بالا، ص: ۱۴۴

(۳۴) مودودیؒ، اسلامی نظامِ زندگی اور اس کے بنیادی تصورات، محولہ بالا، ص: ۲۹۸

(۳۵) القرآن، ۲: ۱۹۳

(۳۶) القرآن، ۵: ۳۲

(۳۹) ***القرآن***، ۵: ۲۷

(۴۰) الطبری، ابی جعفر محمد بن جریر الطبری، ***جامع البیان عن تاویل القرآن***: مصر، شرکۃ مکتبۃ ومطبعۃ البابی الحلبی، ۱۹۶۸ء، ص: ۱۸۸، ج: ۵

(۴۱) ایضاً

(۴۲) ابن کثیر، عماد الدین القرشی، ***تفسیر ابن کثیر***: بیروت، دار احیاء التراث العربی، ۱۹۶۹ء، ص: ۴۱

(۴۳) ابن کثیر، عماد الدین القرشی، ***البدایہ والنھایہ***: مصر، الکتب العالمیۃ الاسلامیہ، ۱۳۴۸ھ، ص: ۹۳، ج: ۱

(۴۴) ***توریت***، پیدائش، ۴: ۲۔۴

(۴۵) ***القرآن***، ۲۲: ۳۷

(۴۶) ابن کثیر ***تفسیر ابن کثیر***، محولہ بالا، ص: ۴۳، ج، ۱

(۴۷) ایضاً

(۴۸) ***القرآن*** ۵: ۲۸

(۴۹) مودودیؒ، ابوالاعلیٰ مودودیؒ، ***تفہیم القرآن*** : لاہور، مکتبہ تعمیر انسانیت، ۱۹۷۲ء، ج: ۱

(۵۰) مسلم، ابوالحسین بن حجاج القشری، ***صحیح مسلم*** : بیروت، احیاء التراث العربی، ص: ۲۲۱۲، ج، ۴

(۵۱) بخاری، ***صحیح بخاری***، محولہ بالا، ص: ۹۲، ج: ۸

(۵۲) ابن ماجہ، ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ، ***سنن ابن ماجہ*** : دھلی، المطبع الفاروق، ۱۹۸۸ء، ص: ۳۲۸

(۵۳) ***القرآن*** ۴: ۹۳

(۵۴) ***القرآن*** ۵: ۳۰

(۵۵) ***توریت***، پیدائش، ۱۴: ۱۰۔۱۱

(۵۶) طبری، ***جامع البیان عن تاویل القرآن***، محولہ بالا، ص: ۱۹۸

(۵۹) *القرآن*،۲:۳۴

(۶۰) طبری، *جامع البیان عن تاویل القرآن*، محولہ بالا،ص:۱۸۸

(۶۱) محمد رضا خان، *قدیم وجدید تاریخ مسلمانانِ عالم* : لاہور،علمی کتب خانہ،۱۹۸۳ء،ص:۲۷

(۶۲) محمد خالد اسمٰعیل، *مطالعہ نقوش سیرت ﷺ*: کراچی،طاہر سنز،۲۰۰۰ء،ص:۵۰

(۶۳) بولس سلامہ، *المعلقات العشر* : بیروت،دارصادر، ۱۹۸۱ء،ص:۱۹۶

(۶۴) ایضاً

(۶۵) مودودیؒ، *الجہاد فی الاسلام*، محولہ بالا،ص:۱۸۲

(۶۶) عیسٰی سابا، *شعراء الشموال* : بیروت،مکتبہ صادر،۱۹۵۱ء،ص:۴۶

(۶۷) محمد اکبر خان، *کروسیڈ اور جہاد* : لائل پور،نگار پریس،۱۹۶۱ء،ص:۵

(۶۸) بولس سلامہ، *المعلقات العشر*، محولہ بالا،ص:۱۲۶۔۱۲۷

(۶۹) ایضاً

(۷۰) نجیب آبادی، *تاریخ اسلام* : کراچی، نفیس اکیڈیمی،۱۹۸۱ء،ص:۱۵

(۷۱) یوسف بن سلمان بن عیسی الاندلسی، *اشعار الشعراء الستہ الجاھلین دار لکفر*،۱۹۸۲ء،ص:۴۶۰

(۷۲) بولس سلامہ، *المعلقات العشر*، محولہ بالا،ص،۱۵۶

(۷۳) ایضاً

(۷۴) ایضاً

(۷۵) *القرآن*،۵:۳۲

(۷۶) *القرآن*،۲۵:۶۸

(۷۷) *القرآن*،۸:۶۵

(۸۰) مودودی، *الجہاد فی الاسلام*، محولہ بالا، ص:۳۰

(۸۱) *القرآن*، ۴:۷۶

(۸۲) کوثر نیازی، *اسلام ہمارا دین* : لاہور، فیروز سنز لمیٹڈ، ۱۹۷۲ء، ص:۱۰۷

(۸۳) ایضاً

(۸۴) *القرآن*، ۲:۱۹۰

(۸۵) ابن کثیر، *تفسیر ابن کثیر*، محولہ بالا، ص:۴۲۵، ج:۱

(۸۶) علاالدین ابی بکر مسعود الکاسانی، *بدائع والصائع* : مصر، بمطبعة الجمالية، ۱۹۱۰ء، ص:۹۸، ج:۷

(۸۷) *القرآن*، ۴:۷۵

(۸۸) *القرآن*، ۷۳:۱۰

(۸۹) معارف شاہ شیرازی، *اسلام اور دہشت گردی* : لاہور، ادارہ منشورات اسلامی، ۱۹۹۸ء، ص:۱۰۷

(۹۰) ایضاً

(۹۱) *القرآن*، ۲۲:۴۰

(۹۲) مفتی محمد شفیع، *معارف القرآن*، محولہ بالا، ص:۲۵۹، ج:۶

(93) ***The New Encyclopedia Birtanica,*** 1996 P-650, Vol-1.

(94) ***The World Book Encyclopedia,*** 1992 P-178, Vol-19.

(۹۵) *القرآن*، ۲۲:۳۹۔۴۰

(۹۶) *القرآن*، ۲:۲۵۱

(۹۷) *القرآن*، ۲:۶۰

(۹۸) کوثر نیازی، *اسلام ہمارا دین*، محولہ بالا، ص:۱۰۳

(۹۹) *القرآن*، ۸:۵۸

(۱۰۰) مودودیؒ، *تفہیم القرآن*، محولہ بالا، ص:۱۵۳، ج:۲

(۱۰۱) بخاری، *صحیح بخاری*، محولہ بالا، ص:۲۱۵، ج:۲

(۱۰۲) ایضاً

(۱۰۳) *القرآن*، ۲:۱۷۷

(۱۰۴) *القرآن*، ۱۷:۳۴

(۱۰۵) مودودیؒ، *الجہاد فی الاسلام*، محولہ بالا، ص:۲۴۳

(۱۰۶) بخاری، *صحیح بخاری*، محولہ بالا، ص:۸۰۔۸۱، ج:۲

(۱۰۷) ایضاً

(۱۰۸) ابن ہشام، ابی محمد عبدالملک بن ہشام المعافری، *السیرۃ النبویۃ* : قاہرہ، مکتبۃ الکلیات الازھریۃ
۲۱۳ھ، ص:۳۹

(۱۰۹) *القرآن*، ۱۶:۱۲۶۔۱۲۷

باب دوم

غزواتِ نبوی ﷺ

غزواتِ نبوی ﷺ

مکہ میں تیرہ سالہ مسلسل جدوجہد کے بعد آپ ﷺ تقریباً اہلِ مکہ سے تقریباً مایوس ہو چکے تھے کہ عین ان حالات میں قبیلہ اوس وخزرج کے چند اشخاص حج کے لیے مکہ تشریف لائے جن میں سے چھ افراد نے محمد ﷺ کی تعلیمات سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر لیا دوسرے سال مزید ۱۲ افراد کا اضافہ ہوا اور انہی لوگوں کی تبلیغ سے قبیلہ اوس کے سردار سعد ؓ بن معاذ نے بھی اسلام قبول کیا جن کے دائرۂ اسلام میں داخل ہوتے ہی ان کا سارا قبیلہ مسلمان ہو گیا چنانچہ اگلے سال ۷۲ افراد پر مشتمل ایک جماعت مکہ تشریف لائی، ان لوگوں نے آپ ﷺ کو اپنے ساتھ مدینہ چلنے کی دعوت دی جسے آپ ﷺ نے قبول فرمایا کیونکہ انہیں آزادی اور امن کے ساتھ اسلام پھیلانے کے لیے پُر امن ماحول کی ضرورت تھی یہیں سے تاریخ اسلام کا ایک نیا باب شروع ہوا۔

نبی کریم ﷺ کے مدینہ تشریف لے جانے کے بعد وہاں باقاعدہ وفاقی حکومت وجود میں آئی اس وفاق کا سربراہ محمد ﷺ کو تسلیم کیا گیا آپ ﷺ نے بحیثیت سربراہ باون (۵۲) شقوں پر مشتمل ایک آئین مرتب کیا جو تاریخ میں میثاقِ مدینہ کے نام سے مشہور ہے۔ اس آئین کے تحت تمام لوگوں کو اپنے اپنے مذہب ومسلک کے تحت کے آزادی کے ساتھ اور برابری کی بنیاد پر زندگی گزارنے کے لیے حکومت کی جانب سے امان مہیا کی گئی۔ نیز تمام شہریوں پر اپنے اپنے فرائض کی ادائیگی لازمی قرار دی گئی اور اس بات کا اعادہ کیا گیا کہ مدینہ پر کسی حملہ کی صورت میں سب یکجا ہو کر جوابدہ ہوں گے یوں مدینہ میں ایک نظامِ حکومت کی بنیاد ڈال دی گئی جس سے مسلمانوں کو بھی قدرے سکون میسّر آیا تاہم ان کی تمام تکلیفیں دور نہیں ہو گئیں بلکہ مکہ کے برعکس مدینہ میں یہ تکالیف گونا گوں ہو گئیں کیونکہ یہاں مسلمانوں کو یہود کا سامنا بھی کرنا تھا اور ایک خطرناک قسم منافقین کی بھی تھی جس سے نبرد آزما ہونا خاصا دشوار مرحلہ تھا اور قریشِ مکہ

عبداللہ بن ابی سلول کو ایک دھمکی آمیز خط لکھا۔

''تم نے ہمارے ایک دشمن کو جو ہمارا رشتہ دار بھی ہے اپنے یہاں ٹھہرالیا ہے اگر اسے ہمارے حوالے نہ کیا گیا یا ہمارے ساتھ مل کر اس سے جنگ نہ کی گئی تو پھر ہم لشکرِ جرار لے کر تم پر حملہ کریں گے اور تمہاری عورتوں کو لونڈیاں بنا کر لے جائیں گے۔'' (۱)

اس کھلی دھمکی کے باوجود عبداللہ بن ابی سلول چاہتے ہوئے بھی (کیونکہ وہ خود منافق تھا) مسلمانوں کے خلاف کوئی کاروائی نہ کر سکا کیونکہ انصار کی اکثریت اسلام قبول کر چکی تھی اور وہ مسلمانوں کی حمایت میں اُٹھ کھڑے ہوئے۔ تاہم قریشِ مکہ نے اپنی مخالفت جاری رکھی۔ اسی زمانے میں سعد بن معاذؓ قبیلہ اوس رئیس عمرہ کی غرض سے مکہ تشریف لے گئے اور وہاں اپنے قدیم دوست اُمیہ بن خلف کے ہاں قیام فرمایا وہاں اس کا سامنا ابوجہل سے ہو گیا جس نے خفگی کا اظہار کیا اور کہا اگر تم اُمیہ کے ساتھ نہ ہوتے تو یہاں سے زندہ نہ جاتے اس پر سعد کو بھی غصہ آیا اور فرمایا:

اما و اللّٰہ لئن منّعتنی ھذا لامنعنّک ما ھو اشد علیکَ منہ طریقک علی المدینۃ (۲)

ترجمہ: ''اگر تم نے ہم کو حج سے روکا تو ہم تمہارا مدینہ کا راستہ روک دیں گے (یعنی شام کی تجارت کا راستہ)۔''

مگر قریش کی ان حرکتوں پر بھی مسلمان ابھی تک خاموش اس لیے تھے کہ انہیں مقابلے کے لیے اللہ کی جانب سے حکم نہیں ملا تھا یوں بھی ان کے پیشِ نظر اہم کام اپنے نظریات وعقائد کو پھیلانا تھا جس کے لیے انہیں پُر امن ماحول کی ضرورت تھی مکہ معظّمہ میں رہتے ہوئے انہیں محض دلائل کے ساتھ دعوت عام کرنے کا حکم دیا گیا اور تمام تکالیف صبر و حوصلے سے برداشت کرنے کی نصیحت بار بار کی گئی اور کسی قسم کے حرب وقتال کی اجازت نہ دی گئی۔ چنانچہ آپ ﷺ اور ساتھیوں نے نہایت ہی خندہ پیشانی سے ہر زیادتی برداشت کرتے ہوئے اپنی دعوت جاری رکھی اور بالآخر بے سروسامانی کے عالم میں مدینہ کی

چاروں طرف سے مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کر دیا گیا۔ یہاں تک کہ خطرے کے باعث مسلمان ساری ساری رات پہرے میں گزار دیتے انھی پر خطر حالات میں جو مدینہ میں مسلمانوں کے وجود کے لئے چیلنج بنے ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ہتھیار اٹھانے کی اجازت ان الفاظ کے ساتھ دی گئی:

اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۝ اۨلَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ۝ (۳)

ترجمہ: ''جن لوگوں سے جنگ کی جارہی ہے انہیں اجازت دی جاتی ہے کیونکہ ان پر ظلم ہوا ہے اور اللہ ان کی مدد پر قادر ہے یہ اپنے گھروں سے بے قصور نکالے گئے کیونکہ خدا کو رب مانتے تھے۔''

یہ اجازت بھی مشروط تھی یعنی ان لوگوں سے لڑنے کے لیے جو مسلمانوں سے لڑنے آئے اور آئندہ لڑائی کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ مدینہ پہنچنے کے بعد نبی کریم ﷺ پر مہاجرین کے ساتھ ساتھ انصار کی حفاظت کی ذمہ داری بھی عائد ہوگئی تھی کیونکہ مسلمانوں کو پناہ دینے کے باعث قریشِ مکہ انصار کے بھی خلاف ہو چکے تھے، لہٰذا اب ان کے لیے ضروری ہو گیا تھا کہ عملی طور پر میدان میں اُتر کر اپنا دفاع کریں اور انہوں نے ایسا ہی کیا۔

صحیح بخاری سے غزوات نبوی ﷺ کی کل تعداد ۱۹ ثابت ہوئی ہے۔ ابو اسحاق سے روایت ہے کہ:

كنت الى جانب زيد بن ارقم فقيل له كم غزا النبى ﷺ من غزه قال : "تسع عشره قلت كم غزوات انت معه قال سبع عشره" (۴)

ترجمہ: ''میں اس وقت زید بن ارقم کے پہلو میں بیٹھا ہوا تھا آپ ﷺ سے پوچھا کہ نبی کریم ﷺ نے کتنے غزوے کیے؟ آپ نے فرمایا

غزوات میں شریک تھے؟ آپؓ نے فرمایا سترہ میں۔"

ابن سعد نے لکھا ہے:

کان عدد مغازی رسول ﷺ الّتی غزا بنفسه سبعاً و عشرین غزوة ، و کانت سرایاہ الّتی بعث سبعاً اربعین سریة و کان ما قاتل فیه من المغازی تسع غزوات، بدر القتال، احد، والمرسیع، والخندق، و قریظة،و خیبر، و فتح مکّه و حنین و الطائف فهذا ما اجتماع لنا علیه (۵)

ترجمہ: "ستائیس غزوات میں نبی کریم ﷺ نے خود جہاد فرمایا، سینتالیس سرایا بھیجے اور۹ غزوات میں اپنے ہاتھ سے قتال فرمایا۔(۱) بدر، (۲) احد ، (۳) مرسیع، (۴) خندق، (۵) قریظہ، (۶) خیبر، (۷) فتح مکہ، (۸) حنین، (۹) طائف، اس تعداد پر اجماع ہے۔"

آپ ﷺ نے بذاتِ خود سب سے پہلے ابواء کی مُہم میں حصہ لیا جو صفر ۲ھ میں واقع ہوئی اس سے قبل تین مہمات روانہ کی گئیں، سریہ حمزہ ؓ، سریہ عبیدہ ؓ بن حارث سریہ سعد بن ابی وقاص ؓ، لیکن ان تمام مہمات میں بچ بچاؤ ہو گیا اور کسی معرکے کی نوبت نہ آئی۔

مولانا شبلی نعمانی نے لکھا ہے کہ:

"یہ قریش کے تجارتی قافلے کو چھیڑنے کے لیے بھیجے جاتے تھے یعنی سعد ؓ کی تحدید کے مطابق ان کی شامی تجارت کو بند کرنا مقصد تھا۔" (۶)

صفر ۲ھ میں آپ ﷺ ساٹھ مہاجرین کے ہمراہ مدینہ سے نکلے اور ابواء تک گئے جہاں آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ کا مزار ہے۔ ابواء کا صدر مقام مزع ہے جو ایک وسیع قصبہ ہے اور جہاں قبیلہ مزینہ آباد ہے اور

آپ ﷺ قبیلہ قریش کو روکنے کی غرض سے ابواء پہنچے مگر جنگ کی نوبت ہی نہیں آئی اور یہ پہلا غزوہ تھا جس میں آپ ﷺ بہ نفس نفیس شریک ہوئے۔ اس غزوہ میں آپ ﷺ نے قبیلہ بنی حمزہ کے سردار مخشی بن عمر الضمری سے معائدہ کیا کہ:

لا یغزو بنی ضمرة و لا یغزوه و لا یکثیروا علیه جمیعاً
و لا یعینوا عدواً، و کتب بینه و بینهم کتاباً(۸)

ترجمہ: ''نہ آپ ﷺ بنی ضمرہ سے جنگ کریں گے اور نہ وہ آپ سے لڑیں گے نہ آپ کے خلاف لشکر کریں گے اور نہ دشمن کو مدد دیں گے آپ کے اور ان کے درمیان عہد نامہ تحریر ہوا۔''

ہجرت کے تیرھویں ماہ شروع ربیع الاوّل میں غزوہ بواط واقع ہوا، جس میں آپ ﷺ کے ہمراہ دو سو سوار اور پیادے موجود تھے۔ مقام بواط مکہ اور شام کے درمیان قریش کے تجارتی راستے پر واقع ہے، قریش کو اس نقل و حرکت کا علم ہو گیا لہٰذا انہوں نے راستہ بدل دیا یوں جنگ کی نوبت ہی نہ آئی اسی ماہ آپ ﷺ کرز بن جابر الفہری کے تعاقب میں نکلے جس نے مدینہ کے ایک جانب ڈاکہ ڈالا تھا آپ ﷺ نے ستر صحابۂ کرام ؓ کے ہمراہ بدر کے قریب وادی سفوان تک کرز کا پیچھا کیا مگر وہ نہ مل سکا یوں یہ لڑائی بھی نہیں ہو سکی اسے غزوۂ بدر اولیٰ کہا جاتا ہے۔ اس تعاقب سے واپسی کے بعد آپ ﷺ نے عبداللہ بن جحش کو آٹھ مہاجرین کے دستے کے ہمراہ مقامِ نخلہ کی جانب روانہ کیا اور آپ کو ایک خط بھی تھمایا جس میں ہدایت تھی کہ نخلہ کے مقام پر جا کر قیام کریں اور ہمیں حالات سے آگاہ کریں چنانچہ عبداللہ بن جحش نے اس پر عمل کیا قریش کا ایک قافلہ تجارتی سامان کے ہمراہ مقام نخلہ سے گزرا اس قافلہ میں موجود ایک شخص عمرو بن الحضرمی کی واقد بن عبداللہ سے مڈھ بھیڑ ہو گئی اور وہ مارا گیا مؤرخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عمرو بن الحضرمی کا قتل ہی غزوۂ بدر کا سبب بنا۔

و کان الّذی ھاج وقعة بدر و سائر الحروب الّتی کانت بین رسول ﷺ و بین مشرکی قریش. ما کان من قتل واقد بن عبداللّٰہ التمیمی عمرو بن الحضرمی (۹)

ترجمہ: ''اور جس چیز نے بدر کے واقع کو اُبھارا اور وہ تمام لڑائیاں چھیڑ دیں جو آنحضرت ﷺ اور مشرکین قریش میں پیش آئیں سب کا سبب یہی تھا کہ واقد سہمی نے حضرمی کو قتل کر دیا تھا۔''

نبی کریم ﷺ کا پہلا معرکہ۔ غزوۂ بدر

کفار مکہ کے خلاف پیغمبرِ اسلام ﷺ کی پہلی باقاعدہ جنگ غزوۂ بدر ہے۔ یہ معرکہ ۱۷ رمضان المبارک ۲ھ کو بدر کے مقام پر پیش آیا جس میں مسلمانوں کو واضح اور فیصلہ کن فتح حاصل ہوئی، اور قریش کے بڑے بڑے سرغنہ اس غزوہ میں مارے گئے۔ اس معرکہ میں کفارانِ مکہ کی قوت وحیثیت کو ناقبل تلافی نقصان پہنچا۔

نبی کریم ﷺ کے مدینہ پہنچنے کے بعد اہلِ مکہ نے دیگر شرارتوں کے ساتھ ایک کام یہ بھی شروع کر دیا کہ انہوں نے مسلمانوں پر معاشی ناکہ بندی لگا دی تھی جس سے مدینہ میں اشیاء ضروریہ پہنچنا بند ہوگئیں لہٰذا لوگوں کو بہت مہنگے داموں ضروریاتِ زندگی میسّر آتیں تھیں، جس سے نہ صرف مہاجرین بلکہ انصار بھی متاثر ہو رہے تھے قریشِ مکہ کے اس فعل کے ردِّعمل کے طور پر آپ ﷺ نے معاشی ناکہ بندی روکنے کی غرض سے بعض دستے تشکیل دیئے جن میں سے پہلے تین دستے بغیر کسی کاروائی کے واپس لوٹ گئے۔ اکثر مؤرّخین کا اس بات پر اتفاق پایا جاتا ہے کہ ۲ھ کو نکلنے والے لشکر کا مقصد محض ابوسفیان کے ہمراہ شام سے لوٹنے والے قریش کے قافلہ تجارت پر قابو پانا تھا۔

فأقام ﷺ بالمدینة الیٰ رمضان من السنة الثانیة ثم بلغه
انّ غیرا القریش فیها أموال عظیمة عقبلة من الشام الی
مکة معها ثلاثون او أربعون رجلاً من قریش عمیدهم
أبوسفیان (۱۰)

ترجمہ: ''ماہ رمضان کے شروع میں آپ ﷺ کو یہ خبر پہنچی کہ اہلِ قریش کا تجارتی سامان مال واسباب سے بھرا ہوا شام سے مکہ آرہا ہے اس کے ساتھ تیس یا چالیس آدمی خاص اہلِ قریش کے ہیں جن کے ساتھ ابوسفیان ہے۔''

یہ خبر سنتے ہی آپ ﷺ نے مسلمان مہاجرین وانصار کو اس قافلہ کی جانب پیش قدمی کا حکم صادر کیا چونکہ آپ ﷺ کو جنگ کا خیال غالب نہ تھا اس لیے روانگی کے وقت آپ نے کوئی خاص اہتمام نہ فرمایا۔

صفی الرحمٰن مبارک پوری نے لکھا ہے:

''رسول اللہ ﷺ مدینہ سے نکلے تو بدر منزل مقصود تھی یہ مدینہ کے جنوب مغرب میں ۱۵۵ کلو میٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔اسے ہر طرف سے بلند وبالا پہاڑوں نے گھیر رکھا ہے آمد ورفت کے صرف تین راستے ہیں۔ایک جنوب میں ہے جسے العدوۃ القصوی دور کا کہا جاتا ہے دوسرا شمال میں ہے جو العدواۃ الدنیا قریب کا ناکہ کہلاتا ہے۔تیسرا شمالی راستے کے قریب ہی مشرق میں ہے اور اس سے اہل مدینہ آتے جاتے ہیں۔مکہ سے شام آنے جانے والے قافلوں کا کاروانی راستہ اسی احاطے کے اندر سے گزرتا ہے۔لہٰذا یہ بات بہت آسان تھی کہ قریشی قافلے کے اُترنے کے بعد مسلمان

کرنے پر مجبور ہو جائے۔"(۱۱)

لیکن اس کاروائی کے لیے ضروری تھا کہ قریش کو خبر نہ ہونے پائے لہٰذا آپ ﷺ نے حکمت یہ اپنائی کہ مدینہ سے نکلنے کے بعد پہلے پہل جو راستہ اختیار کیا وہ بدر کے بجائے کہیں اور جاتا تھا پھر دھیمی رفتار سے بدر کی جانب پیش قدمی فرمائی، مگر اس کے باوجود یہ خبر ابوسفیان تک پہنچ گئی اور اس نے ڈر کر ضمضم بن غفاری کو اُجرت دے کر مکہ کی طرف روانہ کیا اور یہ کہلا بھیجا کہ تمہارا قافلہ محمد ﷺ اور ان کے تابعین کی وجہ سے معرضِ زوال ہے دوڑو اور اپنے قافلے کو بچاؤ چنانچہ اہل مکہ یہ سنتے ہی سب کے سب کھڑے ہوئے قریش نے حضرمی کا قتل حرمت والے مہینے میں واقع ہونے کو بنیاد بنا کر تمام عرب کو رسول اللہ ﷺ اور ان کے رفقاء کے خلاف مشتعل کر دیا اور وہ سب مسلمانوں کے خلاف یکجا ہو گئے۔

قرآنِ حکیم میں غزوۂ بدر کی بابت رقم ہے:

كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ٥ (۱۲)

ترجمہ: "تیرہ رب تجھے حق کے ساتھ گھر سے باہر لایا تھا۔"

سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ اس کی وضاحت میں لکھتے ہیں کہ:

"قرآن کا یہ اشارہ ضمناً ان روایات کی بھی تردید کر رہا ہے جو جنگِ بدر کے سلسلے میں اکثر کتب سیرت و مغازی میں نقل کی جاتی ہیں کہ ابتداً آپ ﷺ قافلہ لوٹنے کی غرض سے روانہ ہوئے پھر چند قدم چل کر معلوم ہوا کہ قریش کا لشکر قافلہ کی حفاظت کے لیے آ رہا ہے تب یہ مشورہ کیا گیا کہ قافلے پر حملہ کیا جائے یا لشکر کا مقابلہ؟ اس کے برعکس قرآن بتا رہا ہے کہ آپ ﷺ گھر سے نکلے تھے اسی وقت یہ امر حق آپ ﷺ کے پیشِ نظر تھا کہ قریش کے لشکر سے فیصلہ کن مقابلہ کیا جائے اور یہ مشاورت بھی اسی وقت ہوئی تھی کہ قافلے اور

حجرمی کے اتفاقیہ قتل اور ساتھ ہی اس افواہ کا پھیل جانا کہ مسلمان شام سے آنے والے قافلہ کو لوٹنے والے ہیں، ان خبروں نے اہلِ مکہ کے جوشِ انتقام کو بھڑکا دیا چنانچہ وہ شمشیر برہنہ مکہ سے نکل کھڑے ہوئے ان کی تعداد ایک ہزار تھی سات سو اونٹ اور تین سو گھوڑے ان کے ساتھ تھے۔ جب یہ لشکر جحفہ پہنچا تو اسے ابوسفیان کا پیغام ملا جس میں اس نے کہا کہ ہمارا قافلہ بحفاظت نکل آیا ہے لہٰذا آپ لوگ واپس لوٹ جائیں۔

''ابوسفیان ساحل بحر سے اپنے قافلہ کو نکال لے گئے اور قریش کے لوگوں کو کہلا بھیجا کہ مکہ واپس چلو لیکن ابوجہل نے از راہ نخوت انکار کیا اور کہا کہ بدر میں جہاں عرب کا سالانہ اجتماع ہوتا ہے ہم جا کر ٹھہریں گے تین روز تک وہاں دعوتیں کریں گے اور جشن منائیں گے تاکہ تمام عرب میں ہمارے آنے کی شہرت اور ہماری طاقت کا رعب غالب ہو جائے۔'' (۱۴)

اسی بات پر قریش میں اختلاف رائے ہو گیا کچھ لوگ شدت سے واپسی کے خواہاں تھے ان کا خیال تھا کہ اب مقابلہ بے کار ہے ان میں بنو زہرہ واپس چلے گئے۔ بنو ہاشم کے افراد بھی واپس ہونا چاہتے تھے مگر ابوجہل نے جبراً روک لیا۔ ابوجہل چونکہ قریش کا سردار تھا اس لیے ڈٹ گیا اور مقابلے پر روانہ ہوا۔

میدانِ جنگ اور مؤثر حکمتِ عملی

جب نبی کریم ﷺ کو اہلِ مکہ کی روانگی کی خبر پہنچی تو آپ ﷺ نے صحابۂ کرام ؓ سے مشورہ کیا اور ہر ایک سے رائے طلب کی مہاجرین میں سے حضرت ابوبکر صدیق ؓ اور حضرت عمر فاروق ؓ نے آپ ﷺ کو بھرپور یقین دلایا کہ ہم آپ ﷺ کے ساتھ ہیں اب آپ ﷺ انصار کی جانب سے کسی جواب کے منتظر تھے کہ انصار میں سے حضرت سعد بن معاذ نے عرض کیا۔

یا رسول اللہ ﷺ علی برکۃ اللہ فسر بذالک وقال سیروا أبشروا فانّ اللّٰہ قد و عدنی احدی الطائفتین(۱۵)

ترجمہ: ''اگر آپ ہمیں سمندر میں جا کر کودنے کو کہیں گے تو ہم پیچھے نہ ہٹیں گے آپ ﷺ اللہ کے نام پر ہمارے ساتھ چلیے ہم ساتھ چھوڑ دینے والوں میں سے نہیں۔ چنانچہ مسلمانوں نے کوچ فرمائی اور چند خصوصی انتظامات کیے۔''

۱۔ پہلے ایک دستہ فراہمی معلومات کے لیے بھیجا گیا تا کہ کاروانِ تجارت کا پتہ لگائے اور قریش کے عزائم معلوم کرے۔

۲۔ دو جماعتیں ترتیب دی گئیں ایک مہاجرین کی، جن کا پرچم حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم رضی اللہ عنہ اور حضرت عمیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا اور دوسری انصار کی جن کا جھنڈا حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔

۳۔ عقب پر ایک صحابی قیس بن ابی صعصعہ کو مامور کیا گیا۔

''مسلمانوں کی کل تعداد تین سو چودہ (۳۱۴) تھی جن میں سے تراسی (۸۳) مہاجرین اور باقی انصار تھے ایک سو ستر (۱۷۰) خزرج تھے، کفار کی تعداد قریب ایک ہزار (۱۰۰۰) تھی جس میں سوائے ابولہب کے قریش کے تمام سردار شامل تھے۔''(۱۶)

و کان مع أصحابہ ﷺ یومئذ سبعون بعیرا یعتقبو نھا فقط(۱۷)

ترجمہ: ''صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس اس معرکے میں صرف ستر (۷۰) اونٹ تھے جس پر باری باری سوار ہوتے تھے۔''

اونٹ آپ ﷺ کے حصہ میں آیا جس میں شریک سفر علی بن ابی طالب اور مرثد بن ابو مرثد غنوی تھے۔ تینوں باری باری اونٹ پر بیٹھتے تھے اس طرح سب سے پہلے مساوات کا ایک اُصول قائم کیا گیا۔

اسلامی لشکر نے بدر کے میدان میں جا کر پڑاؤ ڈال دیا تھا مگر ایک صحابی حباب بن منذر نے کسی دوسرے مقام کی نشاندہی کی جو جنگ کے لیے زیادہ موزوں تھی۔

اسلم سیراج پوری اپنی کتاب میں اس جگہ کی بابت یوں لکھا ہے:

''یہ جگہ کنویں کے قریب تھی یوں پانی کے ذخیرے مسلمانوں کے قبضے میں آ گئے۔ رسول ﷺ نے صف بندی کروائی اور خیموں کی جگہ رات کو تبدیل کر دی کہ صبح جب لوگ دشمن کے سامنے ہوں تو سورج ان کی آنکھوں پر نہ پڑے اور لڑائی میں ان کی آنکھیں نہ چندھیا جائیں۔''(۱۸)

آپ ﷺ نے اپنا ذاتی خیمہ نصب کرایا جس کی حفاظت اور نگہداشت کے لیے کئی پہرے دار منتخب فرمائے، پہلے باقاعدہ صفیں مرتب کیں اور صحابہ کرام ؓ کو عزم و حوصلے کی ترغیب دی، یہ حکم دیا کہ اپنی جگہ پر رہ کر مشرکین کے حملہ کو روکیں مگر خود حملہ میں پہل نہ کریں۔

یوں مسلمان ایک بہترین اور اعلیٰ و ارفع قیادت کے ہمراہ میدانِ جنگ میں اُترے اس قسم کی صف بندی سے اہلِ عرب ابھی تک ناواقف تھے۔

جنگ کا آغاز مشرکین نے ہی کیا اسود بن عبدالاسد نے مسلمانوں کے حوض آب پر بھرپور حملہ کیا اسے حمزہ ؓ بن عبدالمطلب نے روکا اور قتل کر دیا اس کے بعد حضرت علی ؓ نے ولید کو مار ڈالا۔ تاریخ الامت میں لکھا ہے کہ:

''میدانِ جنگ میں ان لوگوں کے نکلنے سے پہلے نوجوانِ انصار عوف و معوذ پسران عفراء اور عبداللہ بن رواحہ لڑنے کو آئے تھے

لڑنے سے انکار کر دیا تب حضرت عبیدہ ؓ اور حضرت حمزہ ؓ
حضرت علی ؓ آئے تھے اس کے بعد قوم نے مجموعی حالت سے
حملہ کیا اور مشرکین کو شکست ہوئی۔'' (۱۹)

بدر کا معرکہ مسلمانوں اور مشرکین کی پہلی قابلِ ذکر ٹکر تھی اور فی الحقیقت یہ مسلمانوں کے لیے بہت سخت آزمائش اور عظیم الشان امتحان تھا کیونکہ مسلمان تعداد میں کم تھے، بے سروسامان بھی تھے اور مقابلہ پر ان کی دگنی تعداد کا لشکر تھا جو پورے ساز وسامان کے ساتھ لیس ہو کر نکلا تھا۔ اس کے علاوہ مسلمان بالائی کی جانب تھے جہاں ریت بہت زیادہ تھی گرد وغبار بہت تھا اور پانی بھی میسّر نہ تھا ان حالات میں مسلمانوں کے دلوں میں شکست کا خوف پیدا ہونا فطری بات تھی مگر اللہ نے اپنے کرم خاص سے شدید بارش برسائی جو قریش کے لیے سخت ابتلاء کا باعث بنی۔

سورۂ انفعال میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

إِذْ يُغَشِّيكُمُ النُّعَاسَ أَمَنَةً مِّنْهُ وَ يُنَزِّلُ عَلَيْكُم مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُم بِهِ وَ يُذْهِبَ عَنكُمْ رِجْزَ الشَّيْطَٰنِ وَ لِيَرْبِطَ عَلَىٰ قُلُوبِكُمْ وَ يُثَبِّتَ بِهِ الْأَقْدَامَ ۝ (۲۰)

ترجمہ: ''جب اس نے (تمہاری) تسکین کے لیے اپنی طرف سے تمہیں نیند (کی چادر) اُڑھا دی اور تم پر آسمان سے پانی برسا دیا تاکہ تم کو اس سے (نہلا کر) پاک کر دے اور شیطانی نجاست کو تم سے دور کر دے اور اس لیے بھی کہ تمہارے دلوں کو مضبوط کر دے اور اس سے تمہارے پاؤں جمائے رکھے۔

یہ اس رات کا واقع ہے جس کی صبح بدر کی لڑائی پیش آئی تھی۔ اس بارش کے تین فوائد ہوئے:
پہلا یہ کہ مسلمانوں کو پانی کی کافی مقدار مل گئی اور انہوں نے فوراً حوض بنا بنا کر بارش کا پانی روک لیا۔

زمین اتنی مضبوط ہوگئی کہ قدم اچھی طرح جم سکیں اور نقل وحرکت با آسانی ہو سکے۔

تیسرا یہ کہ لشکر کفار نشیب کی جانب تھا اس لیے وہاں بارش کی بدولت کیچڑ ہوگئی پاؤں دھنسنے لگے۔(۲۱)

گویا یہ بارش مشرکین مکہ کے لیے انتہائی ناگوار اور مسلمانوں کے لیے نزول رحمت ثابت ہوئی اس لیے بدر کی جنگ اور فتح اسلام میں اس بارش کو بھی بڑی اہمیت حاصل ہے۔

عظیم الشان قیادت: بہترین نتائج

(۱) جنگِ بدر کے سپہ سالار خود نبی کریم ﷺ تھے جو کہ فیصلہ کن وقت میں، فیصلہ کن مقام پر، فیصلہ کن اقدام کا حکم فرماتے تھے۔

(۲) اس معرکہ میں مسلمانوں نے بہترین نظم ونق کی مثال قائم کی اور جب کوئی لشکر بہتر نظم ونسق پر قائم ہو تو صحیح معنوں میں وہی اپنے جوہر دکھانے کے قابل ہوتا ہے۔ یہ لشکر ہر قدم پر اپنے امیر کی پیروی میں آگے کی جانب بڑھتا رہا اور ان کا قائد الگ تھلگ رہ کر محض حکم نافذ کرنے پر معمور نہیں رہا، بلکہ بذاتِ خود لڑائی میں شمولیت اختیار کی اور ہر اگلہ قدم بڑھانے سے قبل اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرنا اور ساتھیوں سے رائے طلب کرنا ضروری خیال کیا۔ جبکہ ان مخالفین قیادت موحدہ سے محروم تھے اور ان کا اندازِ جنگ بھی فرسودہ تھا ان کی قیادت دو اشخاص، عتبہ بن ربیعہ اور ابوجہل بن ہشام میں بٹی ہوئی تھی جن کے درمیان آپس میں اتحاد سے زیادہ اختلاف پایا جاتا تھا۔

(۳) آپ ﷺ نے بحیثیت سپہ سالار میدانِ جنگ کے شمال میں ایک ٹیلے پر قیام فرمایا، جہاں سے پورا میدان دکھائی دیتا تھا۔ وہ رات مسلمانوں نے نہایت عاجزی وانکساری سے اپنے رب کے سامنے گڑگراتے ہوئے گزاری۔

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ج وَ لِيُبْلِىَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ط اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌo (۲۲)

ترجمہ: ''تم لوگوں نے (ان کفار) کو قتل نہیں کیا بلکہ خدا نے انہیں قتل کیا اور (اے محمد) جس وقت تم نے کنکریاں پھینکی تھیں اس سے یہ غرض تھی کہ مومنوں کو اپنے (احسانوں) سے اچھی طرح آزمالے بے شک خدا سنتا اور جانتا ہے۔''

اس آیتِ مبارکہ میں اس واقعہ کی جانب اشارہ ہے کہ جب نبی کریم ﷺ نے میدانِ بدر میں کفار کے لشکر پر مٹھی بھر ریت اُٹھا کر کفار پر پھینکی تھی اس کے ساتھ ہی آپ ﷺ کے اشارہ پر مسلمان یکبارگی کفار پر حملہ آور ہو گئے۔

غزدۂ بدر میں مسلمانوں کی عظیم الشان فتح کا ایک سبب ان کا وہ خاص و معین مقصد تھا جس میں ان کے پیشِ نظر مادّی نفع کی اُمید ہرگز نہ تھی لہٰذا اپنے سے تین گنا زیادہ فوج کے سامنے مہاجرین و انصار ثابت قدم اور ڈٹے رہے جبکہ مشرکین نے جب اس مٹھی بھر لشکر کو دیکھا تو فخر و تکبر کی باتیں کیں کہ یہ لوگ اتنے محدود لشکر کے ہمراہ ہم سے لڑنے کس بھروسے پر آئے ہیں؟ ان کے اس بیان کا جواب اس آیتِ مبارکہ میں موجود ہے۔

وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌo (۲۳)

ترجمہ: ''جو کوئی اللہ پر بھروسہ کرے تو اللہ تعالیٰ زبردست ہے حکمت والا۔''

اسی کامل بھروسے کے نتیجے میں اس قلیل جماعت نے نصرت حاصل کی، خدا نے ان پر کرم فرمایا اور اسی رات آسمان سے وہ بارش برسائی کہ میدانِ جنگ کا نقشہ ہی بدل کر رہ گیا۔

''بعض اوقات قدرتی حوادث کا ایک معمولی واقعہ بھی فتح وشکست کا فیصلہ کر دیتا ہے جنگ واٹرلو کے تمام مؤرخین متفق ہیں اگر ۱۷، ۱۸ جون کی شب بارش نہ ہوتی تو یورپ کا نقشہ بدل جاتا، کیونکہ اس صورت میں نپولین کو زمین خشک ہونے کے لیے دوپہر بارہ بجے تک انتظار کرنا نہ پڑتا وہ صبح ہی سے لڑائی شروع کر دیتا جس کے نتیجے میں ولنگٹن کو شکست ہوتی۔ لیکن اگر بدر میں بارش نہ ہوتی تو کرۂ ارض کی ہدایت کا نقشہ بدل جاتا۔''(۲۴)

اس طرح آپ ﷺ نے دعا میں ارشاد فرمایا تھا کہ: اے خدا آج یہ چھوٹی سی جماعت ختم ہوگئی تو کرۂ ارض پر کل کوئی تیرا عبادت گزار باقی نہ رہے گا۔

ہر جنگ کی تاریخ سے یہی ثابت ہے کہ صرف جدید اسلحہ بندی، قوت و تعداد ہی فتح کے لیے ضروری نہیں ہوتی بلکہ ان تمام چیزوں کے ساتھ ایک اور چیز بھی شامل ہوتی ہے جو ان سب پر حاوی ہے اور وہ ہے عزم و استقلال اور بلند ہمتی۔ لہٰذا مسلمانوں اور مشرکین کی پہلی خطرناک و فیصلہ کن جنگ میں یہی خوبیاں تھیں جنہوں نے مسلمانوں کو سربلند و سرفراز کیا۔

اسیرانِ جنگ

کفار کے ایک سو ستر آدمی مارے گئے اور ستر قیدی ہوئے جبکہ مسلمان شہداء کی تعداد چودہ تھی، مہاجرین میں سے چھ صحابی حضرت عبیدہ بن الحارث، عمیر بن ابی وقاص، عاقل بن ابی البکر، عمیر بن الخطاب مہجع، صفوان بن بیضاء شامل تھے جبکہ انصار میں سے آٹھ صحابی قبیلہ اوس کے سعد بن خثیمہ، مبشر بن عبدالمنذر، اور قبیلہ خزرج کے یزید بن الحارث بن الخزرج، عمیر بن الحمام، رافع بن معلیٰ، حارثہ بن سراقہ، عوف و معوذ جملہ چودہ صحابی شہید ہوئے۔

چونکہ مشرکین کی تعداد بہت زیادہ تھی اس لیے ایک بڑا سا گڑھا کھود کر اس میں لاشیں ڈال دیں خود اسیرانِ جنگ کے ساتھ مدینہ تشریف لے آئے ان میں سے صرف دو افراد جن سے شدید خطرہ درپیش تھا انہیں راستے میں ہی قتل کر دیا گیا۔

عنایت چوہدری لکھتے ہیں کہ:

''اس غزوہ میں قریش کے ستر افراد مسلمانوں کے ہاتھوں قید ہوئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے جنگی قیدیوں کے بارے میں ایک ضابطہ بنایا جس کے مطابق ان کے ساتھ ایسا سلوک رواں رکھا گیا کہ خود قیدی بھی اس حسنِ سلوک پر حیران رہ گئے کسی قیدی میں کوئی تفریق نہ کی گئی قیدیوں میں آپ ﷺ کے چچا حضرت عباس ؓ بھی تھے۔ کچھ قیدی فدیہ دے کر رہا ہو گئے جن کے پاس فدیہ کے لیے رقم نہ تھی ان کو تعلیم پر معمور کیا گیا کسی قیدی پر مسلمان ہونے کی شرط نہ لگائی گئی۔'' (۲۵)

آپ ﷺ کی بیٹی حضرت زینبؓ کا شوہر ابو العاص بھی جنگی قیدیوں میں تھا۔ صحابہ کرام ؓ نے تجویز تک پیش کی کہ انہیں بغیر فدیہ کے رہا کر دیا جائے مگر آپ ﷺ اس پر راضی نہ ہوئے یہ عدل کی ایک عمدہ مثال ہے۔ قیدیوں سے نیک سلوک رواں رکھنے کے لیے آپ ﷺ نے صحابہ کرام ؓ کو خصوصی ہدایات کیں۔ قیدیوں کے بابت صحابہ کرام ؓ نے اپنی اپنی رائے پیش کی حضرت عمر ؓ اور حضرت سعد بن معاذ کا خیال تھا کہ انہیں قتل کر دیا جائے جبکہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے فرمایا کہ ان سے فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے ہو سکتا ہے ان میں سے کچھ لوگ راہِ راست پر آ جائیں۔ بعض قیدیوں نے یہ نکتہ اُٹھایا کہ ہم سے معاوضہ کیوں لیا جا رہا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْٓ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰٓى ۙ اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّآ اُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (۲۶)

ترجمہ: ''اے نبی! جو قیدی تمہارے ہاتھ میں (گرفتار) ہیں ان سے کہہ دو کہ اگر اللہ تمہارے دلوں میں نیکی معلوم کرے گا تو جو مال تم سے چھن گیا ہے اس سے بہتر تمہیں عنایت فرمائے گا اور تمہاری خطائیں معاف کر دے گا اللہ درگزر کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

جاہلی نظام میں اسیرانِ جنگ کے ساتھ جو سلوک رکھا جاتا ان پر ظلم توڑے جاتے، اور غلامی میں ڈال دیا جاتا آج کے مہذب دور میں بھی جنگی قیدیوں کے ساتھ وحشیانہ سلوک رواں رکھا جاتا ہے لیکن نبی کریم ﷺ ان انتہا پسند لوگوں کے درمیان رہ کر بھی قیدیوں کو آرام و تحفظ پہنچانے کی شدید تلقین کی چنانچہ صحابۂ کرام ؓ خود کھجوریں کھا کر قیدیوں کو اپنے حصے کا کھانا کھلاتے تھے جن کے پاس لباس نہ تھا انہیں لباس مہیا کیا گیا۔

فاتح قوم عام طور پر نشہ پندار میں بدمست ہو کر غیر سنجیدہ ہو جایا کرتی ہے لیکن نبی برحق ﷺ نے فتح بدر کے بعد اپنے عاجزانہ روّیہ سے نبی برحق ﷺ ہونے کا ثبوت پیش کیا، آپ ﷺ اور صحابۂ کرام ؓ کے دلوں میں فخر کے بجائے ایک جذبہ تشکر قائم تھا جس کی بنیاد اس احساس پر ہے کہ فتح اللہ کا انعام ہے۔

غزوۂ بدر کے اسباب و عوامل نہ تو سیاسی اور معاشی مفادات کا حصول تھا اور نہ ہی شخصی اور قبائلی اختلافات اور دشمنی تھی بلکہ اس کا اصل محرک گزشتہ تیرہ سال سے جاری حق و باطل کی کشمکش تھی۔ جنگِ بدر میں کفار کی تیاری اور واقعات یہ بتاتے ہیں کہ سردارانِ قریش اپنے زعم میں حق کی آواز ہمیشہ کے لیے دبانے کے مقصد سے مکہ سے نکلے تھے، قریش کا جوش و جنون اللہ کے دین کو شکست اور مسلمانوں کی قوت

قریش کے برعکس پیغمبرِ اسلام ﷺ اور ان کے جانثاروں کا اس جنگ میں اصل مقصد حق کی بالا دستی اور ظلم کا خاتمہ تھا، وہ ظلم جو انہوں نے تیرہ سال تک برداشت کیا تھا۔ چنانچہ اہلِ حق بدر کے میدان میں سر دھڑ کی بازی لگا کر نکلے اور نصرت حاصل کی۔

فتح کے معروف مادّی اسباب و وسائل میسّر نہ ہونے کے باوجود اتنی عظیم الشان فتح کا حاصل ہو جانا مسلمانوں کے لیے کسی معجزے سے کم نہ تھا۔ اس جنگ میں دونوں پلڑے متوازن نہ تھے۔ مشرکین کا لشکر ایک ہزار افراد پر مشتمل تھا اور ساتھ ہی ساز و سامان اور اسلحہ سے بھی لیس تھا جبکہ مسلمان نہ صرف قلیل تعداد رکھتے تھے بلکہ اس محدود لشکر کے لیے بھی ان کے پاس اسلحہ کی کمی تھی، اور انہیں سامان خورد و نوش تک میسّر نہ تھا۔ گویا مسلمان ہر اعتبار سے کمزور تھے تاریخ نے اس معرکے سے پہلے کسی کمزور ترین قوم کو ایسی شاندار فوج پر فتح پاتے نہ دیکھا۔ اس کمزور قوم کی شاندار فتح نے ظاہری و مادّی وسائل کو ذریعہ کامرانی سمجھنے والوں کو حیرت زدہ کر دیا۔ اس غزوہ نے ثابت کر دیا کہ باطل کی کثرتِ تعداد، وسائل اور قوت و طاقت کوئی معنی نہیں رکھتی بشرطیکہ اس کے مقابل پر عزم، پر خلوص، مستقل مزاج، قیادت موجود ہو۔ دل میں اگر سچائی کا جذبہ، اور ذاتِ الٰہی پر کامل ایمان موجود ہو تو بڑی سے بڑی سپر طاقت بھی کمزور ہو جایا کرتی ہے جس کا ثبوت غزوۂ بدر ہے۔

بدر کے معرکے میں کامیابی کے بعد سے مسلمانوں کو پورے عرب میں ایک ملت اور اسلام کو ایک نظریے کے طور پر قبول کیا گیا اور مستقبل میں بھی اسلام کی فتح و نصرت کے دروازے کھلتے چلے گئے۔

واقعہ بدر نے مسلمان و مشرکین دونوں جماعتوں پر دوررس نفسیاتی اثرات مرتب کیے جہاں مسلمانوں کی ہمت و حوصلے میں اضافہ ہوا وہیں مخالفین کے حوصلے پست و ماند پڑ گئے اور ان کے دلوں میں خوف بیٹھ گیا جو آج تک برقرار ہے۔ بظاہر معمولی نظر آنے والا یہ معرکہ تاریخِ اسلام میں غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے، جس کے غیر معمولی اثرات شاہد ابھی تک باقی ہیں اور آج بھی باطل، حق سے خوف فزدہ ہے۔

بدر کا معرکہ مسلمانوں اور کفارِ مکہ کے درمیان پہلا مسلح ٹکراؤ اور فیصلہ کن معرکہ تھا اور اس معرکے میں فتح مسلمانوں کی ہوئی جس کا مشاہدہ سارے عرب نے کیا۔ بدر کے نتائج سے وہ لوگ سب سے زیادہ دل گرفتہ ہوئے جنہیں براہِ راست نقصان عظیم برداشت کرنا پڑا یا پھر وہ لوگ جو مسلمانوں کے خلاف غم و غصہ اور رنج والم میں مبتلا تھے۔ ان کی بابت ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۝ (۲۷)

ترجمہ: ''(اے پیغمبر) تم دیکھو گے کہ مومنوں کے ساتھ سب سے زیادہ دشمنی کرنے والے یہودی اور مشرک ہیں۔''

مدینہ منوّرہ میں یہود کے تین گروہ (۱) بنی قریظہ (۲) بنی نضیر (۳) بنی قینقاع رہتے تھے جنھوں نے مسلمانوں سے جنگ نہ کرنے کی مصالحت کر رکھی تھی لیکن جب آپ ﷺ بدر کے معرکہ سے فتح یاب ہو کر لوٹے تو یہودیوں کا حسد بڑھ گیا اور بنی قینقاع نے معاہدہ توڑ دیا اور مسلمانوں کو اذیت پہنچانی شروع کر دی نتیجہ کے طور پر آپ ﷺ نے ساتھیوں کے ہمراہ پندرہ روز تک ان کا محاصرہ کیا یہ نصف شوال ہجرت کے بیسویں ماہ کا واقعہ ہے۔

اس حصار کا سبب ابن اثیر نے یوں لکھا ہے:

اذجاء ت امراۃ مسلمة الیٰ سوق بنی قینقاع و جلست عند صائغ لآجل هلی لها فجاء رجل منهم فخل درعها الیٰ ظهرها ،و هی لا تشعر ،فلمّا قامت بدعت عورتها فضحکوا منها، فتام الیه رجل من المسلمین فتقتله (۲۸)

ترجمہ: ''ایک مسلمان عورت بنی قینقاع کے بازار آئی اور سنار کی دکان پر بیٹھ گئی وہ اپنے لیے زیور بنوا رہی تھی کہ ایک یہودی آیا اور پیچھے سے اس کی

اس کی بے پردگی ہوگئی یہودی اس پر ہنسنے لگے ایک مسلمان اشتعال
میں آکر اس پر جھپٹ پڑا اور وہیں اس کو قتل کر دیا۔''

اس واقعہ پر سب یہودی مجتمع ہوگئے اور اس شخص کو قتل کر کے خود قلعوں میں پناہ گزین ہو گئے نبی کریم ﷺ نے انہیں یاد دلایا کہ ہمارے درمیان معائدہ ہو چکا ہے لہٰذا آپ لوگ اس معائدے کے مطابق ہم سے معاملہ طے کریں مگر جواب میں انہوں نے سخت ردّعمل کا اظہار کیا اور تمسخر اُڑایا کہ قریش تو جنگ سے یکسر ناواقف تھے آپ ہم سے مقابلہ کریں تو ہماری طاقت کا اندازہ ہو جائے گا اس واضح دھمکی کے بعد مسلمانوں کے لیے مقابلہ کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا چنانچہ انہوں نے یہودیوں کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا یہ محاصرہ پندرہ دن تک جاری رہا بالآخر یہودی محاصرے کی تاب نہ لا کر ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گئے۔ انہوں نے اپنی جان بخشی کے لیے ہر طرح کی شرط تسلیم کرنے کی حامی بھی بھرلی چنانچہ آپ ﷺ نے ان پر مدینہ چھوڑنے کی شرط عائد کی کیونکہ یہاں رہ کر وہ مسلمانوں کو گزند پہنچانے کی سازش میں مصروف تھے۔ یہ وہ وقت تھا جب مسلمان چاروں طرف سے دشمنوں میں گھرے ہوئے تھے اور ہر دشمن کا اپنا انداز دشمنی تھا۔لہٰذا یہود کی جلاوطنی سے مقصود مدینہ منوّرہ کو مسلمانوں کے لیے ایک محفوظ مرکز بنانا تھا۔

گویا اس محاصرے میں جنگ وجدل کی نوبت ہی نہ آئی اور معاملہ افہام وتفہیم سے طے پا گیا لہٰذا اسے غزوہ نہیں گردانا جا سکتا۔

شوال کے مہینے میں ہی آپ ﷺ کو خبر ملی کہ بنی سلیم اور بنی غطفان کا ایک بڑا گروہ حملہ آور ہونے کا ارادہ کر رہا ہے اور یہ گروہ مقام کدر پر واقع چشمے پر جمع ہو چکا ہے۔آپ ﷺ ان کی سرکوبی کے لیے مقام کدر تک پہنچے۔اس واقعے کو غزوۂ کدر کے نام سے یاد کیا جاتا ہے مگر لڑائی کی نوبت یہاں بھی پیش نہیں آئی اور بغیر کسی جھڑپ کے دونوں گروہ واپس ہو لیے۔

اس کے بعد کا غزوہ، غزوۂ سویق کے نام سے مشہور ہے۔اس غزوہ کا پس منظر یہ ہے کہ ابوسفیان نے بدر کی فتح کے بعد قسم کھا رکھی تھی کہ جب تک مسلمانوں سے بدلہ نہ لے گا اپنے سر پر پانی کا ایک قطرہ

مدینہ پہنچا اور وادی عریض کے قریب پہنچ کر لشکر کھجوروں کے درخت جلا دیے اور ایک انصاری مسلمان معبد بن عمرو کو قتل کر ڈالنے کے بعد انہوں نے واپسی کی راہ لی۔ نبی کریم ﷺ نے تعاقب کیا اور قرقرۃ الکدر تک پہنچ گئے مگر ابوسفیان اور اس کے ساتھی فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے زیادہ تیزی سے بھاگتے ہوئے وہ اپنے ساتھ لائے غزائی تھیلے پیچھے پھینکتے گئے۔

ابن اثیر نے لکھا ہے:

وكان ابو سفيان و آصحابه يلقون جرب السويق يتخفون منها و كا ن ذالك عاقة زادهم ، فلذلك سميت غزوة السويق(۲۹)

ترجمہ: ''جاتے ہوئے ابوسفیان کے ساتھ ستوؤں کے تھیلے پھینکتے گئے تاکہ اونٹوں کا بوجھ ہلکا ہو اور تیزی سے بھاگ سکیں ستوان کے عام سفر کا توشہ تھا، اسی لیے اس غزوہ کا نام غزوۂ سویق پڑ گیا۔''

چونکہ اس موقع پر تو فریقین کا آمنا سامنا ہی نہیں ہوا لٰہذا یہ بھی کوئی معرکہ نہ تھا۔ اس کے بعد آپ ﷺ کو بنی ثعلبہ اور محارب کے قبائل کی جانب سے حملہ کی اطلاع ملی۔ خبر ملی کہ یہ قبائل ذی امر کے مقام پر جمع ہو چکے ہیں تو آپ ﷺ ساڑھے چار سو افراد پر مشتمل افواج کے ہمراہ اپنے دفاع کی غرض سے روانہ ہوئے مگر دونوں قبائل پہاڑوں سے روپوش ہو گئے اور مسلمان اس دیار میں کامل ایک ماہ قیام کرنے کے بعد بغیر کسی جنگ و جدال واپس لوٹ گئے۔ تاریخ کی کتب میں اس واقعے کو غزوۂ ذی امر کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ اس کے بعد بنی سلیم کی جانب سے حملے کا خطرہ ہوا تو آپ ﷺ ایک بار پھر تین سو افراد کے ہمراہ اپنے دفاع کے لیے روانہ ہوئے لیکن ایک رات سفر میں گزری تھی کہ بنی سلیم کا ایک آدمی آپ ﷺ کے ہاتھ لگ گیا جس نے بتایا کہ بنی سلیم واپس ہو چکے ہیں لٰہذا یہاں بھی آپ ﷺ دو ماہ انتظار کے بعد صحابۂ کرام ؓ کے ہمراہ بغیر کسی مقابلہ کے واپس مدینہ تشریف لے آئے۔

بذاتِ خود اپنے اور مسلمانوں کے دفاع کے لیے نکلے مگر کہیں بھی باقاعدہ لڑائی یا مقابلہ نہیں ہوا اُصولاً انہیں غزوہ یا جنگ کا نام دے دینا حق بجانب نہیں۔

غزوۂ اُحد

اُحد دوسرا بڑا غزوہ تھا جس کی بنیاد مقامِ بدر سے اہلِ مکہ کی واپسی کے بعد ہی پڑ ہی گئی تھی کیونکہ اہلِ مکہ اس شکست کو بھلا نہ پائے تھے اور یہ طے کر لیا تھا کہ کسی بھی قیمت پر اپنی ذلت کا بدلہ لیں گے اور اپنی سابقہ کرامت وشرف حاصل کر کے ہی رہیں گے۔ ابوسفیان نے ان تمام لوگوں سے مدد کی درخواست کی جن کا مالِ تجارت شام سے واپس آنے والے قافلہ میں تھا کہا۔

یا معشر قریش انّ محمد اُ قد و ترکم، و قتل اخیارکم، فآعینونا بهذا لمال علی حربه، لعلّنا ان ندرک منه تأراً بمن احیب منّا(۳۰)

ترجمہ: ''اے گروہ قریش! محمد نے تم سے اپنا کینہ نکالا ہے اور تمہارے بھائیوں کو قتل کر دیا لہٰذا تم اس مال سے ہماری مدد کرو شاید اس طرح ہم اپنی شکست کا بدلہ لیں۔''

باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت قافلے کے مالِ تجارت کا صرف اصل سرمایہ مالکوں کو لوٹایا گیا جبکہ اس کا زرِ منافع امانت کے طور پر محفوظ رکھ دیا گیا۔

''قافلے میں ایک ہزار اونٹ تھے اور پچاس ہزار دینار کا مال تھا، اصل سرمایہ مالکوں کو لوٹا دیا گیا ،منافع رکھ دیا گیا جو بحیثیت مجموعی پچاس ہزار تھا۔''(۳۱)

اہلِ قریش یہاں متحد ہو گئے اور بلا حجت یہ درخواست مان لی۔ اس کی جانب آیتِ مبارکہ میں بھی اشارہ ہے:

فَسَيُنفِقُونَهَا ثُمَّ تَكُونُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُونَ ط (۳۲)

ترجمہ: ''جو لوگ کافر ہیں اپنا مال خرچ کرتے ہیں کہ (لوگوں) کو خدا کے رستے سے روکیں سو ابھی اور خرچ کریں گے مگر ان کا یہ (خرچ کرنا) ان کے لیے (موجب) افسوس ہوگا اور وہ مغلوب ہو جائیں گے۔''

مال کی تیاری کے ساتھ ہی قریش نے اپنے متعلقہ جیوش وقبائل کو بھی اُبھارنا شروع کیا اور اس غرض کے لیے عرب کے عام دستور کے مطابق شاعری کو ذریعہ بنایا۔عرب کا ایک بہت ممتاز شاعر ابوعزہ عمر بن عبداللہ جمعی بدر کی جنگ میں قید ہو کر نبی کریم ﷺ کے پاس گیا اور اس نے نبی کریم ﷺ سے درخواست کی کہ میری کئی بیٹیاں ہیں اور میں مفلس ہوں لہٰذا آپ ﷺ نے اس کی بخشیش کر دی۔اسی شخص کو اُحد کے وقت مسلمانوں کے خلاف اپنی زبان استعمال کرنے کی دعوت دی گئی صفوان بن اُمیہ نے اسے لالچ دی کہ تمہاری بیٹیوں کی اپنی بیٹیوں کی طرح پرورش کروں گا۔

علامہ طبری لکھتے ہیں:

فخرج ابو عزّہ یسیر فی تھامۃ، و یدعو بنی کنانہ، و خرج مسافع بن عبدمناف بن وھب الی بنی مالک بن کنانۃ یحرضھم و یدعوھم الی حرب رسول ﷺ (۳۳)

ترجمہ: ''اس لالچ پر ابوعزہ نے تمام تہامہ کا دورہ کیا اور بنو کنانہ کو جنگ کی دعوت دی۔اسی طرح مسافع بن عبدمناف بن وھب بن حزافہ بنی مالک بن کنانہ کے پاس جا کر انہیں رسول ﷺ کے خلاف جنگ پر اُبھارنے لگا۔''

حضرت عباس رضی اللہ عنہ اس وقت تک ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے مگر آپ ﷺ کے خیر خواہ تھے۔ مشرکین کا لشکر ایک فیصلہ کن ارادے سے مدینہ کی جانب چل پڑا۔

واقدی نے لکھا ہے:

و خرجت قريش وهم ثلاثة الف بمن ضوى اليهم ، و كان فيهم من ثقيف مائة رجل و خرجوا بعدّة و سلاح كثير ، و قادو مائتى فرس و كان فيهم سبحاته دارع و ثلاثة الاف بعير ، فلمّا اجمعوا المسير كتب العباس ابن عبدالمطلب كتاباً و ختمه (۴۳)

ترجمہ: ''قریش، مکہ سے نکلے جن کے جلو میں تین ہزار تک سوار، پیادے اور دستے کوچ کر رہے تھے، دو سو گھوڑے سات سو زرہ پوش اور تین ہزار اونٹ تھے معرکے سے چند روز قبل ہی آپ ﷺ کے چچا عبدالمطلب نے اطلاع دے دی۔''

قریش مکہ اپنے ساتھ پندرہ سو کے قریب خواتین بھی لائے تھے ان میں سالار اعظم ابوسفیان کی بیوی ہند بھی تھی۔

مولانا شبلی مرحوم فرماتے ہیں:

''لڑائیوں میں ثابت قدمی اور جوش جنگ کا بڑا ذریعہ خاتون حرم تھیں، جس لڑائی میں خاتونیں ہوتیں، عرب جانوں پر کھیل جاتے تھے کہ شکست ہوئی تو عورت بے حرمت ہوگی۔'' (۳۵)

آپ ﷺ کو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ذریعے اطلاع مل چکی تو آپ ﷺ نے پہلے اس کی تصدیق کی۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا قاصد پیغام رسانی میں نہایت پھرتیلا ثابت ہوا، اس نے مکے سے مدینہ تک کوئی پانچ سو کلومیٹر کی مسافت صرف تین دن میں طے کر کے ان کا خط نبی کریم ﷺ کے حوالہ کیا۔ (۳۶)

اور موس تھے خبر لانے کے لیے بھیجے انہوں نے آ کر اطلاع دی کہ قریش کا لشکر مدینہ کے پاس آ گیا ہے تب مسلمانوں نے اپنے دفاع کی تیاریاں شروع کر دیں، شہر کے چاروں جانب پہرے لگا دیئے گئے، سعد بن معاذؓ اسید بن حضیرؓ اور سعد بن عبادہؓ نے مسلح ہو کر تمام رات مسجد نبوی کے دروازے پر پہرہ دیا۔

مشاورت و فیصلہ

آنحضرت ﷺ نے مقابلہ کے لیے لائحہ عمل بذریعہ شوریٰ ترتیب دینے کی غرض سے تمام اصحاب رائے و فکر کو طلب کیا۔ خود آپ ﷺ کی رائے تھی کہ مدینہ کے اندر رہ کر مورچہ بندی کی جائے تا کہ جب مشرکین شہر میں داخل ہوں تو پوری طاقت سے ان پر حملہ کیا جائے۔ اس کا فائدہ یہ تھا کہ قریش چونکہ مدینہ کے اطراف و جوانب سے ناواقف تھے جبکہ مسلمان یہاں کے ایک ایک گوشے سے واقف تھے لہٰذا اندرونِ شہر جنگ کی صورت میں مسلمان زیادہ بہتر انداز سے اپنا دفاع کر سکتے تھے۔ آپ ﷺ کی اس رائے سے کبار صحابہ نے اتفاق کیا اور عبداللہ بن ابی سلول نے بھی آپ ﷺ کی تائید کی۔ لیکن بہت سے مسلمانوں نے اس کے متضاد رائے دی خصوصاً وہ لوگ جو جنگِ بدر میں شرکت نہ کر سکے تھے، ان لوگوں کا خیال تھا اگر اندرونِ شہر لڑائی لڑی گئی تو یہ مسلمانوں کے ضعف و کمزوری کی دلیل ہوگی لہٰذا آپ ﷺ ہمیں لے کر دشمن کے مقابلہ پر چلیں آپ ﷺ نے باہر جانے کی صورت میں شکست کا اندیشہ ظاہر کیا۔

علامہ طبری لکھتے ہیں:

قال رسول ﷺ للمومنین انی رأیت بقراًفأولتها خیراً، و رأیت فی ذباب سیفی ثلماً، و رأیت أنّی أدخلت یدی فی درع حصینة فأولتها المدینة، فان رأیتم ان ثقیموا بالمدینه و تدعوهم حیث نزلوا، فان رأیتم أن تقیموا بالمدینة و تدعوهم حیث نزلوا، فان أقاموا بشر مقام و

ترجمہ: ''رسول ﷺ نے مسلمانوں سے فرمایا، میں نے خواب میں گائے دیکھی ہے اور اس کی تعبیر اچھی ہے۔ میں نے اپنی تلوار کی دھار میں دندانے پڑے ہوئے دیکھے ہیں میں نے دیکھا ہے کہ میں نے اپنا ہاتھ مضبوط گرہ میں چھپالیا ہے اس سے میں نے تعبیر لی ہے کہ یہ زرّہ مدینہ ہے۔ مناسب یہ ہے کہ تم مدینہ ہی میں ٹھہرے رہو اور قریش کو جہاں وہ آکر اُترے ہیں، پڑا رہنے دو۔ اگر وہ وہاں زیادہ قیام کریں گے تو وہ بری جگہ قیام کریں گے اور اگر وہ ہم پر چڑھ کر مدینہ آئیں گے تو ہم ان سے لڑیں گے۔ ✿

آپ ﷺ کے ارشاد کو سننے کے باوجود یہ لوگ بضد رہے کہ اندرونِ مدینہ کے بجائے باہر نکل کر مقابلہ کیا جائے اور چونکہ یہ اکثریت کی رائے تھی اس لیے نہ چاہتے ہوئے بھی آپ ﷺ نے اسے تسلیم کیا کیونکہ آپ ﷺ نظامِ شوریٰ کو نظر انداز نہیں کرنا چاہتے تھے لہٰذا آپ ﷺ نے صحابۂ کرام ؓ کو حکم فرمایا کہ باہر جانے کے لیے تیار ہو جائیں اور اپنی زرّہ منگوا کر اسے زیب تن کیا۔ اس کے بعد لوگوں کو احساس ہوا اور ندامت ہونے لگی کہ ہم نے آپ ﷺ کی رائے کا احترام نہ کیا۔ اس خیال سے انہوں نے آپ ﷺ سے معذرت کی اور کہا کہ جو آپ ﷺ چاہیں اسی پر عمل کریں۔

✿ بخاری شریف میں خواب کے متعلق روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ:
''میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں نے تلوار کو ہلایا اور اس سے اسکی دھار ٹوٹ گئی اسکی تعبیر مسلمانوں کے نقصان کی صورت میں ظاہر ہوئی جو غزوۂ اُحد میں اُٹھانا پڑا اس پھر دوبارہ تلوار کو ہلایا تو وہ اس سے زیادہ اچھی حالت میں ہوگئی اسکی تعبیر فتح اور مسلمانوں کے اتحاد و اجتماع کی صورت میں ظاہر ہوگئی میں نے اس خواب میں ایک گائے دیکھی تھی اور اللہ تعالیٰ کے تمام کاروبار براز حکمت ہوتے ہیں اس کی تعبیر وہ مسلمان تھے جو اُحد کی لڑائی میں شہید ہوگئے تھے۔

بعی لنبیّ ان یلبس لامتہ فیضعھا حتی یقاتل (۳۸)

ترجمہ: ''کسی نبی کے لیے زیبا نہیں کہ جب وہ زرہ پہنے تو بغیر لڑے اسے اُتار دے۔''

اسلامی لشکر کا خروج اور قریش مکہ کا سامنا

آپ ﷺ ایک ہزار جانثاروں کے ہمراہ عصر کے وقت مدینہ سے روانہ ہوئے۔آپ ﷺ کے ہمراہ عبداللہ بن ابی سلول اور اس کے تین سو افراد بھی تھے جب یہ لشکر اُحد اور مدینہ کے درمیان مقام شوط تک پہنچا تو عبداللہ بن ابی سلول اپنے تین سو افراد کے ہمراہ واپس ہو گیا۔اس واپسی کا جواز اس نے یہ پیش کیا کہ نبی کریم ﷺ نے ہماری رائے کو ترجیح کیوں نہ دی۔اس موقع پر ارشادِ ربانی ہے:

اِذْ ھَمَّتْ طَّآ ئِفَتٰنِ مِنکُمْ اَنْ تَفْشَلَاo (۳۹)

ترجمہ: ''یاد کرو جب تم میں سے دو گروہ بڑی بزدلی دکھانے پر آمادہ ہو گئے تھے۔''

ان سے مراد بنو حارثہ اور بنو سلمہ کے دو قبائل تھے جو عبداللہ بن ابی سلول کے ورغلانے پر ان کے ساتھ جانے پر آمادہ ہو گئے تھے مگر اللہ نے ہی رحم فرمایا اور وہ بچ گئے۔

اب مسلمانوں کے پاس سات سو کا لشکر تھا جب کہ مقابلے پر تین ہزار جنگجوؤں پر مشتمل فوج تھی جن کے پاس دو سو گھوڑے اور تین ہزار اونٹ تھے۔آپ ﷺ نے مغرب کے بعد اپنی فوج کا اچھی طرح معائنہ کیا اور فوج کے کمسن افراد کو بھی واپس بھیج دیا۔

مسلمانوں کی فوج کوہ اُحد کی گھاٹی کے بالکل آخری سرے پر اس طرح صف آراء ہوئی کہ کوہ اُحد پشت پر تھا آپ ﷺ نے اصحاب کی صف بندی خالص حربی انداز سے کی۔مضبوط و توانا لوگوں کو آگے رکھا تاکہ پیچھے کے لوگ ہمت نہ ہاریں اور جوش و ولولہ محسوس کریں۔آپ ﷺ نے ساتھیوں کی حوصلہ افزائی کی اور صبر و برداشت کی تلقین کی۔آپ ﷺ نے لشکر کے لیے جنگی نقطۂ نظر سے میدانِ جنگ کا سب سے بہتر

پشت کی جانب سے حملے کا خدشہ تھا لہٰذا آپ ﷺ نے پچاس تیر اندازوں کا ایک دستہ حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں کوہ اُحد کے عقب میں ایسی جگہ کھڑا کیا جہاں سے دشمن کے اقدام کو روکا جا سکتا تھا ان تیر اندازوں کے باعث عقب بالکل محفوظ ہو گیا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے ان تیر اندازوں کو سختی سے حکم دیا کہ چاہے مسلمانوں کی فتح بھی ہو جائے تب بھی آپ نے اپنی جگہ سے نہیں ہلنا ہے۔

قال لا تبرحوا ان رأیتمونا ظھرنا علیھم فلا تبرحوا وان رأیتموھم ظھرو علینا فلا تعینونا (۴۰)

صفی الدین مبارک پوری نے اس غزوہ میں نبی کریم ﷺ کی ترتیب و تنظیم کو یوں بیان کیا ہے:

> ''آپ ﷺ نے پہاڑ کی بلندیوں کی اوٹ لے کر اپنی پشت اور دایاں بازو محفوظ کر لیا اور بائیں بازو سے دورانِ جنگ جس واحد شگاف سے حملہ کر کے پشت تک پہنچا جا سکتا تھا اسے تیر اندازوں کے ذریعے بند کر دیا اور پڑاؤ کیلئے ایک اُونچی جگہ منتخب فرمائی کہ اگر خدانخواستہ کو راستہ شکست سے دوچار ہونا پڑے تو بھاگنے اور تعاقب کنندگان کی قید میں جانے کی بجائے کیمپ میں پناہ لی جا سکے۔'' (۴۱)

قریش کو بدر میں مسلمانوں کی حربی حکمت عملی کا اندازہ ہو چکا تھا لہٰذا اب انہوں نے بھی نہایت ترتیب سے صف آرائی کی۔ سواروں کا دستہ صفوان بن اُمیہ کی کمان میں تھا جو قریش کا مشہور رئیس تھا، تیر اندازوں کے دستے الگ تھے جن کا افسر عبداللہ بن ابی ربیعہ تھا۔

سب سے پہلے مدینہ منورہ کا ایک مقبول شخص ابو عامر سامنے آیا اس کا تعلق قبیلہ اوس سے تھا اور یہ مدینہ سے آ کر مکہ بس گیا تھا۔ اس لیے اسے پورا یقین تھا کہ میرے ہم قوم مجھے دیکھتے ہی نبی کریم ﷺ کا ساتھ چھوڑ دیں گے لہٰذا اس نے میدان میں آ کر پکارا مجھ کو پہچانتے ہو؟ میں ابو عامر ہوں۔ انصار نے کہا، ہاں او بدکار! ہم تجھ کو پہچانتے ہیں خدا تیری آرزو بر نہ لائے۔ (۴۲)

جنگ میں آپ ﷺ کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ وحشی کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔

''وحشی ایک حبشی غلام تھا اس کے آقا نے وعدہ کیا کہ اگر وہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو قتل کر دے تو آزاد کر دیا جائے گا وہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی تاک میں تھا، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ برابر آئے تو اس نے ایک چھوٹا سا نیزہ جس کو مربہ کہتے ہیں اور جو حبشیوں کا خاص ہتھیار ہے۔ پھینک کر مارا جو ناف کے پار ہو گیا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے حملہ کرنا چاہا لیکن وہ لڑکھڑا کر گر پڑے اور رُوح پرواز کر گئی۔'' (۴۳)

اس شہادت سے مسلمانوں کو شدید جھٹکا لگا لیکن ان کے عزم وثبات واستقلال میں ذرا بھی فرق نہ آیا اور وہ برابر لڑائی میں مشغول رہے مشرکین کا لشکر ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں جاتا رہا ابو عامر کا بیٹا حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ اسلام قبول کر چکا تھا مگر اسے آپ ﷺ نے اپنے باپ پر تلوار اُٹھانے کی اجازت نہ دی آپ ﷺ نے میدانِ جنگ میں بھی اس بات کو گوارہ نہ کیا کہ بیٹا باپ پر تلوار اُٹھائے۔

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ نے اب ابوسفیان پر حملہ کیا اور قریب تھا کہ ابوسفیان کا کام تمام ہو جائے کہ شداد بن الاسود نے پلٹ کر ان پر حملہ کیا اور انہیں شہید کر دیا تاہم لڑائی کا پلہ ابھی تک مسلمانوں کی جانب ہی تھا قریش کے خاص گروہ بنی عبدالدار کے نو افراد مارے گئے اور بے پناہ حملوں سے قریش منتشر ہو گئے ان کی فوج کے پاؤں اُکھڑ گئے اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا لیکن وہ بہت دور نکل چکے تھے۔ قریش اب پسپا ہو چکے تھے اور مسلمانوں کو اپنی فتح کا یقین ہو چکا تھا لہٰذا اب ان کو غنیمت کا خیال پیدا ہوا اور وہ اسے سمیٹنے میں مشغول ہو گئے یہ صورتِ حال دیکھ کر پشت کی جانب مقرر محافظین بھی غنیمت کی جانب بڑھے حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ نے بہت روکا مگر وہ نہ رکے ان کی رائے یہی تھی کہ اب چونکہ مقصد حاصل ہو چکا ہے لہٰذا یہاں ٹھہرنا بے کار ہے چنانچہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کی ہدایت کو بھی فراموش کر دیا اور اپنی جگہ چھوڑ دی صرف دس افراد اپنی جگہ سے نہیں ملے جنہیں خالد بن ولید (جو اس وقت قریش کے لشکر میں شامل تھے) نے بڑی آسانی سے پسپا کر کے قریش کو پکارا کہ میں نے عقب سے گھیرا ڈال لیا ہے یہ صدا سنتے ہی قریش کا شکست خوردہ لشکر تیزی سے پلٹا اور حملہ آور ہو گیا۔

دفاع بھی دشوار ہو گیا تھا۔ بدحواسی میں دونوں فوجیں یوں گھتم گھتا ہوئیں کہ خود مسلمانوں کے ہاتھوں مسلمان مارے گئے۔ یہ بالکل غیر متوقع صورتِ حال تھی اور اب نبی کریم ﷺ کے پاس مسلمانوں کی بہت تھوڑی سی تعداد رہ گئی تھی، آپ ﷺ کے ہمراہ صرف نو صحابۂ کرام ؓ تھے۔

اب آپ ﷺ کے سامنے دو ہی راستے تھے یا تو آپ ﷺ اپنے رفقاء کے ساتھ بھاگ کر کسی محفوظ جگہ چلے جاتے اور اپنے لشکر کو جو کہ اب نرغے میں آیا ہی چاہتا تھا اس کی قسمت پر چھوڑ دیتے یا اپنی جان خطرے میں ڈال کر صحابۂ کرام ؓ کو بلاتے اور ان کی ایک متعد بہ تعداد اپنے پاس جمع کر کے ایک مضبوط محاذ تشکیل دیتے اور اسکے ذریعے مشرکین کا گھیراؤ توڑ کر اپنے لشکر کیلئے اُحد کی بلندی تک جانے کا راستہ بناتے۔(۴۴)

آپ ﷺ نے دوسرا فیصلہ کیا اور صحابہ کو مجتمع کرنے پر توجہ دی۔ مشرکین میں سے کسی ایک نے ایک پتھر آپ ﷺ پر پھینکا جو آپ ﷺ کے چہرۂ مبارک پر جا لگا آپ ﷺ کی ناک مبارک زخمی ہوگئی اور دانداں مبارک شہید ہو گئے۔ آپ ﷺ اپنے منہ سے خون پونچھتے جاتے اور فرماتے تھے کہ جس قوم نے اپنے نبی کا چہرہ خون سے رنگین کیا ہو وہ کیونکر فلاح پا سکتی ہے۔

فقال کیف یفلح قوم شجّوا نبیّھم (۴۵)

ترجمہ: ''فرمایا جس قوم نے اپنے نبی کا چہرہ خون سے رنگین کیا ہو وہ کیونکر فلاح پا سکتی ہے۔''

اس موقع پر آیتِ مبارکہ نازل ہوئی:

لَیۡسَ لَکَ مِنَ الۡاَمۡرِ شَیۡءٌ اَوۡ یَتُوۡبَ عَلَیۡھِمۡ اَوۡ یُعَذِّبَھُمۡ فَاِنَّھُمۡ ظٰلِمُوۡنَ o (۴۶)

ترجمہ: ''(اے پیغمبر) اس کام میں تمہارا کوئی اختیار نہیں (اب دو صورتیں ہیں) یا خدا ان کے حال پر مہربانی کرے یا انہیں عذاب دے کہ یہ ظالم لوگ ہیں۔''

جھک گئے اب جو بھی تیر آتا ان کی پیٹھ پر جا لگتا حضرت طلحہ ؓ نے تلواروں کو ہاتھ پر روکا۔ بے درد قوم آپ ﷺ پر حملہ میں مصروف تھی اور آپ ﷺ کی زبان پر یہ الفاظ تھے۔

رب اغفر قومی فانّھم لا یعلمون (۴۷)

ترجمہ: ''اے اللہ میری قوم کو بخش دے یہ بے علم ہیں۔''

گویا آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے سفارش کی کہ چونکہ یہ نادان قوم ہے لہٰذا بجائے سزا کے ان کو معاف کر دے، اور یہ کسی بھی انسان کے وسعت قلب کی انتہا ہے کہ جو اس پر پتھر برسا رہا، ظلم ڈھا رہا ہو، عین اسی وقت وہ اس کی فلاح کی دُعا کرے کوئی عام شخص اتنے بڑے ظرف کا مظاہرہ نہیں کر سکتا یہ صرف ایک نبی کی ہی شان ہو سکتی ہے۔

مسلمانوں کو چونکہ غیر یقینی صورتِ حال کا سامنا کرنا پڑا جس کے باعث ان میں ہلچل مچ گئی اور وہ اتھل پتھل اور بد نظمی کا شکار ہو گئے ان کی سفیں بھی منتشر ہو گئی بعض لوگوں نے جنوب کی جانب راہ فرار لی اور مدینہ پہنچ گئے بدحواسی کا یہ عالم تھا کہ اپنے پرائے کی تمیز نہ رہی حضرت حذیفہ ؓ کے والد پر اس کشمکش میں مسلمانوں کی ہی تلواریں برس پڑیں۔ مسلمانوں کے لیے سب سے پریشان کن بات یہ تھی کہ نبی کریم ﷺ کی کوئی خبر نہ مل رہی تھی اور ہر جانب یہ افواہ پھیل گئی کہ آپ ﷺ شہادت پا گئے ہیں۔

مولانا شبلی نعمانی نے لکھا ہے کہ:

> ''مصعب شکل اور وضع قطع میں رسول ﷺ سے مشابہ اور علم بردار تھے ابن قمیہ نے ان کو شہید کر دیا اور غل مچ گیا کہ آپ ﷺ نے شہادت پائی۔'' (۴۸)

صفی الرحمٰن مبارک اپنی کتاب سیرۃ النبی ﷺ میں لکھتے ہیں کہ:

> ''یہ خبر تیزی سے پھیل گئی جس کے نتیجے میں مشرکین کا دباؤ کم ہو گیا کیونکہ ان کے خیال میں اب ان کا مقصد پورا ہو چکا تھا۔'' (۴۹)

گئے، جوش سرد پڑ گیا اور وہ ٹوٹ کر رہ گئے، مزید مقابلے سے ہاتھ روک دیے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کے چچا ابن نضر لڑتے بھڑتے موقع سے آگے نکل گئے۔ دیکھا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مایوس ہو کر ہتھیار پھینک دیے، پوچھا یہاں کیا کرتے ہو؟ بولے اب لڑ کر کیا کریں گے رسول ﷺ نے تو شہادت پالی ابن نضر نے کہا ان کے بعد ہم جی کر کیا کریں گے یہ کہہ کر فوج میں گھس گئے اور لڑ کر شہادت پائی۔(۵۰)

نبی کریم ﷺ کی وفات سے مسلمانوں میں بہت بے چینی اور افراتفری پھیل گئی تھی اس پر سورۂ آل عمران میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ج قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ط
اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ o(۵۱)

ترجمہ: ''اور محمد (ﷺ) تو صرف خدا کے پیغمبر ہیں۔ان سے پہلے بھی بہت سے پیغمبر گزرے ہیں۔بھلا اگر یہ مر جائیں یا مارے جائیں تو تم اُلٹے پاوں پھر جاؤ گے؟۔''

ابوالاعلیٰ مودودیؒ لکھتے ہیں کہ:

''منافقین نے یہ کہنا شروع کر دیا تھا کہ چلو عبداللہ بن ابی سلول کے پاس چلیں تا کہ وہ ابوسفیان سے ہمارے لیے امان لے دے اور بعض نے یہاں تک کہہ دیا کہ اگر محمد اللہ کے رسول ہوتے تو قتل کیسے ہوتے چلو اب دین آبائی کی طرف لوٹ چلیں انہیں باتوں کے جواب میں ارشاد ہو رہا ہے کہ اگر تمہاری حق پرستی، محض محمد ﷺ کی شخصیت سے وابستہ ہے اور تمہارا اسلام ایسا سُست بنیاد ہے کہ محمد ﷺ کے دنیا سے رخصت ہوتے ہی تم اسی کفر کی جانب پلٹ جاؤ

نہیں ہے۔'' (۵۲)

جانثارانِ خاص ابھی بھی مایوس نہیں ہوئے تھے اور لڑائی جاری رکھی ساتھ ہی ان کی نظریں نبی کریم ﷺ کو ڈھونڈ رہی تھیں۔ اچانک حضرت کعب رضی اللہ عنہ کی نظر آپ ﷺ پر پڑی اور انہوں نے پکار کر سب مسلمانوں کو یہ خوش خبری سنائی۔ آپ ﷺ گھاٹی کی جانب چلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، طلحہ بن عبید اللہ، زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ، اور بعض دوسرے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کے ساتھ تھے، پہاڑ کی چوٹی تک پہنچ گئے۔ ابوسفیان نے سامنے کی پہاڑی پر چڑھ کر آپ ﷺ کو پکارا جواب نہ ملا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو پکارا یہاں سے بھی جواب نہ ملا تو پکار اُٹھا کہ سب مارے گئے ہیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ضبط نہ ہوسکا اور بول اُٹھے۔

یا عدّو اللّٰہ ابقی اللّٰہ علیک ما یخزِنکَ (۵۳)

ترجمہ: ''اے دشمن خدا ہم سب زندہ ہیں۔''

ابوسفیان نے کہا کہ آج کا دن بدر کے دن کا جواب ہے اور یہ کہ فوج کے لوگوں نے مسلمانوں کے مردوں کے ناک کان کاٹ لیے اگر چہ میں نے انہیں اس کا حکم نہیں دیا لیکن مجھے کوئی رنج بھی نہیں ہوا جب دونوں فوجیں میدان سے الگ ہوئیں تو مسلمان زخموں سے چور تھے اور انکے ستر آدمی مارے جاچکے تھے اتنے ہی افراد بدر کے میدان میں کفار کے مرے تھے۔ چنانچہ قرآن مسلمانوں سے یوں مخاطب ہے:

اَوَ لَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ۭ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ۝ (۵۴)

ترجمہ: ''اور یہ تمہارا کیا حال ہے؟ کہ جب تم پر مصیبت پڑی تو تم کہنے لگے کہ یہ کہاں سے آئی؟ حالانکہ اس سے دگنی مصیبت تمہارے ہاتھوں (فریق مخالف) پر پڑ چکی ہے۔ کہو کہ مصیبت تمہاری اپنی لائی ہوئی ہے۔''

خلاف کام کیا اور مال کی طمع میں مبتلا ہو کر امیر کے حکم کی خلاف ورزی کی، اور اب کہتے ہو کہ شکست کیوں ہوئی۔

نتائج : اسباب

جنگِ اُحد میں مسلمانوں کو جو ہزیمت اُٹھانی پڑی اس میں منافقین کی تدبیروں کا عمل دخل تو تھا ہی لیکن مسلمانوں کی اپنی بھی کچھ کوتاہیاں اور کمزوریاں تھیں ان کمزوریوں کا پایا جانا فطری امر تھا کیونکہ اپنے عقیدہ و مسلک کی حمایت میں لڑنے کا ابھی دوسرا ہی موقع تھا یہی وجہ ہے انہوں نے بہت جلد صبر و تقویٰ کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیا، اور یہی صبر مومن کی کنجی اور تقویٰ مومن کی فتح ہے جس سے پہلو تہی کے باعث مسلمانوں کو فتح حاصل ہو جانے کے بعد ہزیمت اُٹھانی پڑی۔

مولانا ابوالکلام آزادؒ صبر کی تعریف میں لکھتے ہیں:

> ''صبر سے مقصود یہ ہے کہ مشکلات و مصائب کا مقابلہ ہمت و ثابت قدمی کے ساتھ کیا جائے۔ تقویٰ سے مراد ہے کہ احتیاط و پرہیزگاری کی رُوح پیدا ہو۔ جنگِ بدر کے موقع پر یہ دونوں قوتیں موجود تھیں اس لیے مسلمانوں کی مٹھی بھر تعداد نے دشمن کی بڑی تعداد کو شکست دیدی لیکن اُحد کے میدان میں مسلمانوں کے ایک گروہ نے کمزوری دکھائی وہ صبر و تقویٰ کی آزمائش میں پورا نہ اُترا نتیجتاً نقصان ہوا۔'' (۵۵)

دوسرا سبب یہ تھا کہ کل ایک ہزار کے لشکر میں سے تین سو منافقین ابتداء میں ہی الگ ہو گئے اور جو سات سو افراد باقی تھے ان میں بھی منافقین کی ایک پارٹی شامل تھی جو مارِ آستین ثابت ہوئی ان لوگوں نے ذرا سی آزمائش میں ہی اپنا اصل روپ دکھانا شروع کر دیا اور واپس قریش کی جانب پلٹنے کی تیاریاں کرنے لگے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَo(۵۶)

ترجمہ: ''مومنو! اگر تم کافروں کا کہا مان لو گے تو وہ تم کو اُلٹے پاؤں پھیر کر (مرتد) کردیں گے پھر تم بڑے خسارے میں پڑ جاؤ گے۔''

نبی کریم ﷺ نے جس گھاٹی پر تیراندازوں کی یہ جماعت مختص کی تھی وہ بڑی اہمیت کی حامل تھی اسی لیے آپ ﷺ نے ان لوگوں کو خصوصی ہدایت فرمائی کہ کسی بھی صورت میں اپنی جگہ سے نہیں ہلنا، چاہے مسلمانوں کی فتح ہوتے دیکھو یا شکست، لیکن مسلمانوں کی فتح کو دیکھ کر وہ لوگ اس ہدایت کو بھلا بیٹھے اور ان کی اسی بھول کا دشمن نے فائدہ اُٹھایا جس سے میدان کا نقشہ بدل کر رہ گیا۔

ارشادِ الٰہی نازل ہوا:

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّo(۵۷)

ترجمہ: ''اور کبھی نہیں ہوسکتا کہ پیغمبر (خدا) خیانت کرے۔''

اس کی وضاحت میں مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے لکھا ہے کہ:

''ارشادِ الٰہی کا مطلب یہ ہے کہ جب تمہاری فوج کا کمانڈر خود اللہ کا نبی تھا اور سارے معاملات اس کے ہاتھ میں تھے تو تمہارے دل میں یہ اندیشہ کیسے ہوا کہ نبی کے ہاتھ میں تمہارا مفاد محفوظ نہ ہوگا۔''(۵۸)

اس غزوہ سے ثابت ہوا کہ کمانڈر کے آرڈر کی بے چوں وچرا تعمیل جنگی ضابطہ اخلاق میں سب سے بڑی چیز ہے اسے بجا طور پر عسکری رُوح سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ گویا اُحد میں حسبِ توقع نتائج برآمد نہ ہونے کا سبب ڈسپلن کی خلاف ورزی تھا اور اس میں مسلمانوں کے لیے ایک سبق بھی پوشیدہ تھا تاکہ وہ آئندہ اس طرح کی غلطی کے مرتکب نہ ہوں۔

غزوہ اُحد صرف میدان کی جنگ نہ تھی بلکہ یہ قلب وضمیر کی جنگ تھی اس جنگ کا میدان بہت وسیع تھا، یہ میدان تھا نفس انسانی کا، اس کے تصوّرات وجذبات کا، مفادات اور خواہشات کا۔ پہلے مسلمانوں کو فتح ہوئی، پھر شکست ہوئی اور اس فتح وشکست کے بعد پھر عظیم الشان فتح حاصل ہوئی۔ یہ فتح ان حقائق کے ادراک کی تھی جنھیں خود قرآن نے واضح کیا مثلاً یہ کہ مسلمانوں میں موجود منافقین بڑی حد تک مخلص مسلمانوں سے متمیز ہو گئے یوں قول وفعل اور فکر وعمل کی روش میں نفاق اور مخلصانہ ایمان کی صفات و علامات واضح ہو کر سامنے آ گئیں اس موقع پر اور بھی بہت سی باتیں مسلمانوں کے سامنے آ گئیں۔ مثلاً معرفت حق کی استعداد، یکسوئی واخلاص، تنظیم کی صلاحیت، اطاعت واتباع کا التزام، فتح وشکست، موت وحیات ہر معاملہ میں اللہ پر کامل بھروسہ اور تمام اُمور کو اسی سے وابستہ اور اسی کے حوالے کرنا۔

مسلمانوں کی صف میں جو نقائص، کمزوریاں، بگاڑ اور کھوٹ سامنے آئے اور نتیجہ میں انہیں ناکامی کا سامنا کرنا پڑا اس کے پیچھے جو خدائی تدبیر تھی اس میں مسلمانوں کے لیے خیر ہی خیر تھی۔ اس سے اُمتِ مسلمہ کو عبرت وموعظت، تربیت، بیداری، پختگی، منافق اور صادق الایمان لوگوں میں فرق، اور نظم وضبط کے فوائد کی آگاہی حاصل ہوئی اور بعد کے لیے تجربات، حقائق اور ہدایت کا باقی وقائم رہنے والا سلسلہ قائم ہوا۔

اسلامی تحریک میں جنگی معرکہ صرف ہتھیاروں، سواروں، پیادوں، ساز وسامان اور جنگی تدابیر کا معرکہ نہیں ہوتا بلکہ اس معرکہ کا گہرا اور مضبوط تعلق وربط دل کی صفائی، خلوص ویکسوئی سے ہے اور معرکہ جنگ میں اسی وقت فتح سے ہمکنار ہوا جا سکتا ہے جبکہ فکر وشعور اور اخلاق کے معرکوں میں فتح حاصل ہو جائے۔

چنانچہ ارشادِ الٰہی نازل ہوا:

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۙ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ۚ وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝ (۵۹)

دو جماعتیں ایک دوسرے سے گتھ گئیں (جنگ سے) بھاگ گئے تو
ان کے بعض اسباب کے سبب شیطان نے ان کو پھسلا دیا۔ مگر خدا
نے ان کا قصور معاف کیا بے شک خدا بخشنے والا بردبار ہے۔''

اس آیت میں ان تیراندازوں کی جانب اشارہ ہے جن کے نفوس تھوڑی دیر کو بہک گئے تھے۔

جنگ کا دوسرا راؤنڈ مخالفین کے ہاتھ میں رہا، مسلمانوں کا جانی نقصان بھی زیادہ ہوا لیکن نہ تو مخالفین مسلمانوں کے کیمپ پر قابض ہو پائے اور نہ ہی شدید افراتفری کے باوجود مسلمانوں نے مکمل طور پر اپنی جگہ چھوڑی۔ قابلِ غور بات ہے کہ قریش نے موقع سے بھرپور فائدہ اُٹھاتے ہوئے مسلمانوں کو زک تو پہنچائی لیکن اس کے بعد اسلامی لشکر کو مکمل طور پر نرغے میں لیے بغیر ہی واپس پلٹ گئے لہٰذا اسے غیر فیصلہ کن جنگ ہی کہا جا سکتا ہے کیونکہ پہلے مرحلے میں مسلمانوں کی فتح ہوئی، دوسرے مرحلے میں قریش حاوی رہے اور تیسرے مرحلے کی نوبت ہی نہ آئی نیز اس موقع پر یہ بھی واضح ہو گیا کہ غزوۂ بدر کے نفسیاتی اثرات ابھی تک قریش پر حاوی تھے کیونکہ دوسرے مرحلے میں بھرپور کامیابی کے باوجود قریشِ مکہ نے میدانِ جنگ میں مزید ایک دو دن قیام کرنے کی ہمت نہ کی جو عموماً اس زمانے میں فاتحین کا دستور تھا، اس کے برعکس انہوں نے مسلمانوں سے پہلے ہی میدان خالی کر دیا نیز کوئی رکاوٹ موجود نہ ہونے کے باوجود مدینہ کے اندر داخل ہونے کی جرأت نہ کر سکے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے ذہنوں پر دباؤ اور دلوں کا خوف ابھی بھی باقی تھا۔

فتح و شکست دونوں صورتوں میں دراصل مسلمانوں کی آزمائش مقصود تھی کیونکہ اللہ تعالیٰ دراصل اس اُمت کی تربیت فرما رہا تھا جو ابھی انسانیت کی قیادت کے لیے تیاری کے اوّلین مرحلے میں تھی اس لیے فراخی و نرمی سے آزمانے کے بعد شدید حالات سے اس کی آزمائش کی گئی، یقیناً اللہ سبحانہ تعالیٰ اس بات پر قادر تھا کہ اپنے نبی، اپنی دعوت کو پہلے ہی لمحہ فتح سے نواز دیتا لیکن معاملہ فتح و شکست کا نہیں بلکہ اُمت کی تربیت کا تھا تاکہ وہ اس سے سبق حاصل کر کے آئندہ بہترین پرفارمنس کا مظاہرہ کر سکیں۔ چونکہ

اور یہ قیادت راشدہ اس بات کی متقاضی تھی کہ اس کے قائدین اعلیٰ استعداد کے حامل ہوں۔ قیادت کا اوّلین تقاضا کردار کی مضبوطی، حق پر ثبات، استقامت اور مشکلات پر صبر ہے۔

اُحد کے بعد کی جنگی سرگرمیاں

اُحد کے معرکے میں اہلِ مکہ نے مسلمانوں کو ابتلا کا شکار دیکھا تو انہوں نے اس موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے ایک بار پھر پلٹ کر مدینہ منوّرہ پر کاری ضرب لگانے کی ٹھانی۔ چنانچہ ۵ شوال ۳ھ کو کفار اس غرض کیلئے روانہ ہوئے۔ مسلمانوں کو اس کی خبر ہوگئی کہ کفار واپسی کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اب صحابہؓ کرام ؓ آپ ﷺ کی رہنمائی میں ایک با پھر ایک نئے جوش وولولے کے ساتھ مقابلے کے لیے روانہ ہوئے اور شدید تکلیف کے باوجود جس طرح اللہ اور رسول ﷺ کی فرمانبرداری کا راستہ اختیار کیا اس کا ذکر اللہ ربّ العزت نے یوں فرمایا:

فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ
وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ۝ (٦٠)

ترجمہ: ''پھر وہ خدا کی نعمتوں سے اور اس کے فضل کے ساتھ (خوش وخرم) واپس آئے ان کو کسی طرح کا ضرر نہ پہنچا۔''

آپ ﷺ نے مدینہ منوّرہ سے آٹھ میل دور مقام حمراسد تک دشمن کا تعاقب کیا اور وہیں تین دن تک قیام فرمایا اسی باعث یہ غزوہ حمراالاسد کہلایا۔ ابوسفیان قبیلہ خزاعہ کے رئیس کے کہنے پر راستے سے ہی پلٹ گیا یوں بغیر کسی معرکہ آرائی کے آپ ﷺ مدینہ واپس لوٹ آئے۔

غزوہ بنی نضیر

صفر ۴ھ میں مسلمانوں کی ستر افراد پر مشتمل ایک جماعت دعوت اسلامی کے لیے اہلِ نجد کی طرف روانہ کی گئی۔ اس جماعت کو بنی عامر کی زمین بیئر معونہ کے مقام پر عامر بن طفیل نے دیگر قبائل کے ساتھ

کو اس کی خبر ہوئی کہ عامر بن طفیل کا تعلق قبیلہ بنی سعد سے ہے تو اس نے عمرو بن اُمیہ کو چھوڑ دیا رہائی پانے کے بعد آپ واپس جا رہے تھے کہ راستے میں قرقرہ کے مقام پر آپ نے بنی عامر کے دو افراد کو مار ڈالا چونکہ وہ بنی عامر کے ساتھ کسی قسم کے معائدے سے بے خبر تھے۔ جب آپ ﷺ کو اس قتل کی خبر ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

لقد قتلت قتلتين لأديتهم(٦١)

ترجمہ: ''تم نے ایسے دو افراد کو قتل کیا ہے جن کی دیت مجھے ضرور دینی ہے۔''

آپ ﷺ ان افراد کی دیت کے بابت تعاون حاصل کرنے کی غرض سے بنی نضیر کے پاس گئے جنہوں نے آپ ﷺ کو مدد کا پورا یقین دلایا مگر پس پردہ آپ ﷺ کے قتل کی سازش شروع کر دی۔ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ ان کے سردار نے کہا:

من يعلوا لهذا البيت فيلقي عليه صكرة فيقتله و يريحنا منه ؟(٦٢)

ترجمہ: ''کون شخص یہ کام کرے گا کہ گھر کے اوپر جائے اور وہاں سے آپ ﷺ کے اوپر پتھر کی چٹان گرا دے اور یوں ہم کو ان سے نجات دلائے۔''

عمرو بن جحاش نامی ایک یہودی نے خود کو اس کام کے لیے پیش کیا۔ آپ ﷺ کو ان کی حرکات و سکنات سے کچھ شک پیدا ہوا لہٰذا آپ ﷺ کسی حاجت کے بہانے وہاں سے اُٹھے اور تن تنہا مدینہ واپس لوٹ گئے آپ ﷺ نے صحابہ کرام ﷺ سے فرمایا کہ یہودیوں نے میرے قتل کا ارادہ کر رکھا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے مجھے ان کے منصوبے سے باخبر کر دیا۔ آپ ﷺ نے محمد بن مسلمہ کو اپنے حضور طلب کیا اور فرمایا:

اذاهب الى يهود فقل لهم اخرجوا من بلادى فلا تساكنونى و قد هممتم بما هممتم به من القدر(٦٣)

اس لیے اب میرے علاقے سے نکل جاؤ اور میرے قریب نہ رہو۔''

یہودی نقضِ عہد کے مرتکب ہوئے تھے کیونکہ انہوں نے اپنے فریقِ معائدہ اور اسلامی ریاست کے صدر کو قتل کرنے کی سازش کی تھی جو کھل کر سامنے آ گئی اسکے بعد آپ ﷺ نے ان کو دس دن کا نوٹس دیا کہ اس مدت میں مدینہ چھوڑ کر نکل جاؤ ورنہ جنگ کیلئے تیار ہو جاؤ یہ نوٹس قرآن حکیم کے اس حکم کے مطابق تھا۔

وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ط اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ o (۶۴)

ترجمہ: ''اور اگر کسی قوم سے دغا بازی کا خوف ہو تو (ان کا عہد) انہیں کی طرف پھینک دو (اور برابر کا جواب دو) کچھ شک نہیں کہ خدا دغابازوں کو دوست نہیں رکھتا۔''

بنی نضیر کو اپنے قلعہ کے استحکام پر بہت فخر تھا اور خود کو ہر لحاظ سے محفوظ سمجھتے تھے ساتھ ہی عبداللہ بن ابی سلول کی جانب سے بھی حوصلہ افزائی ہو گئی کیونکہ اس نے کہلا بھیجا کہ تم لوگ مسلمانوں کی شرط ہرگز تسلیم نہ کرو، میرے پاس دو ہزار مردانِ جنگی ہیں جو تمہارے ساتھ تمہارے قلعوں میں داخل ہوں گے چنانچہ حیَی بن اخطب نے جدی بن اخطب کو آپ ﷺ کے پاس اس پیغام کے ساتھ بھیجا کہ:

انا لا نریم دارنا فاصنع ما بدئک (۶۵)

ترجمہ: ''ہم تو اپنے وطن سے نہیں نکلتے اب تم سے جو ہو سکے کرو۔''

آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہودیوں نے اعلانِ جنگ کر دیا ہے اور اصحاب کے ہمراہ ان کی طرف بڑھے، بنی نضیر کے میدان میں نمازِ عصر ادا کی اور ان کے قلعوں کا محاصرہ کر دیا۔ محاصرہ کو پندرہ دن گزر گئے تو بنی نضیر نے اس شرط پر صلح کر لی کہ انہیں قتل نہ کیا جائے اور تمام مال و اسلحہ بلاشک لے لیا جائے مگر آپ ﷺ نے ان سے جلاوطنی کی شرط پر صلح قبول کی اور انہیں اجازت دی کہ اسلحہ کے علاوہ جتنا وزن اونٹ لاد سکیں وہ لے جائیں جبکہ ابن سعد کا بیان ہے کہ انہیں فوراً بے سروسامان نکال دیا گیا۔

ترجمہ: ''آپ ﷺ نے ان کے مالوں اور زرہوں پر قبضہ کر دیا۔''

ابن سعد نے لکھا ہے کہ وہ جلاوطنی پر راضی ہو گئے اور کہا کہ:

أن یجلیھم و یکف عن دمائھم علٰی أن لھم ما حملت الِا
ھل من الاموال الا السلاح فأ جا بھم الیٰ ذالک (۶۷)

ترجمہ: ''کہ اتنی اجازت دی جائے کہ جو مال و اسباب ہتھیاروں کے علاوہ وہ اپنے اونٹوں پر لاد سکیں اپنے ساتھ لے جائیں آپ ﷺ نے ان کی درخواست کو قبول فرمایا۔''

مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے تفہیم القرآن میں لکھا ہے کہ:

''رسول اللہ ﷺ سے انہوں نے اس شرط پر صلح کی کہ ہماری جانیں بخش دی جائیں اور ہمیں اجازت دی جائے کہ ہتھیاروں کے علاوہ جو کچھ بھی ہم اُٹھا کر لے جا سکتے ہیں لے جائیں، تو چلتے ہوئے وہ دروازے اور کھڑکیاں اور کھونٹے تک اُٹھا کر لے گئے حتیٰ کہ بعض لوگوں نے شہتر اور لکڑی کی چھتیں تک اپنے اونٹوں پر لاد دیں۔'' (۶۸)

اس کے بعد آیت نازل ہوئی:

وَظَنُّوْا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا وَ قَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ وَ اَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ ق فَاعْتَبِرُوْا يٰۤاُولِي الْاَبْصَارِ ۝ (۶۹)

ترجمہ: ''وہ لوگ سمجھے تھے کہ ان کے قلعے ان کو خدا (کے عذاب) سے بچا لیں گے مگر خدا نے ان کو وہاں سے آ لیا جہاں سے ان کو گمان بھی نہ

خود اپنے ہاتھوں اور مومنوں کے ہاتھوں اُجاڑنے لگے۔''

وہ منافقین جن کی شہ پر بنو نضیر کی ہمت بڑھی تھی موقع آنے پر خیانت کے مرتکب ہوئے بالکل الگ تھلگ رہے اور منافقین کے کسی کام نہ آ سکے۔

قرآن کریم کا ارشاد ہے:

اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ نَافَقُوۡا يَقُوۡلُوۡنَ لِاِخۡوَانِهِمُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا مِنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ لَئِنۡ اُخۡرِجۡتُمۡ لَنَخۡرُجَنَّ مَعَكُمۡ وَلَا نُطِيۡعُ فِيۡكُمۡ اَحَدًا اَبَدًا ۙ وَّ اِنۡ قُوۡتِلۡتُمۡ لَنَنۡصُرَنَّكُمۡ ؕ وَاللّٰهُ يَشۡهَدُ اِنَّهُمۡ لَكٰذِبُوۡنَ ۝ (۷۰)

ترجمہ: ''کیا تم نے ان منافقوں کو نہیں دیکھا جو اپنے کافر بھائیوں سے جو اہلِ کتاب ہیں کہا کرتے ہیں کہ اگر تم جلا وطن کیے گئے تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکلیں گے اور تمہارے بارے میں کسی کی نہیں مانیں گے۔ مگر خدا ظاہر کیے دیتا ہے کہ یہ جھوٹے ہیں۔''

غزوہ ذات الرقاع

غزوہ بنی نضیر کے بعد آپ ﷺ نے ربیع الاوّل کا زمانہ مدینہ میں بسر کیا اور پھر غطفان کے قبائل بنو محارب اور بنو ثعلبہ سے مقابلہ کے لیے نجد روانہ ہوئے چونکہ ان قبائل کی جانب سے سرکشی کی اطلاعات آ رہی تھیں۔

ابن سعد نے لکھا ہے:

قدم قادم المدينة بحلب له فأخبر أصحاب رسول ﷺ أن أنماراً وثعلبه قد جمعوا لهم الجموع (۷۱)

اصحاب کو خبر کر دی کہ انمار و ثعلبہ نے مقابلے کے لیے کچھ گروہ جمع
کیے ہیں۔''

چنانچہ آپ ﷺ چار سو صحابہ کرام ؓ کے ہمراہ ذات الرقاع تک تشریف لے گئے* وہاں غطفان کی بڑی جمعیت سے آپ ﷺ کا سامنا ہوا مگر لڑائی نہ ہو سکی اور طرفین اپنی اپنی جگہ کھڑے رہے۔

اس غزوہ کی وجہ تسمیہ ابن کثیر نے یوں بتائی ہے:

سمیت بذلک لأجل جبل کانت الوقعه فیه سواد و
بیاض و حمزه (۷۲)

ترجمہ: ''یہاں ایک پہاڑ ہے جس کے حصے سیاہ وسفید، اور لال تھے۔''

ابن ہشام نے لکھا ہے:

انما قیل لها غزوة ذات الرقاع مالأنهم رقعوا فیها
رایاتهم (۷۳)

ترجمہ: ''اسے ذات الرقاع اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس غزوے کے وقت
جھنڈوں میں پیوند لگائے گئے تھے۔''

بہر حال اس موقع پر بھی آپ ﷺ قبیلہ اوس کے ساتھ مقابلہ کے لیے روانہ تو ہوئے لیکن مقابلہ نہیں ہوا لہٰذا اسے بھی کسی جنگ کہ زمرے میں شامل نہیں کیا جا سکتا۔

---

* اس غزوہ کے بابت مؤرخین میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے، ابن سعد کے مطابق یہ ہجرت کے ستائیسویں ماہ محرم میں پیش آیا۔ جبکہ ابن اثیر کے مطابق ربیع الاوّل، ابن کثیر نے بھی جمادی الاوّل کے بعد کا واقعہ قرار دیا طبری نے بعد جمادی الاوّل کا زمانہ بتایا ہے اور واقدی کا بیان ہے کہ محرم ۵ھ کو یہ غزوہ واقع ہوا۔

جنگ اُحد میں لڑائی کے بعد ابوسفیان نے کہا تھا کہ آئندہ لڑائی بدر میں ہوگی۔ چنانچہ آپ ﷺ ذات الرقاع سے واپسی کے ایک ماہ بعد شعبان کے مہینے میں تقریباً ایک ہزار لشکر کے ہمراہ مقام بدر پہنچے اور آٹھ روز تک ابوسفیان کا انتظار کیا جبکہ ابوسفیان دو ہزار سے متجاوز سالار فوج کے ہمراہ ظہران کے ایک جانب مقام مجنہ تک پہنچا اور وہیں رُک کر قریش سے خطاب کیا کہ:

یا معشر قریش، انه لا یصلحکم الّا عام خصیب ترعون فیه الشّجر ، و تشربون فیه اللبن ، و انّ عاحکم هذا عام جدب ، و انی راجع ، فارجعوا (۷۴)

ترجمہ: ''اے گروہ قریش ہریالی اور شادابی کا سال ہی تمہارے لیے بہتر رہ سکتا ہے اس میں تم اونٹوں کو درختوں کے پتے بھی کھلا سکو گے اور ان کا دودھ بھی پی سکو گے یہ سال تو قحط کا سال ہے اس لیے میں واپس ہو رہا ہوں تم بھی واپس چلو۔''

آٹھ دن کے انتظار کے بعد مسلمان بھی واپس ہو لیے اس کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ مدینہ کے اندر اور باہر ہر جانب جنگِ اُحد کے اثرات ہزیمت پوری طرح محو ہو گئے۔

غزوہ دومۃ الجندل

مسلمانوں سے مقابلہ کی غرض سے دومۃ الجندل کے مقام پر جمع گروہ کو منتشر کرنے کی غرض سے نبی کریم ﷺ ربیع الاوّل ۵ھ کو روانہ ہوئے لیکن مروّجہ مقام پر مسلمانوں کے پہنچنے سے پہلے ہی مخالفین کا گروہ منتشر ہو چکا تھا اس لیے مقابلے کی نوبت نہیں آئی اور مسلمان بلا جنگ ہی واپس مدینہ لوٹ گئے۔

بنوالمصطلق، مدینہ منوّرہ سے نو منزل پر واقع مقام مرسیع میں آباد قریش کے حلیف قبیلہ خزاعہ کا ایک خاندان تھا۔ اس خاندان کا سرغنہ حارث بن ابی ضرار تھا۔ اس شخص نے عربوں کو آپ ﷺ کے خلاف لڑنے کی دعوت دی جو انہوں نے قبول فرمائی۔ آپ ﷺ نے حضرت زید بن خصیب کو بھیج کر پہلے تصدیق کی پھر دس مہاجرین اور تیس انصار کے ہمراہ روانہ ہوئے اور ایک چشمہ بنام مریسیع میں جا کر رکے حارث اور اس کی جمعیت تو بغیر مقابلہ کے ہی فرار ہوگئی مگر مریسیع میں آباد مقامی لوگوں سے کچھ تصادم ہو گیا۔ بقول شبلی نعمانی۔

مسلمانوں نے دفعۃً حملہ کیا تو ان کے پاؤں اُکھڑ گئے دس آدمی مارے گئے، ان کی تعداد تقریباً چھ سو تھی۔ غنیمت میں دو ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بکریاں ہاتھ آئیں۔ (۷۵)

غزوۂ خندق

غزوۂ خندق یا احزاب ان اہم واقعات اور غزوات میں سے ایک ہے جن کے تاریخِ اسلام، دعوت اسلامی کے مستقبل اور اسلام کے پھیلاؤ میں بہت دوررس اثرات مرتب ہوئے ہیں یہ ایسی سخت آزمائش تھی جس کا تجربہ مسلمانوں کو اس سے قبل نہیں ہوا تھا۔

اس غزدہ کا اصل محرک یہود تھے جنہوں نے عرب کے تمام قبائل کو جمعیت کی شکل میں اِکٹھا کیا۔ بنی نضیر کے وہ لیڈر جنہوں نے مدینہ سے جلاوطنی کے بعد خیبر میں سکونت اختیار کر رکھی تھی قریشِ مکہ کے پاس اس تجویز کے ساتھ گئے کہ محمد ﷺ اور ان کے دین کو جڑ سے اُکھاڑنے کے لیے ایک باقاعدہ اتحاد تشکیل دیا جانا چاہیے، یہاں سے یہ گروہ متفقہ تجاویز کے ساتھ بنو غطفان کے پاس پہنچا اور انہیں آمادہ جنگ کیا۔ بنو سلیم نے بھی قریش سے قرابت داری کے باعث ساتھ نبھانے کا وعدہ کیا۔ اس طرح باقاعدہ ایک متحدہ فوجی معاندہ طے پایا جس کے تحت یہود اور عرب قبائل نے ایک مشترکہ لشکر تیار کیا جس کے اہم شرکا، یہود، قریش اور غطفان تھے لیکن اس کے علاوہ بھی کفار کی بہت سی جماعتیں شامل تھیں اسی لیے

قریش اپنے قائد ابوسفیان کے ساتھ اور اور قبیلہ غطفان اپنے تین سالاروں عینیہ بن حصن، حارث بن عوف، اور مسعر ابن اخیلہ کے ساتھ جنگ کے لیے نکل پڑے۔ ابن ہشام کے مطابق:

فی عشرہ الاف من احابشھم، و من تبعھم عن بنی کنانة و اھل تھامہ، و أقبلت غطفان و من تبعھم من اھل نجد(۷۶)

ترجمہ: ''ان کے ساتھ دس ہزار فوج تھی جو احابیش، بنو کنانہ اہل تہامہ اور اہل تہامہ میں سے ان کے پیروں پر مشتمل تھی، مسلمانوں کی تعداد تین ہزار تھی۔''

ابن سعد نے لکھا ہے:

و قادوا معھم ثلاثمائہ فرس، و کان معھم و ألف و خمسمائہ بعیر(۷۷)

ترجمہ: ''قریش اپنے ہمراہ تین سو گھوڑے اور پندرہ سو اونٹ لے چلے۔''

اگر یہ حملہ اچانک ہوتا تو یقیناً بہت ہی تباہ کن ثابت ہو سکتا تھا لیکن ہر قبیلہ میں مسلمانوں کے خبر رساں اور تحریک اسلامی کے ہمدرد بھی موجود تھے جنہوں نے قبل از وقت مسلمانوں کو تمام حالات سے آگاہ کیا جس کا مسلمانوں نے بہت سنجیدگی سے نوٹس لیا اور اپنی طرف سے تیاریاں شروع کر دیں لیکن لشکر اسلامی صرف تین ہزار مجاہدین پر مشتمل تھا جبکہ اتحادی اتنے بڑے لشکر کے ہمراہ مدینہ کی جانب روانہ ہوئے کہ اہل عرب نے پہلے کبھی اتنا بڑا لشکر دیکھا تک نہ تھا۔ نبی کریم ﷺ نے صحابۂ کرام ؓ سے مشورہ کیا کہ اتنے بڑے لشکر کا سامان کرنے کے لیے کیا حکمت عملی اپنائی جائے، عوام میں سے حضرت سلمان فارسی ؓ نے رائے دی کے مدینہ کے سامنے خندق کھودی جائے یہ ایرانیوں کی معروف حکمت عملی تھی جسے نبی کریم ﷺ نے پسند فرمایا۔

کے مشرق و مغرب میں بلند چٹانیں تھیں لہٰذا اس طرف سے حملے کا کم امکان تھا، شمال کی جانب کھلا میدان تھا۔ آپ ﷺ نے مدینہ کے شمال مغرب میں واقع میدان میں خندق کھودنے کا فیصلہ کیا کیونکہ باقی تین مقامات وہاں موجود مکانات اور گھنے نخلستان کے باعث نسبتاً کم خطرے کی زد میں تھے جبکہ شمالی سمت کھلی تھی جہاں سے حملے کا امکان تھا چنانچہ یہاں خندق کی کھدائی کا کام شروع ہوا۔

صفی الدین مبارک پوری لکھتے ہیں:

> ''چونکہ مدینہ شمال کے علاوہ باقی اطراف سے حرے (لاوے کی چٹانوں) پہاڑوں اور کھجوروں کے باغات سے گھرا ہوا ہے اور نبی کریم ﷺ ایک ماہر اور تجربہ کار فوجی کی حیثیت سے یہ جانتے تھے کہ مدینے پر اتنے بڑے لشکر کی یورش صرف شمال ہی کی جہت سے ہو سکتی ہے اس لیے آپ ﷺ نے صرف اسی جانب خندق کھدوائی۔'' (۷۸)

کھدائی کا کام آپ ﷺ نے مساوی طور پر مسلمانوں میں تقسیم کر دیا ابن اثیر کے مطابق:

جعل لکل عشرہ أربعین ذراعاً (۷۹)

ترجمہ: ''ہر دس آدمیوں سے چالیس ہاتھ زمین کی کھدائی مقرر فرمائی۔''

خندق کی کھدائی میں آپ ﷺ محض ہدایات دینے پر مامور نہیں رہے بلکہ بہ نفس نفیس شرکت کی اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ مل کر کام کیا۔ کسی قوم کا لیڈر خود عافیت کوش، آرام طلب اور اپنے مفادات کو ترجیح دینے والا ہو تو اس کے پیروؤں کا متنفر ہو جانا لازمی امر ہے مگر آپ نے پورے پروجیکٹ میں ہر مشقت دوسروں سے بڑھ کر برداشت کی۔ یہی وجہ ہے کہ سخت سردی کا موسم، غذا کی قلت، اور بھوک کی شدت کے باوجود عوام کی ہمت اور استقامت میں بھی کمی نہیں آئی۔

صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

خرج رسول ﷺ الی الخندق فاذا المهاجرين

یعلمون ذالک لھم مسلّماً راسی ما بھم من النصب والجوع قال: اللّھم انّ العیش، عیش الاخرۃ و أعغفر الانصار و المھاجر (۸۰)

ترجمہ: ''آپ ﷺ خندق کی طرف تشریف لے گئے تو ملاحظہ فرمایا کہ مہاجرین وانصار سردی میں خندق کھود رہے ہیں ان کے پاس ملازم نہیں تھے جب آپ ﷺ نے ان کی بھوک پیاس، مشقت و فاقہ دیکھا تو آپ ﷺ نے دعا کی اے اللہ زندگی تو بس آخرت کی زندگی ہے پس تو مہاجرین وانصار کی مغفرت فرما۔''

شمال سے خندق کا طول ساڑھے تین میل سے زیادہ تھا چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں سے رکاوٹوں کا کام لیا گیا خندق کی چوڑائی اور گہرائی کی درست کیفیت معلوم نہ ہوسکی لیکن یہ گہرائی اور چوڑائی ناقبل عبور تھی جسے نہ تو اسے پیدل لوگ عبور کر پائے اور نہ ہی سوار گھوڑوں کو اندر داخل کرنے میں کامیاب ہوسکے مسلمانوں نے اس قدر استقامت سے کھدائی کا کام کیا کہ لشکرِ جرار کے پہنچنے سے قبل ہی پروگرام کے مطابق خندق تیار ہوچکی تھی تاہم جب قریش وغطفان کا دل دہلا دینے والا لشکر آن موجود ہوا اور منافقین وکمزور دل لوگوں کی نظر اس لشکر پر پڑی تو ان کے دل واقعی دہل گئے۔

ارشادِ الٰہی ہے:

وَ اِذْ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اِلَّا غُرُوْرًا (۸۱)

ترجمہ: ''اور جب منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے کہنے لگے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے ہم سے محض دھوکے کا وعدہ کیا تھا۔''

اعلیٰ حضرت علی ؓ اور حضرت زبیر ؓ کو بنایا گیا خود آپ ﷺ نے جبل سلعے اور جبل رباب کے درمیان ایک ایسی جگہ خیمہ لگایا جہاں سے افواج کو دیکھ سکیں اور مجاہدین کو مناسب احکامات جاری کر سکیں۔

شوال ۵ ھ کو قریش کا ٹڈی دل لشکر مدینہ کے باہر پہنچ گیا حملے کے لیے ان کی راہ میں خندق حائل ہو گئی کیونکہ جنوب میں کثرت باغات کی وجہ سے حملہ ممکن نہ تھا اور مشرق و مغرب میں چٹانیں تھیں جہاں سے فوج کشی مشکل تھی جبکہ شمال سے خندق نے شہر کو محفوظ کر لیا تھا لہٰذا اب حملہ صرف اُحد کے مشرقی اور مغربی گوشوں سے ہو سکتا تھا۔ اس کے لیے اتحادیوں کو طویل عرصہ تک محاصرہ کرنا پڑا جس کے لیے وہ ذہنی طور پر تیار نہ تھے آخر کافی سوچ بچار کے بعد انہوں نے مسئلہ کا حل یوں نکالا کہ مدینہ شہر کے جنوب مشرق میں واقع مسلمانوں کے معائد قبیلہ بنو قریظہ کی جانب رجوع کیا اور انہیں اپنے ساتھ جنگ میں شامل ہونے کی دعوت دی تاکہ وہ مدینہ کے اندر جنگ چھیڑ دیں جس سے مسلمانوں کے لیے خندق کی نگرانی مشکل ہو جائے۔ اس قبیلہ کا مختار کعب بن اسد قرظی کافی پس و پیش کے بعد عہد شکنی پر آمادہ ہو گیا۔ بنو قریظہ سے چونکہ مسلمانوں کا معائدہ طے تھا اس لیے مسلمانوں نے اس جانب کوئی انتظام نہ کیا تھا لہٰذا جب ان تک یہ خبر پہنچی کہ بنو قریظہ نے بھی قریش سے الحاق کر لیا ہے تو ان میں اضطراب و بے چینی پھیل گئی اس آزمائش کے وقت میں ہر وہ شخص جس کے دل میں ذرّہ بھر بھی نفاق تھا اس کا پردہ چاک ہو گیا۔ اس معرکہ کی تصویر کشی قرآن حکیم میں یوں کی گئی ہے:

اِذْ جَآءُ وْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَ اِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَ تَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ۝ (۸۲)

ترجمہ: ”جب وہ تمہارے اوپر اور نیچے کی طرف سے تم پر (چڑھ) آئے اور جب آنکھیں پھر گئیں اور دل (مارے دہشت کے) گلوں تک پہنچ گئے اور تم خدا کی نسبت طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔“

تو پار نہ کر سکتے تھے لیکن دور سے تیر اور پتھر برساتے رہے۔

ابن اثیر نے لکھا ہے کہ:

و اَقامٍ رسول ﷺ والمشرکین علیه لضبعاً و عشرین لیلة قریباً من شھر، و لم یکن بین القوم حرب الّا الرمی (۸۳)

ترجمہ: ’’آپ ﷺ اپنی جگہ قائم رہے اور مشرک آپ ﷺ کے مقابلے میں بیس دن سے زیادہ بلکہ ایک ماہ تک ڈٹے رہے لیکن تیر اندازی کے علاوہ دست بدست جنگ نہ ہوئی۔‘‘

جب مخالفین کو کامیابی کی کوئی صورت نہ دکھائی دی تو طے یہ پایا کہ فوجیں یکجا کر کہ عام حملہ کیا جائے خندق کی نسبتاً کم عریض جگہ سے ایک شہسوار عمرو بن عبدود نے گھوڑا پار کر دیا اور اس کا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے معرکہ ہوا حملہ کا یہ دن بہت ہی سخت گزرا۔

اسی دوران قبیلہ غطفان کا ایک شخص نعیم بن مسعود آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوا کہ میں اسلام قبول کر چکا ہوں اور کسی کو اس بات کا ابھی تک علم نہیں آپ ﷺ مجھ سے کسی قسم کی خدمت لے سکتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم اکیلے آدمی ہو لہٰذا بہتر یہی ہے کہ تم وہیں رہ کر ہماری مدد کرو صحیح بخاری میں بیان ہے کہ آپ ﷺ نے اس موقع پر عرض کیا:

قال رسول ﷺ الحرب خدعة (۸۴)

ترجمہ: ’’جنگ حیلہ وتدبیر کا نام ہے۔‘‘

چنانچہ نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ بنی قریظہ کے پاس گئے اور ان کو احساس دلایا کہ قریش وغطفان تنگ آ کر محاصرہ ترک بھی کر سکتے ہیں جس سے انہیں احساس ہوا کہ قبائل قریش وغطفان باہر کے لوگ ہیں ان پر بھروسہ کر کہ اور اپنے پڑسیوں سے دشمنی کر کہ ہم غلط کر رہے ہیں۔ نعیم بن مسعود نے انہیں یہ مشورہ دیا

جائے ادوسری جانب انہوں نے قریش میں بھی یہ بات پھیلائی کہ بنو قریظہ اپنے مؤقف پر مضبوط نظر نہیں آرہے کیونکہ وہ محمد ﷺ سے کی گئی عہد شکنی پر نادم ہیں۔ آپ کی اس تدبیر سے دونوں پارٹیوں کے دلوں میں شبہات پیدا ہو گئے اور دلوں میں پھوٹ پڑ گئی۔ چنانچہ جب شوال ۵ ھ کو جب ابوسفیان اور قبیلہ غطفان نے ایک فیصلہ کن اقدام کرنا چاہا تو یہود نے سنیچر کے دن لڑائی شروع کرنے سے انکار کر دیا ساتھ ہی کچھ لوگوں کو بطور یرغمال اپنے پاس رکھنے کا مطالبہ کیا جس سے قریش کو یہی گمان ہوا کہ بنو قریظہ نے محمد (ﷺ) سے معاملہ استوار کر لیا ہے یوں دونوں پارٹیوں میں تفرقہ پڑ گیا اور ان کا شیرازہ بکھر گیا۔ قدرت کی جانب سے بھی ایسا معجزہ ہوا جس نے مخالفین کے قدم اکھیڑ دیے۔ موسم اس قدر ناساز گار ہو گیا کہ سردی نے آفت مچا دی ساتھ ہی ایسی ہوا اور آندھی چلی کہ دشمن کے خیمے اُلٹ گئے ہر طرف گرد اور طوفان نے ان کے جانوروں کو وحشت زدہ کر دیا، سخت پریشانی کے عالم میں مخالفین تتر بتر ہو گئے۔

سیّد شہادت علی قادری نے اس منظر کی تصویر کشی یوں کی ہے۔

ان کے چولہے ٹھنڈے ہو گئے ہانڈیاں اُڑ گئیں، اونٹ رسیاں توڑ کر بھاگ گئے اور خیمے ہوا میں اُڑتے نظر آنے لگے پس انہوں نے اپنا بچا کھچا سامان اُٹھایا اور مکہ کی طرف دوڑے۔(۸۵)

جب صبح اُٹھے تو میدان میں ایک دشمن بھی نہ تھا سورۂ احزاب میں اس کی وضاحت یوں کی گئی ہے:

يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ۝ (۸۶)

ترجمہ: ”مومنو! خدا کی اس مہربانی کو یاد کرو جو (اس نے) تم پر (اس وقت) جب فوجیں تم پر حملہ کرنے کو آئیں تو ہم نے ان پر ہوا بھیجی اور ایسے لشکر (نازل کیے) جن کو تم دیکھ نہیں سکتے تھے اور جو تم دیکھتے ہو خدا اس کو دیکھ رہا ہے۔“

ہے۔ خدا اپنا جلوہ ایسے ہی دکھایا کرتا ہے اور ایسے مواقع پر ہر شخص چاہے کسی بھی مذہب و مسلک کا ماننے والا ہو اس ذات کامل کو حقیقی سپر پاور تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

اس غزوہ میں مسلمانوں کے کل چھ افراد شہید ہوئے ان میں انس بن اوس بن عتیک، عبداللہ بن سہل الاشہلی، ثعلبہ بن عمر بن عدی بن نابی، اور کعب بن زید شامل ہیں جبکہ مشرکین کے کل تین افراد مارے گئے۔

اتحادیوں کی ناکامی۔ بنیادی اسباب

۱۔ اتنے بڑے لشکر اور پر زور تیاری کے باوجود اتحادیوں کی ناکام واپسی میں طاقت الٰہی تو کارگر تھی ساتھ ہی ان کی اپنی کوتائیوں کا بھی عمل دخل ہے۔ مثلاً یہ کہ متحدہ لشکر کی سالاری کسی ایسے مضبوط شخص کے ہاتھ میں نہ دی گئی جو فوج اور دیگر تمام معاملات پر اپنا تسلّط قائم رکھ سکتا چنانچہ لشکر کو کسی ایک مرکز پر متحد و قائم نہ رکھنے کے باعث موافق حالات کے باوجود فتح ممکن نہ ہو سکی۔

۲۔ خندق کی کھدائی تمام عساکر کے لیے ایک بالکل نئی اور غیر متوقع چیز تھی، عرب اس اسلوب سے بالکل ناواقف ہونے کے باعث اس کے حسبِ حال کوئی گر استعمال نہ کر سکے لہٰذا طویل محاصرے کی نوبت آ گئی لیکن کھل کر جنگ نہ ہو سکی۔

۳۔ موسم جاڑوں کا تھا اور سخت سردی سے بچاؤ کی کوئی خاص سہولت نہ تھی، کھانے پینے، رہنے سہنے کی بھی تنگی بڑھتی گئی اور عرب لشکروں کے لیے صبر و برداشت سے یہ سب جھیل لینا مشکل تھا اور محاصرہ طویل ہوتا جا رہا تھا جس سے مخالفین اکتاہٹ کا شکار ہو گئے۔

۴۔ کوئی بھی لشکر پورے طور پر متحد، منظم و متفق ہوئے بغیر کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ نعیم بن مسعود ﷛ کی تدبیر سے متحدہ عساکر کے افکار میں اختلاف پیدا ہو گیا اور ان میں پھوٹ پڑ گئی یہ اخلاف وافتراق ان کی ناکام واپسی کا ایک بنیادی سبب تھا۔

غزوۂ خندق بدر کبریٰ کے بعد دوسری تباہ کن اور نتائج کے اعتبار سے دوررس جنگ تھی ۔ یہ

لیے کہ خواتین و اطفال کو مسلمان بغرض حفاظت قلعوں میں منتقل کر کے خود میدانِ جنگ تک آ چکے تھے۔ بنو قریظہ چونکہ آسانی سے مدینہ میں داخل ہو سکتے تھے لہٰذا آل اولاد اور سامان کی فکر نے مسلمانوں کو غیر مطمئن اور بے چین کر کے رکھ دیا۔

جنگِ خندق سے اسلام کی تاریخ ایک نئے موڑ میں داخل ہوگئی اور مسلمانوں کے حق میں اس کے بہت ہی دور رس اور مثبت نتائج برآمد ہوئے۔ اتنے بڑے لشکر کا یک چھوٹی سی قوم کو مٹانے کے لیے مجتمع ہونا اور پھرنا کام واپس پلٹ آنا، جہاں مخالفین کے لیے ایک حوصلہ شکن واقعہ تھا وہیں مسلمانوں کے لیے حوصلہ افزا اور مثبت، کیونکہ جو لوگ مجتمع ہو کر مسلمانوں کا خاتمہ اور استحصال کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے وہ انفرادی طور کوئی کاروائی کرنے کی جرأت نہ کر پاتے گویا ان طاقتوں کے مجموعی طور پر ناکام ہونے کا مطلب یہ تھا کہ اب چھوٹے چھوٹے گروہ مدینہ کی جانب رُخ کرنے کی ہمت نہیں کر سکتے۔

غزوۂ بنی قریظہ

صحیح بخاری کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ میدانِ خندق سے واپسی کے بعد ابھی ہتھیار اُتارے ہی تھے کہ جبرائیل تشریف لائے اور کہا:

> قد وضعت السّلاح واللّٰہ ما نزعناہ فاخرج الیھم قال
> ماألی أعین قال ھھنا و اشارہ الیٰ بنی قریظہ فخرج
> النبی ﷺ الیھم (۸۸)

ترجمہ: آپ ﷺ نے ہتھیار اُتار لیے خدا قسم ہم نے ابھی ہتھیار نہیں اُتارا ہے۔ ان پر فوج کشی کیجیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کس پر؟ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا، ان پر اور انہوں نے قبیلہ بنو قریظہ کی طرف اشارہ کیا چنانچہ آپ ﷺ نے بنو قریظہ پر فوج کشی کی۔

حفاظت کا اقرار تھا، نیز انہیں بنونضیر کے برابر درجہ دیا گیا جو اس سے قبل انہیں میسّر نہ تھا لیکن واقع احزاب میں وہ عہدِ شکنی کے مرتکب ہوئے اور حملہ آوروں سے جا ملے۔ ان کی عہدِ شکنی کے ردّ عمل کے طور پر ان پر چڑھائی کا فیصلہ کیا گیا اور حضرت علیؓ کی سرکردگی میں دستہ روانہ ہوئے آپ ﷺ نے خود بھی شمولیت کی اور تین ہفتے محاصرہ جاری رہنے کے بعد انہوں نے قبیلہ اوس کے سردار حضرت سعدؓ بن معاذ کو ثالث مقرر کیا۔ قبیلہ اوس سے بنو قریظہ کے حلیفانہ تعلقات صدیوں سے قائم تھے اس لیے ان کا خیال تھا کہ حضرت سعدؓ اس تعلق کا لحاظ کرتے ہوئے بنی قینقاع اور بنی نضیر کی طرح انہیں بھی مدینہ سے نکل جانے دیں گے گو قبیلہ اوس میں بھی ان کے لیے نرم گوشہ ضرور پایا جاتا تھا لیکن وہ مشاہدہ کر چکے تھے کہ یہود کو پہلے موقع دیا گیا تو انہوں نے دس بارہ ہزار کا لشکر چڑھا لیا اور پھر بنو قریظہ عہدِ شکنی جیسے فعل کے مرتکب ہوئے لہٰذا انہیں مزید موقع فراہم کرنا خطرے کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔

چنانچہ حضرت سعدؓ نے فیصلہ کیا:

فانی أحکم فیھم أن تقتل الرجال، و تقسم الأموال، و نسبی الزراری و النساء(۸۹)

ترجمہ: ''ان میں سے وہ لوگ جو لڑائی کے قابل ہیں مار ڈالے جائیں عورتیں اور بچے لونڈی غلام بنا لیے جائیں اور ان کا تمام مال تقسیم کر دیا جائے۔''

مولانا شبلی نعمانی نے لکھا ہے:

''قرآنِ کریم میں جب کوئی خاص حکم نہیں آتا تھا تو آپ ﷺ توراۃ کے احکام کی پیروی فرماتے تھے۔''(۹۰)

لہٰذا حضرت سعدؓ کے فیصلہ کے بابت آپ ﷺ نے فرمایا:

قال خصیّت بحکم اللّٰہ و ربما قل بحکم الملک (۹۱)

ابن ہشام نے یوں لکھا ہے:

لقد حكمت فهيم بحكم الله من فوق سبعه أرقعه (۹۲)

''یہ اشارہ توراۃ کے حکم کی جانب تھا اور چونکہ مسلمانوں کا دفاع و بقا اسی فیصلے میں ہی تھی لہٰذا اسے غلط اقدام یا فیصلہ نہیں کہا جا سکتا کیونکہ اس وقت کے حالات کے لحاظ اس دوسرا کوئی چارہ موجود نہ تھا۔''

مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے مطابق:

''جب بنی قریظہ کی گڑھیوں میں مسلمان داخل ہوئے تو انہیں پتہ چلا کہ جنگ احزاب میں حصہ لینے کے لیے ان غداروں نے پندرہ سو تلواریں ،تین سو زرہیں ، دو ہزار نیزے اور پندرہ سو ڈھالیں فراہم کی تھیں۔'' (۹۳)

تجزیہ

یہ پہلا حملہ تھا جس میں مسلمانوں کی جانب سے پیش قدمی کی گئی لیکن یہ پیشِ قدمی بھی خود حفاظتی کی ایک تدبیر تھی اور مسلمانوں کا دفاع اسی صورت ممکن تھا۔ یہ جنگ دراصل اعصابی جنگ تھی ،بنو قریظہ نے دیگر قبائل کے ساتھ مل کر مسلمانوں کو اس انجام تک پہنچانے کی پلاننگ کر رکھی تھی جس انجام سے اب وہ خود دو چار ہو گئے ۔ یہودیوں کے قلعے کافی مضبوط و مستحکم تھے جنہیں سر کرنا کوئی آسان کام نہ تھا،اور پھر ان کے پاس وافر سامانِ خوراک بھی موجود تھا لیکن اس کے باوجود ان کی ہمت جواب دے گئی اور انہوں نے Surrender کر لیا،اس لیے کہ ان کا مورال گر چکا تھا۔ یہ خلافِ توقع محاصرہ تھا یہود کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ عرب قبائل کے متحدہ لشکر کی یورش،اور محاصرے سے تھکے ہوئے مسلمان فرصت کا ایک

کی قوت وصلاحیت کو ختم کر کے رکھ دیا اور مقابلہ کی تاب [illegible] ن کو شکست ہو کر رہ گئی حالانکہ ان کی جنگی
تیاریاں کافی تھیں۔

بنو قریظہ نے مسلمانوں کے کٹھن ترین وقت پر عہدِ شکنی، خیانت اور غداری کا ارتکاب کیا۔ لہٰذا موقع ملنے پر حضرت سعد ؓ کا فیصلہ بالکل حق بجا تھا، اگر خندق میں لشکر کو کامیابی حاصل ہو جاتی تو یقیناً مسلمانوں کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا جاتا بلکہ اس سے بھی بدتر سلوک کی توقع رکھی جاسکتی تھی جس میں ان کی عورتیں اور بچے تک محفوظ نہ رہ پاتے، اور آئندہ بھی موقع ملتے ہی وہ اسی طرح کے اقدامات کرتے لہٰذا خود حفاظتی کا تقاضا یہی تھا کہ انہیں دوبارہ پنپنے کا موقع ہی نہ دیا جائے۔

غزوۂ بنی لحیان

بنو قریظہ کی مُہم سے واپسی کے چھ ماہ بعد جمادی الاوّل ۵ھ کو آپ ﷺ نے دوسو سواروں کے دستے کے ساتھ بنو لحیان کا ارادہ کیا۔ یہ قبیلہ بھی بدعہدی کا مرتکب ہوا اور دعوت اور تبلیغ کی غرض سے جانے والے مسلمانوں کے چھ افراد کو مار ڈالا اور دو افراد کو قریش کے ہاتھ بیچ دیا، جنہیں قریش نے مار ڈالا۔
یہ غزوہ اس لیے بھی ضروری تھا کہ آپ ﷺ اور مسلمانوں کو قریش کی جانب سے ہر دم خدشہ ہی رہتا تھا اور موقع کے منتظر رہتے لہٰذا مسلمانوں نے فوجی نقل وحرکت ضروری سمجھی تاکہ قریش اور دیگر قبائل کا مورال کمزور ہو جائے اور ساتھ ہی بنو لحیان کی بدعہدی اور دھوکے کی سزا بھی مقصود تھی لیکن فریقِ مخالف کی جانب سے پیش رفت نہ ہوئی بلکہ وہ غاروں میں چھپ گئے اس لیے لڑائی کی نوبت ہی نہیں آئی۔ گویا اس مُہم کو بھی غزوہ کا نام اس لیے دے دیا گیا ہے کہ آپ ﷺ مقابلہ کی غرض سے باہر نکلے تھے حالانکہ مقابلہ کا موقع آیا ہی نہیں۔

کے سواروں کے ساتھ مل کر اطرافِ مدینہ میں شب خوں مارا اور آپ ﷺ کی اونٹنیاں لے گیا اور چرواہے کو بھی مار ڈالا۔ اس واقعی کی اطلاع آپ ﷺ کو سلمہ بن اکوع اسلمی کے غلام نے پہنچائی اور آپ ﷺ چند صحابہ کے ہمراہ تعاقب کے لیے روانہ ہوئے۔

آپ ﷺ سلمہ کی اطلاع اپر عینیہ کی گرفتاری کے لیے مقداد ابن الاسود، عباد بن بشر، سعد بن زید، شہلی اور عکاشہ، بن محصن، محرز بن نھلہ اسدی، اور ابوقتادہ مہاجرین و انصار کو لے کر سلمہ سے جا ملے گویا آپ ﷺ کسی بڑی فوجی کاروائی کی غرض سے نہیں نکلے اسی لیے چند مخصوص صحابہ کو ساتھ لے گئے اور دونوں گروہوں میں معمولی جھڑپ ہوئی۔

غزوۂ حدیبیہ

ذی قعد ۶ھ کو نبی کریم ﷺ حج وعمرہ کی غرض سے مہاجرین وانصار کے ہمراہ مکہ کی جانب روانہ ہوئے اس گردہ کی تعداد بقول ابن اثیر یوں تھی:

و من تبعين الأعراب ألف و أربعمائة و قيل : ألف و خمسائة و قيل ثلائمة، و ساق الهدى معه سبعين بدنه ليعلم الناس أنه جاء زائر للبيت (۹۴)

ترجمہ: ”ایک ہزار چار سو کی جمیعت تھی اور ستر اونٹ قربانی کے ساتھ تھے تا کہ لوگ پہچان سکیں کہ کعبہ کی زیارت کو آئے ہیں۔“

ابن خلدون نے یہ تعداد یوں بیان کی ہے:

واتبعه من العرب فيما بين الثلثمائه بعد الالف الى الخمسمائة (۹۵)

ترجمہ: ”آپ ﷺ کے ہمراہوں کی تعداد تیرہ سو اور پندرہ سو کے درمیان تھی۔“

كنّا مع النبی ﷺ اربع عشر مائه(۹۶)

ترجمہ: ''اس دن آپ ﷺ کے ساتھ چودہ سو افراد تھے۔''

مسلمان جنگ کے ارادے سے مکہ کی جانب روانہ نہیں ہوئے تھے لیکن سابقہ تجربوں کے پیش نظر انہیں خدشہ تھا کہ قریش لڑنے کو آئیں گے اس لیے احتیاطاً قبیلہ خزاعہ کا ایک شخص پہلے ان کے ارادوں کی خبر لانے کے لیے بھیجا۔ جب مسلمان عسفان کے قریب پہنچ چکے تو اس نے آ کر اطلاع دی۔

انّ قریشاً جمعوا لکِ جموعاً وّ قد جموا لک الا
الحابیش و ھم مقاتلوک و صأ دّوک عن البیت(۹۷)

ترجمہ: ''قریش نے ایک بہت بڑا مجموعہ تیار کر رکھا ہے اور بہت سے قبائل کو بلایا ہے وہ آپ ﷺ سے جنگ پر تلے ہوئے ہیں اور آپ کو بیت اللہ الحرام سے روکیں گے۔''

یہ خبر سننے کے بعد مسلمانوں نے اسی جگہ سے عام راستہ چھوڑا اور شیتۃ المرار کا راستہ اختیار کرتے ہوئے رفتہ رفتہ مقام حدیبیہ ❁ تک پہنچ گئے مسلمانوں کے حلیف قبیلہ خزاعہ کا سردار نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور آپ ﷺ کو واپس جانے کی ہدایت کی اور مطلع کیا کہ قریش کی فوجوں کا سیلاب آ رہا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہم لڑنے نہیں آئے بلکہ عمرہ کہ غرض سے آئے ہیں اور قریش سے صلح کے خواہش مند ہیں۔ آپ ﷺ کی کوشش سے فریقین میں باقاعدہ سفیروں کا تبادلہ شروع ہوا اور طویل گفت وشنید اور بحث کے بعد بالآخر صلح کا معائدہ طے پایا جس میں قریش کی جانب سے مندرجہ ذیل شرائط رکھیں گئیں۔

❁ مکہ معظمہ سے ایک منزل کے فاصلے پر ایک کنواں ہے جسے حدیبیہ کہتے ہیں۔ اس گاؤں کو بھی حدیبیہ کے نام سے جانا جاتا ہے اور مدینہ شہر سے اس کی مسافت نو منزل تک ہے۔

من أتى قريشاً من أصحاب محمّد لم يرده، و أنّه من
أحب أن يدخل في عهد محمّد و عقده فعل و أنّه من
أحب أن يّدخل في عهد قريش و عقدها فعل و أن
محمداً يرجع عامه هذا بأصحابه و يدخل علينا قابلاً
في أصحابه فيصم بها ثلاثاً، لا يدخل علينا بسلاح الاّ
سلاح المسافر السيوف في القرب (۹۸)

ترجمہ: ''مشرکین میں سے جوکوئی محمد ﷺ کے پاس جائے گا اسے واپس کر دیں گے، مسلمانوں میں سے جوکوئی قریش کے پاس چلا جائے واپس نہیں کیا جائے گا جو قبیلہ چاہے اپنی مرضی سے قریش و مسلمانوں میں سے کسی ایک کے ساتھ شامل ہوسکتا ہے، مسلمان مکہ میں اگلے سال صرف تین دن کے قیام کے لیے آئیں وہ بھی بغیر ہتھیاروں کے صرف نیام کے اندر تلواریں ہوں۔''

آپ ﷺ نے ان تمام شرائط کو قبول کیا اور صلح نامہ تسلیم کرلیا کیونکہ آپ ﷺ سمجھتے تھے کہ یہ صلح رعایا کے لیے امن کا پیغام اور اسلام کی فتح کا باعث بنے گی اور اللہ تعالیٰ ضرور اس میں مسلمانوں کے لیے بہتری کی کوئی صورت پیدا کرے گا۔ لیکن یہ نبی کا فیصلہ تھا جبکہ جمہور عام میں اس قدر دور اندیشی پائی جانی ممکن نہیں یہی وجہ ہے کہ اس فیصلے سے عوام میں بے چینی واضطراب پھیل گیا۔ مسلمانوں کا اس فیصلے سے مضطرب ہو جانا ایک فطری عمل تھا کیونکہ بظاہر اس صلح نامے میں کوئی شق مسلمانوں کے حق میں دکھائی نہ دیتی تھی۔ نبی کریم ﷺ نے دائمی امن کی خاطر اس وقتی ناراضگی کو قبول کیا اور زائرین کو بغیر عمرہ کیے واپس مدینہ لے آئے۔

پاس آیا لیکن آپ ﷺ نے معائدے کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے فرمایا:

یا ابو جندل! اصبر او احتسب فانّ اللہ جاعل بک و لمن معک من المسفعیز خرجاً و مخرجاً انّا قد عقدنا بینا و بین القوم صلحا و انا لا نعد (۹۹)

ترجمہ: ''اے ابو جندل! صبر سے کام لو خدا تمہارے لیے اور مظلوموں کے لیے ضرور کوئی راہ نکالے گا اب صلح ہو چکی اور ہم بدعہدی نہیں کر سکتے۔''

صلح حدیبیہ کے اہم نکات

نبی کریم ﷺ نے مدینہ سے نکلتے ہی لڑائی نہ کرنے اور ہر ممکن حد تک صلح وصفائی اور افہام وتفہیم سے معاملات طے کرنے کا ارادہ کر رکھا تھا یہی وجہ تھی کہ جب انہیں قریش کی تیاریوں کی اطلاع ملی تو وہ تصادم سے بچنے کے لیے عام راستہ ترک کر کہ ایک غیر معروف اور نسبتاً دشوار گزار راستے پر چل پڑے۔ حدیبیہ پہنچنے کے بعد اہل مکہ سے نامہ و پیام کا سلسلہ شروع ہوا تو آپ ﷺ نے اپنے ایلچیوں کے ذریعے انہیں بھرپور یقین دہانی کروائی کہ ہم لڑائی کی غرض سے نہیں بلکہ صرف بیت اللہ کی زیارت کرنے آئے ہیں لیکن اس کے باوجود ان کے کچھ افراد کی جانب سے حملہ ہوا جنہیں مسلمانوں نے گرفتار کر لیا اور بغیر کسی تکلیف کے چھوڑ بھی دیا مسلمانوں نے یہ صلح نامہ طے کرتے وقت اس قدر لچک کا مظاہرہ کیا کہ صلح نامہ حضرت علی رضی اللہ عنہ قلمبند کر رہے تھے اور انہوں نے ابتدا میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھ ڈالا تو اس پر فریقِ مخالف کی جانب سے اعتراض ہو گیا کہ آغاز عرب کے قدیم طریقہ کے مطابق باسمک اللّھم سے کیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ دوسرا اعتراض نبی کریم ﷺ کے نام پر کیا گیا کہ ہم آپ کو پیغمبر تسلیم ہی نہیں کرتے تو لہٰذا محمد رسول اللہ کے بجائے محمد بن عبداللہ لکھا جائے، یہ شرط بھی نبی ﷺ کی جانب سے تسلیم کی گئی۔ اس کے بعد معائدہ کے تحفظ کی خاطر ابو جندل کو واپس کر دیا گیا۔

ہی طے کر دیے تھے کیونکہ یہ ایک دور اندیشانہ فیصلہ تھا جس کے ثمرات بھی دور رس تھے لیکن تمام لوگوں کو قبل از وقت اس حکیمانہ فیصلے کی افادیت وثمرات کے بارے میں مطمئن کرنا خاصا مشکل تھا جبکہ نبی کریم ﷺ کی نگاہ اس وقت بھی ان بہترین نتائج کو دیکھ رہی تھی جو بعد میں سامنے آ گئے۔

صلح کے نتائج وثمرات

(۱) اس صلح نامے کے بعد امن وآشتی کی فضا قائم ہو گئی اور مسلمان دفاع کی جانب سے مطمئن ہو کر دعوت وتبلیغ میں مصروف ہو گئے نتیجتاً اسلام سرعت سے عرب میں پھیلنے لگا۔ یہاں تک کہ حدیبیہ میں جو لشکر چودہ سو افراد پر مشتمل تھا دو سال بعد فتح مکہ کے موقع پر اس کی تعداد دس ہزار تک پہنچ چکی تھی۔

(۲) مدینہ منوّرہ کا جنوبی علاقہ مسلمانوں کے لیے سب سے خطرناک حصہ تھا جو اس صلح نامے سے امن کی سرزمین بن گئی۔

(۳) ابوبصیر مسلمان ہو کر مکہ پہنچے لیکن آپ ﷺ نے حسب وعدہ انہیں واپس کر دیا لیکن آپ ﷺ نے انہوں نے راستے میں اس شخص کو قتل کر دیا جس کے ساتھ آپ ﷺ نے انہیں واپس بھیجا تھا اور خود ساحل سمندر کے قریب ڈیرہ ڈال دیا اس کے بعد جو بھی شخص مکہ سے مسلمان ہوتا ابوبصیر کے پاس پہنچ جاتا اور یوں پورا ایک گروہ بن گیا۔ یہ لوگ قریش کے ان قافلوں کے لیے خطرہ بن گئے جو ساحل کے راستے شام کی طرف جاتے تھے یہاں تک کہ قریش نے خود آپ ﷺ سے درخواست کی کہ وہ اس شرط سے دستبردار ہونا چاہتے ہیں۔

قریش نے مسلمانوں کو زیارت کعبہ سے روک کر اپنے حق میں بہت بڑی سیاسی غلطی تھی کیونکہ اسلام کی فتح کے لیے یہ التوائے جنگ کا معائدہ بے حد سود مند ثابت ہوا۔

خیبر مدینہ کے شمال میں تقریباً ایک سو میل کے فاصلے پر ایک بڑا شہر تھا۔ مدینہ سے جلاوطن ہونے والے یہودی یہاں آ کر آباد ہو گئے تھے اور انہوں نے تمام عرب کو اسلام کی مخالفت پر آمادہ کر دیا جس کا پہلا مظہر احزاب کا معرکہ تھا پھر انہوں نے بنو قریظہ کو غدر و خیانت پر آمادہ کیا اور اب منافقینِ مدینہ اور غطفان کے ساتھ مل کر جنگ کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ یہودیوں نے حملہ کی تیاریاں شروع کر رکھی تھی اور انہوں نے اپنے حلیف قبیلے بنو غطفان کو مدد کے لیے بلایا اور فتح کی صورت میں نصف پیداوار دینے کا وعدہ بھی کیا۔

''خیبر میں یہودیوں کے بہت ہی مضبوط قلعے تھے جن میں تقریباً دس ہزار تک سپاہ تھی وہ نخلستان جس کے کنارے پر خیبر ہے نہایت زرخیز ہے یہاں یہود نے نہایت مضبوط متعدد قلعے بنائے تھے جن میں سے بعض کے آثار اب تک باقی ہیں۔''(۱۰۰)

چنانچہ آپ ﷺ نے جب خیبر کا قصد کیا تو ساتھ ہی یہ اعلان بھی کر دیا:

لا یخرجن معنا الا راغب فی الجهاد (۱۰۱)

ترجمہ: ''ہمارے ساتھ صرف وہی لوگ آئیں جو طالبِ جہاد ہوں۔''

صلح حدیبیہ کے بعد نبی کریم ﷺ قریش کی جانب سے مطمئن ہو چکے تو آپ ﷺ نے چاہا کہ جنگ احزاب کے باقی ارکان (یہود و اہلِ نجد) کی جانب سے بھی اطمینان حاصل کیا جائے تا کہ ہر جانب مکمل امن و سلامتی کا دور قائم ہو سکے اور مسلمان پیہم خون ریز کشمکش سے نجات پا کر اپنے اصل مقاصد اہداف پر یکسوئی سے کام کر سکیں چونکہ خیبر سازشوں اور دیسیسہ کاریوں کا گڑھ تھا۔ جنگِ خندق میں مشرکین کے تمام گروہوں کو اِکٹھا کر کہ مسلمانوں پر چڑھانے والے یہی اہل خیبر ہی تھے انہوں نے ہی بنو قریظہ کو خیانت پر آمادہ کیا، نیز جنگ احزاب میں بنو غطفان اور بدوؤں کو اکھٹا کرنے والے بھی یہی تھے لہٰذا ان سے نبرد آزما ہوئے بغیر امن کا مکمل نفاذ ممکن نہیں تھا۔

گھوڑے سوار تھے اور بیس عورتیں تھیں جو مریضوں کے علاج اور زخمیوں کی مرہم پٹی کیلئے ساتھ لائی گئی تھیں۔

ابن اثیر کے مطابق:

سار الیٰ خیبر ألف و أربعمائه رجل معهم مائتا فارس (۱۰۲)

ترجمہ: ''ایک ہزار چار سو افراد کے ساتھ خیبر کی جانب روانہ ہوئے جن میں دو سو گھوڑے سوار بھی تھے۔''

آپ ﷺ نے مدینہ چھوڑنے سے قبل فوج کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا مدینہ سے خیبر جانے کے لیے قریبی راستہ اختیار کرنے کے بجائے جنگی حکمتِ عملی کے پیشِ نظر مقامِ عصر کی طرف روانہ ہوئے۔ اسلامی لشکر نے غطفان اور خیبر کے درمیانی مقام رجیع میں پڑاؤ کیا لشکر کے یہاں روکنے کا مقصد یہ تھا کہ غطفان کے لوگ خیبر والوں کی امداد کو نہ آسکیں یہ حکمت عملی کامیاب رہی اور غطفان والوں کو خیبر والوں کی مدد کے لیے نکلنے کی ہمت ہی نہ پڑی۔

ابن ہشام نے لکھا ہے کہ جب آپ ﷺ کو خیبر نظر آیا تو یہ دعا کی:

اللّٰهم رب السمٰوٰت السبّع و ما اظلن و رب الارضین السبّع و ما أقللن و ربّ شياطين و ما اضللن و ربّ الرّياح و ما اوزين ! فانّا نسألك خير هذه القرية و خير اهلها و خير ما فيها و نعوذبك من شرّ هذه القرية و شرّ اهلها و شرّ مافيها (۱۰۳)

ترجمہ: ''اے اللہ! اے آسمانوں اور جو کچھ ان کے سایے میں ہے ان کے پروردگار! اور اے زمینوں اور جو کچھ ان سے اُگایا جاتا ہے ان کے پروردگار، اے شیاطین اور ان کے گمراہ کرنے کے پروردگار! ہم تجھ سے اس بستی، اور اس کے باشندوں کی بھلائی اور جو کچھ اس میں ہے اس کی بھلائی کی درخواست کرتے ہیں اور اس بستی کے شر اور

تیری پناہ مانگتے ہیں۔''

مقامِ خیبر تک پہنچنے میں رات ہوگئی تھی، مسلمان چونکہ رات کے وقت حملہ آور نہیں ہوا کرتے تھے اس لیے رات راستے میں بسر کی اور صبح خیبر میں داخل ہوئے۔ خیبر میں کئی قلعے تھے سلاحم، قموص، ناعم، نطاۃ، زنیر، قصارہ، ابوطیع، شق اور مربوط ان کی حفاظت پر دس ہزار سپاہی متعین تھے۔ ان میں قموص مضبوط ترین تھا۔(۱۰۴)

یہودیوں نے تمام فوجیں قلعہ قموص اور نطاۃ میں جمع کرلیں جب کہ رسد اور غلہ قلعہ ناعم میں جمع کر دیا، مسلمانوں کو سب سے زیادہ دشواری قلعہ قموص میں ہوئی جو کہ مرحب کا تخت گاہ تھا یہ قلعہ سخت جدوجہد اور بیس دن کے محاصرے کے بعد حضرت علیؓ کے ہاتھوں فتح ہوا اسی لیے انہیں فاتح خیبر کہا جاتا ہے۔

''اس غزوے میں کل ۹۳ یہودی مارے گئے اور مسلمان شہداء کی تعداد ۱۵، ۱۶ یا ۱۸ تھی۔''(۱۰۵)

یہودیوں کے دو قلعے ابھی فتح ہونے باقی تھے اور ان کی تمام مالی اور جنگی قوت وہاں محصور ہو کر رہ گئی تھی لہٰذا انہوں نے بے بس ہو کر مندرجہ ذیل شرائط پر صلح کی پیشکش کی۔

''ان کے جنگی جوانوں کی جان بخشی کی جائے، ان کی اولاد و اہل وعیال کو چھوڑ دیا جائے، انہیں ایک عدد کپڑا لے کر خیبر سے نکل جانے کی اجازت دی جائے۔''(۱۰۶)

آپ ﷺ نے ان کی درخواست قبول کی اس وقت ان دو قلعوں کے علاوہ ہر چیز پر مسلمانوں کا قبضہ ہو چکا تھا اور مصالحت کے بعد یہ دونوں قلعے بھی مسلمانوں کے حوالے کر دیے گئے یوں خیبر کی فتح مکمل ہوگئی۔ رسول ﷺ نے جب معائدہ کے مطابق یہودیوں کو جلاوطن کرنے کا ارادہ کیا تو یہودیوں نے التجا کی کہ چونکہ ہمیں کھیتی باڑی کے بابت زیادہ علم ہے لہٰذا ہمیں یہیں رہنے دیجیے اور ہمارے ساتھ نصف نصف پر معاملہ طے کر لیجیے۔ آپ ﷺ کے پاس نہ ہی تو اتنے غلام تھے جو زمین کی دیکھ بھال کرتے اور نہ ہی صحابہ کرامؓ اس کام میں ماہر تھے لہٰذا آپ ﷺ کو یہ شرط مناسب لگی اور اسے قبول فرمایا مگر اپنی طرف سے یہ شرط عائد کی کہ مسلمان جب کوئی خطرہ محسوس کریں وہ یہود کو جلاوطن کرنے کے مجاز ہوں گے۔

خیبر کی تقسیم کی بابت ابن قیم نے یوں لکھا ہے:

کلّ سهم، کانت ثلاثة ألافِ و ستّمائة سهم، و کان لرسول ﷺ وللمسلمين النصف من ذلک، و هو ألف و ثمانمائة سهم، لرسول ﷺ سهم، کسهم أحد المسلمين، و عزل النصف الاخر، و هو ألف و ثمانمائة سهم لنوائبة و ما ينزل به من أمر المسلمين (۱۰۷)

ترجمہ: ''خیبر کی تقسیم یوں کی گئی کہ اسے چھتیس حصوں میں تقسیم کر دیا گیا ہر حصہ ایک سو حصوں کا جامع تھا اس طرح کل تین ہزار چھ سو حصے ہوئے اس میں سے نصف یعنی اٹھارہ سو حصے مسلمانوں کے تھے۔ عام مسلمانوں کی طرح رسول ﷺ کا بھی صرف ایک حصہ تھا۔ باقی اٹھارہ سو حصوں پر مشتمل دوسرا نصف رسول ﷺ نے مسلمانوں کی اجتماعی ضروریات اور حوادث کے لیے الگ کر لیا۔''

گھوڑے سوار کو ایک حصہ اپنا اور دو حصے گھوڑے کے دیے گئے کیونکہ گھوڑے کا حصہ دو فوجیوں کے برابر طے تھا۔ فتح خیبر کے بعد اہلِ فدک نے بھی اپنے آدمی بھیج کر اہل خیبر کی مانند نصف پیداوار دینے کی شرط پر مصالحت کی پیشکش جسے آپ ﷺ نے قبول کیا۔ خیبر سے واپسی پر وادی القری میں آباد یہودیوں نے مسلمانوں کے اُترتے ہی تیروں کی بارش کر دی کیونکہ یہ پہلے سے ہی صف بندی کیے ہوئے تھے یہاں چند گھنٹے لڑائی ہوئی اور بالآخر انہیں شرائط پر ان سے بھی صلح قرار پا گئی۔

نتائج صلح

(۱) مدینہ منوّرہ کا شمالی علاقہ مکمل طور پر مسلمانوں کے لیے محفوظ اور پُر امن ہو گیا۔

(۲) مبلّغین اسلام مکمل طور پر محفوظ ہو گئے جنہیں اکثر قبائل میں دورانِ تبلیغ مار دیا جاتا تھا۔

(۳) شمالی قبائل میں اسلام پھیل گیا۔

حدیبیہ کے صلح نامے میں ایک شرط یہ بھی درج تھی کہ قبائل عرب میں سے جو قبیلہ قریش کے ساتھ معائدہ کرنا چاہے وہ قریش کے ساتھ معائدہ کر لے اور جو مسلمانوں سے معائدہ کرنا چاہے ان کے ساتھ شامل ہو سکتا ہے چنانچہ قبیلہ بنی بکر نے قریش کے ساتھ الحاق کر لیا جب کہ قبیلہ بنی خزاعہ نے مسلمانوں کے ساتھ معائدہ طے کر لیا کہ وہ وقت آنے پر ایک دوسرے کا ساتھ دیں گے۔ ان دونوں قبائل کے درمیان ایک مدت سے دشمنی چلی آ رہی تھی صلح حدیبیہ کی بدولت جب قریش اور دیگر قبائل کو اطمینان حاصل ہوا تو بنی بکر نے پُرانی عداوت ظاہر کر دی اور قریش سے مل کر ایک رات اچانک بنوخزاعہ پر حملہ کر ڈالا۔ بنوخزاعہ اس صورتِ حال سے بے خبر تھے چنانچہ انہوں نے جان بخشی کے لیے حرم کعبہ میں پناہ لی کیونکہ حرم میں داخل ہونے والے پر تلوار نہیں اُٹھائی جاتی تھی لیکن بنوبکر کے سردار نے اس بات تک کی پرواہ نہ کی اور حدود کعبہ میں بنوخزاعہ کا خون بہانا شروع کر دیا۔

کفار قریش اور قبیلہ بن بکر کے اس حملہ سے بنوخزعہ کے تیئیس (۲۳) آدمی قتل ہو گئے۔ (۱۰۸)

اس کے بعد بنوخزاعہ کا سردار عمرو بن سالم چالیس افراد کا وفد لے کر نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور مدد کی درخواست کی آپ ﷺ نے قریش کے پاس قاصد بھیجا اور تین شرائط پیش کیں۔

(۱) بنی خزاعہ کے قتل ہونے والے افراد کا خون بہا دیا جائے۔

(۲) قریش مکہ بنی بکر کی حمایت سے الگ ہو جائیں۔

(۳) تیسری صورت میں اعلان کر دیا جائے کہ حدیبیہ کا معائدہ ٹوٹ گیا۔

قریش کے نمائندے قرطہ بن عبد عمرو نے جواب دیا کہ ہم نہ قتل ہونے والوں کے خون کا معاوضہ دیں گے اور نہ اپنے حلیف قبیلہ بنی بکر کی مدد چھوڑیں گے البتہ تیسری شرط ہمیں منظور ہے اور ہم اعلان کرتے ہیں کہ حدیبیہ کا معائدہ ٹوٹ گیا۔ (۱۰۹)

قاصد کے جانے کے بعد قریش کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا چنانچہ انہوں نے تجدید عہد کے لیے ابوسفیان کو بھیجا جس نے مدینہ آ کر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں اپنا مدعا بیان کیا لیکن حضور کریم ﷺ نے

رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے پاس اپنی درخواست لے گیا تا کہ وہ نبی کریم (ﷺ) سے سفارش کر دیں۔ لیکن سب نے اس معاملے میں اپنی بے بسی کا اظہار کیا کہ اب تیر کمان سے نکل چکا ہے پھر اس نے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم ؓ کے مشورے کے مطابق مسجد میں جا کر بلند آواز سے اعلان کر دیا کہ میں نے معاہدہ حدیبیہ کی تجدید کر دی ہے اور قریش کو آگاہ کرنے کے لیے مکہ لوٹ گیا لیکن قریش اس یکطرفہ کاروائی سے مطمئن نہ ہو سکے انہوں نے یہ کہا کہ یہ نہ صلح ہے کہ اطمینان سے بیٹھا جا سکے اور نہ جنگ ہے کہ ہم اس کے لیے تیاری کریں۔

۱۰ رمضان ۸ھ حضور اکرم ﷺ دس ہزار جانثاروں کا لشکر لے کر مدینہ سے مکہ کی جانب روانہ ہوئے۔ آپ ﷺ نے اپنی جنگی تیاریاں صیغہ راز میں ہی رکھیں کیونکہ جنگ کی صورت میں خانہ کعبہ کی حرمت کی پامالی کا خدشہ تھا اس لیے آپ ﷺ خاموشی سے حملہ کرنا چاہتے تھے تا کہ کشت و خون ہونے نہ پائے اس غرض کے لیے آپ نے پر پیچ راستہ اختیار کیا کہ جب تک آپ مرالظہران پہنچ کر خیمہ زن نہ ہو گئے اس وقت تک کسی مکے والے کو خبر نہ ہو پائی۔ عشاء کے وقت لشکر مکہ کے قریبی مقام مرالظہران پہنچا اور وہاں قیام فرمایا۔ آپ ﷺ کے حکم سے ہر سپاہی نے اپنے لیے الگ الگ آگ روشن کی یعنی دس ہزار آگ جلائی گئی تا کہ مکہ والوں پر عیاں ہو جائے کہ کتنا بڑا لشکر ہے اور وہ خوف زدہ ہوں۔

ابواء کے مقام پر آپ ﷺ کے چچا زاد ابوسفیان بن حارث اور پھوپھی زاد عبداللہ بن ابی اُمیہ آ کر ملے ان دونوں نے آپ ﷺ کو سخت اذیت پہنچائی تھی لہٰذا آپ ﷺ نے انہیں دیکھ کر منہ موڑ لیا حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم ؓ نے ابوسفیان کو سکھایا کہ جا کر نبی کریم ﷺ سے وہی کلمات کہو جو حضرت یوسف کے بھائیوں نے ان سے کہے تھے۔

قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِئِيْنَ۝ (۱۱۰)

ترجمہ: ”اللہ کی قسم اللہ نے آپ کو ہم پر فضیلت بخشی ہے اور ہم ہی خطا کار ہیں۔“

آپ ﷺ نے ابوسفیان کو معاف کیا اور وہ مسلمان ہو چکا تو اسے پہاڑ کی چوٹی پر لے جا کر کھڑا کر

گیا، اس کی آنکھیں خیرہ ہوئیں دفعتاً لشکر کا سربراہ سعد بن عبادہ ؓ ابوسفیان کے قریب سے گزرا اور اسے دیکھ کر پرجوش انداز میں کہا:

الیوم یوم الملحمة الیوم تستحل الکعبه(۱۱۱)

ترجمہ: ''آج گھمسان کا دن ہے آج کعبہ حلال کر دیا گیا ہے۔''

یہ سنتے ہی فوراً ابوسفیان نے نبی کریم ﷺ پکار کر پوچھا آپ سن رہے ہیں سعد نے کیا کہا آپ ﷺ نے فرمایا:

فقال کذب سعد وّ لکن هذا یوم یّعظم اللّٰه فیه الکعبه و یوم تکسی فیه الکعبة (۱۱۲)

ترجمہ: ''سعد بن عبادہ نے غلط کہا ہے آج کا دن تو رحمت کا دن ہے۔''

مسلمانوں کا لشکر فاتحانہ شان وشوکت ساتھ مکّہ مین داخل ہوا، شہر میں داخل ہوتے ہی نبی کریم ﷺ نے جو پہلا فرمان جاری کیا وہ یہ تھا کہ جو شخص ہتھیار ڈال دے گا اس کے لیے پناہ ہے، جو شخص اپنا دروازہ بند کر کے اس کے لیے امان ہے، اور جو کعبہ میں داخل ہو جائے اس کے لیے امان ہے۔

اس موقع پر حضرت عباس ؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ ابوسفیان ایک فخر پسند آدمی ہے اس کے لیے بھی کوئی امتیازی بات بتا دیجیے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے اس کے لیے امان ہے۔(۱۱۳)

کیونکہ اتنے بڑے لشکر سے مقابلہ کے بعد فتح کی کوئی صورت دکھائی نہ دے رہے تھی لہٰذا اہل مکہ نے یوں ہی اپنے بچاؤ کو ترجیح دی اور اعلان کے ساتھ ہی اہلِ مکہ میں سے کوئی شخص ابوسفیان کے مکان میں چلا گیا کوئی مسجدِ حرام کی طرف بھاگا اور کوئی اپنے ہتھیار زمین پر رکھ کر کھڑا ہو گیا نتیجتاً خون خرابے کی نوبت ہی نہ آسکی۔ البتہ قریش کے ایک گروہ نے مقابلہ کا قصد کیا اور حضرت خالد ؓ کی فوج پر تیر برسائے چنانچہ تین صحابہ یعنی حضرت کرز ؓ بن جابر الفہری، حضرت حبیش بن اشعر، اور حضرت سلمہؓ

حضرت خالد ؓ نے مجبور ہو کر جوابی حملہ کیا۔ یہ لوگ ۱۳ لاشیں چھوڑ کر بھاگ نکلے، آنحضرت ﷺ نے تلواروں کا چمکنا دیکھا تو حضرت خالد ؓ سے باز پُرس کی۔ لیکن جب معلوم ہوا کہ ابتداء مخالفین نے کی تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ قضائے الٰہی یہی تھی۔ (۱۱۴)

جب نبی کریم ﷺ فاتحانہ طور پر مکہ میں داخل ہوئے تو آپ ﷺ اونٹنی پر سوار تھے لیکن عاجزی میں سر یوں جھکا تھا کہ پیشانی مبارک کجاوے کو چھو رہی تھی۔ آپ ﷺ نے بیت اللہ کا طواف کا کیا۔

صحیح بخاری میں درج ہے کہ:

حول البیت ستّون و ثلثمائه نصب فجعل یطعها بعو فی یـده و یـقول. جاء الحق وز هق الباطل، جاء الحق و ما یبدی الباطل وما یعید (۱۱۵)

ترجمہ: "بیت اللہ کے چاروں طرف تین سو ساٹھ بت نصب تھے۔ آپ ﷺ ایک چھڑی سے جو دست مبارک میں تھی مارتے جاتے اور اس آیت کی تلاوت کرتے جاتے تھے کہ حق آ گیا اور باطل مٹ گیا اور باطل مٹنے کی ہی چیز ہے۔"

اس کے بعد کعبہ کے اندر دو رکعت نماز ادا کی اور کعبہ کے دروازے پر کھڑے ہو گئے جہاں قریش کا ہجوم منتظر تھا کہ ان کی قسمت کے بارے میں کیا فیصلہ ہونے والا ہے آپ ﷺ نے وہیں کھڑے ہو کر خطاب فرمایا:

لا الٰه الّا اللّٰه وحده لا شریک اللّٰه صدق وعده و نـصـر عبـده هزم الاحزاب وحده الا کل ماثرةٍاو دمٍ او مـال یدعیٰ فهو تحت قدمی هاتین الأا سدانته البیت و سقایته الحجاج (۱۱۶)

نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا اس نے اپنے بندہ کی مدد کی، تمام جتھوں کو
تنہا چھوڑ دیا تمام مفاخر، تمام انتظامات، خون بہائے قدیم سب
میرے قدموں کے نیچے ہیں۔ صرف حرم کعبہ کی تولیت حجاج کی
آب رسانی اس سے مستثنیٰ ہے۔''

عرب میں بدلہ وانتقام عزت وغیرت کا مسئلہ گردانا جاتا تھا جس کے باعث سالہا سال تک خونریزی کا سلسلہ چلتا رہتا تھا لیکن نبی کریم ﷺ نے اس عظیم الشان فتح کے بعد تمام مفاخر کے متعلق فرمایا انہیں اپنے پاؤں سے کچل ڈالا ہے۔

فرمایا:

یا معشر قریش! ان اللّٰہ قد اذھب عنکم نخوہ الجاھلیة و تعظمھا بالآءِ النّاس من أدم و أدم من تراب (۱۱۷)

ترجمہ: ''اے قوم قریش اب جاہلیت کا غرور اور نسبت کا افتخار خدا نے مٹا دیا ہے۔ تمام لوگ آدم کی نسل سے ہیں اور آدم مٹی سے بنے تھے۔''

اس کے بعد آیتِ مبارکہ نازل ہوئی:

يَآ اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ط اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ط اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ۝ (۱۱۸)

ترجمہ: ''اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا، اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کی شناخت کر سکو، بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سے بہترین وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے اور اللہ بہتر جاننے والا اور خبر رکھنے والا ہے۔''

خطبہ کے بعد نبی کریم ﷺ نے عام مجموعہ کی جانب رُخ کیا یہ وہ لوگ تھے جن سے مسلمانوں کی

نبی کریم ﷺ نے مجموعہ عام سے اعلانیہ سوال کیا کہ تمہیں معلوم ہے کہ میں تمہارے بابت کیا فیصلہ کرنے والا ہوں انہوں نے آپ ﷺ سے اچھے سلوک کی توقع ظاہر کی اور کہا کہ آپ کریم بھائی ہیں اور کریم بھائی کی اولاد ہیں لہٰذا ہمیں آپ ﷺ سے اچھی اُمید ہے آپ ﷺ نے فرمایا:

لا تثریب علیکم الیوم اذ ھبوا فانتم الطلقا (۱۱۹)

ترجمہ: ''آج تم پر کوئی گرفت نہیں جاؤ تم سب آزاد ہو۔''

اچانک یہ فرمانِ رحمت سن کر لوگوں کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں اور ان کی زبانوں پر کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ جاری ہو گیا اور پھر آپ ﷺ کوہ صفا پر تشریف لے گئے جہاں لوگ جوق در جوق آپ ﷺ کے دستِ حق پر اسلام کی بیعت کرنے لگے۔ یہ اسلام کی بہت بڑی فتح تھی جس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی اور اس میں کوئی خون ریزی نہیں ہوئی اور نہ ہی فریقین میں کوئی معرکہ آرائی ہو پائی بلکہ وہ میدان جہاں لڑائی لڑی جانے والی تھی آناً فاناً ایک پُر امن مقام میں تبدیل ہو گیا اور مسلمانوں کے سپہ سالار نے اسے امن کا دن قرار دیا امن کا مستقل قیام ہی وہ مقصدِ اعلیٰ تھا جس کے لیے سابقہ جنگیں بھی لڑی گئیں۔

غزوہ حنین

حنین مکہ معظمہ اور طائف کے بیچ ایک وادی کا نام ہے جہاں رسول اللہ ﷺ ۸ ھ کو تشریف لے گئے۔ طائف کے قبائل ثقیف عز و شرف میں قریشِ مکہ سے برابری کا دعوی رکھتے تھے انہیں جب معلوم ہوا کہ پیغمبر اسلام (ﷺ) نے مکہ فتح کر لیا ہے تو وہ مسلمانوں کا غلبہ قبول کرنے کے لیے تیار نہ ہوئے اور حملہ کی تیاریاں شروع کر دیں نبی کریم ﷺ تک جب یہ خبر پہنچی تو آپ ﷺ نے تفتیش احوال کے لیے ابو حدرد اسلمی ؓ کو بھیجا جنہوں نے وہاں کی جنگی تیاریوں کے بابت اطلاع فراہم کی جس کے بعد آپ ﷺ اپنے بارہ ہزار جانثاروں کے ساتھ وادی کی جانب روانہ ہوئے۔ لشکر میں دس ہزار مسلمان اور دو ہزار غیر مسلم تھے جو مکہ سے مسلمانوں کے ساتھ ہو گئے تھے۔

جنگی ضروریات کے لیے آپ ﷺ نے عبداللہ بن ربیعہ سے تین ہزار درہم کی رقم قرض لی اور

اس دن اسلامی افواج اس جاہ وجلال سے آگے بڑھیں کہ بے اختیار صحابۂ کرامؓ کی زبان سے نکلا کہ آج ہم پر کون غالب آسکتا ہے لیکن خدائے برتر کو یہ تکبر پسند نہ آیا۔ فرمایا:

وَيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنكُمْ شَيْئًا وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُم مُّدْبِرِينَ ۝ (۱۲۱)

ترجمہ: ''حنین کے دن جبکہ تم کو اپنی (جماعت) کی کثرت پر غرور تھا وہ تمہارے کچھ بھی کام نہ آئی اور زمین باوجود اتنی بڑی فراخی کے تم پر تنگ ہوگئی پھر تم پیٹھ پھیر کر پھر گئے۔''

اسلامی لشکر رات کی تاریکی میں حنین پہنچا وادی کی گزرگاہ تنگ ہونے کے باعث پورے لشکر کا ایک ساتھ وہاں سے گزرنا محال تھا چنانچہ لوگ ٹولیوں کی صورت میں آگے بڑھنا شروع ہوئے لیکن ثقیف وہوزان کا لشکر پہلے سے ہی یہاں گھاٹیوں اور دروں پر قبضہ جما چکا تھا یہ ایسے پوشیدہ مقامات تھے جنہیں صرف وہاں کے مقامی لوگ ہی سمجھ سکتے تھے۔ مسلمانوں کو دشمن کی موجودگی کا احساس تک نہیں ہوسکا اور وہ بے خبری کے عالم میں اطمینان سے آگے بڑھ رہے تھے کہ اچانک ان پر تیروں کی بارش ہوگئی اور ساتھ ہی مقابل تلواروں کے ساتھ سامنے اُمڈ آئے اس اچانک حملہ سے اندھیری گھاٹی میں ہلچل مچ گئی اور مسلمانوں کو سنبھلنے کا موقع نہ مل سکا اور ان کے قدم اُکھڑ گئے اور فوج کا شیرازہ بکھر گیا۔ براء بن عازبؓ سے مروی ایک روایت میں مسلمانوں کی پسپائی کا سبب یوں بیان ہے:

كانت هوزان رماةً وَّ انّا لمّا حملنا عليهم انكشفوا فاكبينا على الغنائم فاستقبلنا بالسّهام (۱۲۲)

ترجمہ: ''ہوزان تیرانداز تھے ہم نے حملہ کیا تو بھاگ کھڑے ہوگئے اس کے بعد ہم غنیمت پر ٹوٹ پڑے تو تیروں سے ہمارا استقبال کیا گیا۔''

حضرت انسؓ سے مروی ہے:

بأحسن صفوف، رأيت ، صف الخيل ثمّ المقاتلة ، ثمّ
النساء من وراء ذلک ثم الغنم ثمّ النعم قال و نحن
بشر كثير و على ميمنه اخيلنا خالد بن وليدؓ فجعلت
خيلنا تلوذ خلف ظهورنا فلم تلبث أن وفكشف خيلنا
رفرت الأعراب و من تعلم من الناس (۱۲۳)

ترجمہ: ''ہم نے مکہ فتح کر لیا پھر حنین پر چڑھائی کی مشرکین اتنی عمدہ صفیں بنا کر آئے جو میں نے کبھی نہیں دیکھیں، سواروں کی صف، پیادوں کی صف، پھر ان کے پیچھے عورتیں پھر بھیڑ بکریاں پھر دوسرے چوپائے لوگ بڑی تعداد میں تھے ہمارے سواروں کے سربراہ حضرت خالد بن ولیدؓ تھے مگر ہمارے سوار ہماری پیٹھ کے پیچھے پناہ گیر ہونے لگے اور ذرا سی دیر میں ہمارے سوار بھاگنا کھڑے ہوئے، اعراب بھی بھاگے اور وہ لوگ بھی جنہیں تم جانتے ہو۔''

اس نازک وقت میں جب کسی کو کسی کا ہوش نہ رہا تھا اور بھاگنے والوں کا یہ حال تھا کہ اونٹ پر اونٹ چڑھا کر سب لوگ افراتفری کے عالم میں بھاگ رہے تھے آپ ﷺ کا رُخ کفار کی جانب تھا اور آپ ﷺ پیش قدمی کے لیے اپنی خچر کو ایڑ لگا رہے تھے اس وقت آپ ﷺ چند مہاجرین و اہل خاندان کے سوا کوئی نہ تھا ابن عمر سے روایت ہے:

لقد رأيتنا يوم حنين و أن الناس لمومنين و ما مع
رسول ﷺ مائة رجل (۱۲۴)

ترجمہ: ''میں نے اپنے لوگوں کو حنین میں دیکھا کہ انہوں نے پیٹھ پھیر لی تھی اور رسول ﷺ کے ساتھ ایک سو آدمی بھی نہیں تھے۔''

ہیں کہ میں نے مسلمانوں کو آواز دی تو انہوں نے جواب دیا رسول اللہ ﷺ ہم آپ کے ساتھ ہیں اب تو حال یہ تھا کہ جو بھی اپنے اونٹ کو پلٹنا چاہتا تھا اونٹ پلٹ نہ سکتا تھا تب مسلمانوں نے اپنی زرہیں اُتار کر اونٹوں کی گردنوں پر پھینکیں اور اپنی تلواروں اور ڈھالوں کے ساتھ اونٹوں سے کود کر خود کو رسول ﷺ کی خدمت میں پیش کیا اور اس جانبازی سے ہوزان کا مقابلہ کیا کہ وہ ڈر کر بھاگ کھڑے ہوئے اس جنگ میں کفار کے ستر افراد مارے گئے جب کہ چار مسلمان شہید ہوئے۔

غزوہ طائف

حنین سے بھاگنے والی فوج نے جا کر طائف میں پناہ لی اور مزید مقابلے کے لیے تیاریاں شروع کر دیں وہاں کے رئیس عروہ بن مسعود اور غیلان بن سلمہ نے قلعہ شکن آلات یعنی دبّابہ، ضبّور اور منجنیق کے بنانے اور استعمال کرنے کا فن سیکھا تھا جسے استعمال کرتے ہوئے اہلِ شہر اور حنین کی فوج نے یہاں ایک محفوظ قلعہ کی تعمیر کی اور سال بھر کا سامان رسد جمع کیا۔ آپ ﷺ کو جب اس کی خبر ملی تو طائف کی جانب روانہ ہوئے اور بیس دن تک شہر کا محاصرہ جاری رکھا، براہِ راست مقابلہ نہ ہوا زیادہ تر لوگ زخمی ہی ہوئے چند لوگ شہید بھی ہوئے۔

ابن ہشام کے مطابق:

مجميع من استشهد بالطائف من أصحاب رسول ﷺ اثنا عشر رجلاً و سبعه من قريش و أربعه من الانصار (۱۲۵)

ترجمہ: ''کل بارہ آدمی تھے جن میں سات قریشی ہیں، چار انصاری اور ایک آدمی بنی لیث کا۔''

غزوہ تبوک

تبوک مدینہ اور شام کے درمیان واقع ایک مقام ہے اسی نام کا یہاں ایک چشمہ بھی ہے ملک شام پر اس وقت عیسائی غسانی خاندان کی حکومت تھی مسلمانوں کو اطلاع ملی کہ قیصر روم نے تمام قبائل کے

سے ملی جو مدینہ میں زیتون بیچنے آیا کرتے تھے۔ رومیوں کی اسلام دشمنی کوئی ڈھکی چھپی بات نہ تھی اس لیے خبر کے غلط ہونے کا شبہ نہیں کیا گیا۔ آپ ﷺ نے فوج کو تیاری کا حکم دیا اگر چہ یہ تنگی وعسرت، گرمی کی تیزی وشدت اور قحط وافلاک کا زمانہ تھا۔ لیکن ان سب تکالیف کے باوجود مسلمان حکم ملتے ہی اُٹھ کھڑے ہوئے حالانکہ اس وقت عربوں پر قیصر روم کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی اور مسلمانوں میں موجود منافقین نے خدشہ کا اظہار بھی کیا کہ سخت گرمی کے زمانہ میں اپنے سے زیادہ طاقتور دشمن کے مقابلے میں نکلنا ٹھیک نہیں لیکن منافقین کے ورغلانے کے باوجود تقریباً تیس ہزار کا لشکر تیار ہو گیا۔

حتی قدم تبوک فی ثلاثین ألفاً من الناس و الخیل عشر الف فرس (۱۲۶)

ترجمہ: ''غرض آپ ﷺ تیس ہزار فوج کے ساتھ مدینہ سے نکلے جس میں دس ہزار گھوڑے تھے۔''

لیکن اتنے بڑے لشکر کے لیے سامان جنگ اور اسلحہ وغیرہ کا انتظام کرنا قحط کے زمانے میں مشکل کام تھا تمام قبائل عرب سے مالی امداد طلب کی مسلمانوں نے اپنی حیثیت سے بڑھ کر مدد کی، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے گھر کا سارا سامان دے دیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی کل مال کا نصف لے کر حاضر ہوئے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ایک ہزار دینار خرچ کیے غرض ہر شخص نے اپنی ہمت کے مطابق دل کھول کر مدد کی۔

آپ ﷺ نے مدینہ کا نظم نسق حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم رضی اللہ عنہ کے حوالے کیا اور خود لشکر کے ساتھ تبوک روانہ ہو گئے تبوک پہنچ کر معلوم ہوا کہ خبر درست نہ تھی کیونکہ رومی لشکر کا دور دراز تک نام و نشان نہ تھا۔ چنانچہ آپ ﷺ بیس دن کے قیام کے بعد واپس مدینہ لوٹ آئے۔

نبی کریم ﷺ کی فوجی مہمات پر نظر ڈالنے سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ آپ ﷺ کی شاندار قیادت نے جنگ کا مفہوم بدل کر رکھ دیا۔ ان تمام اسباب و وجوہات اور اغراض جنگ کو ختم کر ڈالا جن کے لیے جاہلیت میں جنگیں لڑی جاتی تھیں۔ عربوں میں سب سے بڑا ذریعہ معاش غارت گری ہی تھا۔ گویا ''معاش'' کسی بھی جنگ کا سب سے بنیادی مقصد ہوتا تھا اور ''انتقام'' دوسرا بڑا سبب، اور ان سطحی مقاصد کے لیے لڑی جانے والی لڑائیوں میں ظلم، سفاکی، اور درندہ پن کی انتہا ہوتی۔ ہزاروں برسوں سے جاری عادات و رسومات کے اثرات لمحوں میں ختم ہو جانا اور دل و دماغ سے محو ہو جانا ممکن نہیں، اسی لیے ابتداء میں مسلمانوں کے اندر بھی اسی جاہلی معاشرے کے اثرات باقی نظر آئے کیونکہ وہ صدیوں سے انہی روایات کے ساتھ زندہ تھے۔ انقلابات غلط اور فرسودہ روایات کو تبدیل کر دیتے ہیں اس میں کوئی شبہ نہیں کہ انقلابِ اسلام نے ان تمام فرسودہ روایات کو جڑ سے اُکھاڑ پھینکا تاہم بشری تقاضوں کے پیشِ نظر ان اثرات کو ذہنوں سے محو ہونے میں کچھ وقت ضرور لگتا ہے یہی وجہ ہے کہ غزوۂ بدر میں لوگ مالِ غنیمت یکجا کیے بغیر ہی غنیمت سمیٹنے میں مشغول ہو گئے اس پر آیتِ کریمہ نازل ہوئی:

لَوۡ لَا كِتَـٰبٌ مِّنَ ٱللَّهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمۡ فِيمَآ أَخَذۡتُمۡ عَذَابٌ عَظِيمٌ۝ (۱۲۷)

ترجمہ: ''اگر خدا کی جانب سے پہلے حکم نہیں آیا ہوتا تو جو کچھ تم نے لیا اس پر تمہیں عذاب ہوتا۔''

اس کے بعد غزوۂ اُحد میں مسلمانوں کو جو ہزیمت اُٹھانی پڑی اس کا باعث بھی غنیمت کی محبت و وارفتگی تھی جس کے باعث اس گروہ نے اپنے سپہ سالار کے حکم و ہدایات کو فراموش کر دیا اور نقصان اُٹھایا، حنین میں بھی ایسا ہی ہوا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے غنیمت کی جانب مسلمانوں کا شغف کم کرنے کی کوشش کی اور مال و دولت، زمین و ملک، شہرت و ناموری کے لیے کی جانے والی ہر جنگ کو رد کر دیا صرف اللہ کا کلمہ بلند کرنے کی کاوش کو جہاد قرار دیا۔ فرمایا:

ترجمہ: ''جو شخص جنگ میں اس ارادہ سے شریک ہوتا ہے کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو تو یہ شرکت اللہ تعالیٰ کے راستے میں ہوگی۔''

تاہم وقت کے ساتھ جیسے جیسے اسلام کے عظیم نظریات کو زور و قوت حاصل ہوتی گئی قدیم اطوار و اثرات مٹتے چلے گئے اور جنگ کا مقصد انسان کو قہر و ظلم کے نظام سے نکال کر عدل و انصاف کے نظام میں لانا قرار پایا۔ مسلمانوں کو اتنی ہی طاقت کے استعمال کی اجازت دی گئی جتنی شر کے دفع کے لیے ضروری ہو اور وہ بھی انہیں طبقوں کے خلاف جو عملاً برسرِ پیکار ہوں، جنگ کا حقیقی مقصد دائمی امن کا حصول قرار دیا جس کا عملی ثبوت غزواتِ نبوی اور فتح اسلام کے بعد کا نظامِ حکومت کی صورت میں سامنے آیا۔ آپ ﷺ نے جنگ کے لیے جو قوائد و ضوابط بنائے اپنے فوجی کمانڈروں پر اس کی پابندی ضروری قرار دی اور خود عہدِ نبوی کی جنگیں ان اصولوں پر عمل پیرا ہونے کا عملی نمونہ ہیں مثلاً قریش سے کیے وعدہ کے باعث حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بن یمن کو جنگِ بدر میں شریک نہ ہونے دیا، کفار سے کیے معاہدہ حدیبیہ کی خاطر ابوجندل کو مسلمان ہونے کے باوجود واپس کر دیا، اُحد میں دشمن نے آپ ﷺ کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا جگر چاک اور ناک کان کاٹ دیے گئے وقتی صدمے کے باعث آپ ﷺ نے ارادہ کیا کہ قریش پر غلبہ ہو جائے تو ان کے تیس افراد کا ایسے ہی مثلہ کریں گے اس پر اللہ کی جانب سے حکم ہوا:

وَ اِنۡ عَاقَبۡتُمۡ فَعَاقِبُوۡا بِمِثۡلِ مَا عُوۡقِبۡتُمۡ وَلَئِنۡ صَبَرۡتُمۡ خَيۡرٌ لِّلصّٰبِرِيۡنَ۝ (۱۲۹)

ترجمہ: ''اگر سزا دو تو اسی سزا کی مثل دو جو تمہیں دی گئی ہے اور اگر صبر سے کام لو تو یہ صبر کرنے والوں کے لیے زیادہ بہتر ہے۔''

آپ ﷺ نے صبر کو پسند فرمایا اور اس کے بعد مثلہ کی ممانعت فرما دی۔ بنی قینقاع و نضیر میثاق کی خلاف ورزی کرتے ہوئے فتنہ و بغاوت کے مرتکب ہوئے لیکن ان پر قابو پانے کے باوجود نہ صرف ان کی جان بخشی کی بلکہ اپنی تمام منقولہ جائداد ساتھ لے جانے کی اجازت دی۔ غزوہ طائف کے چھ ہزار

غزواتِ نبوی پر نظر ڈالنے کے بعد ایک بات یہ عیاں ہوتی ہے کہ کل غزوات کا انتخاب کیا جائے تو ان کا شمار بہت کم نکلتا ہے گو کتب سیر و مغازی میں ان کی تعداد بہت نظر آتی ہے لیکن اس کا سبب یہ ہے کہ جو اسلامی دستے تکمیل معائدات، تبلیغ اسلام، یا دیگر مقاصد کے لیے بھیجے گئے ان کا شمار بھی غزوات میں کر دیا گیا ہے جیسے غزوہ ابواء غزوہ ذوالعشیرہ، غزوہ ذی امر، بدالاخر، بنولحیان، وادی القریٰ، ذات الرقع تبوک، یہ محض حملہ آوروں کو مرعوب کر کہ حملہ سے باز رکھنے کے لیے بھیجے گئے دستے تھے اسی طرح غزوہ ذی قرد، حمراء الاسد، طائف، سویق، میں بھی محض دشمن کا تعاقب تھا اور کسی قسم کی معرکہ آرائی نہیں ہوئی تھی۔

قریش کے حملے کے نتیجے میں باقاعدہ وقوع پزیر لڑائیوں کی تعداد چار ہے (۱) بدر، (۲) اُحد (۳) احزاب، (۴) حنین اور چار جنگوں میں یہود سے سامنا رہا، (۱) قینقاع، (۲) بنونضیر، (۳) بنی قریظہ (۴) خیبر۔ ان معرکوں میں سے پہلی دو میں مطلق خون ریزی نہیں ہوئی۔ گویا کل غزوات بدر، اُحد، احزاب، خیبر، فتح مکہ، حنین، بنی قریظہ پر مشتمل ہیں اور ان میں سے بھی کوئی واقعہ ایسا نہیں جس میں مسلمانوں نے حملہ میں پہل کی ہو۔ جس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ مسلمان جنگجو نہ تھے بلکہ جنگ پر مجبور تھے۔ دورانِ مسلمان جن اُصول وضوابط پر عمل پیرا رہے انہیں کے باعث ان لڑائیوں میں کل نقصان بہت معمولی رہا، گویا مسلمانوں کی مؤثر حکمت عملی کے باعث تمام غزوات میں انسانی جانوں کا زیاں جنگ میں شامل لشکروں کے حساب سے بہت ہی محدود رہا۔

کل نقصان حسبِ ذیل رہا:

نام فریق	اسیر	مقتول	کل
مسلمان	۱	۱۱۳	۱۱۴
مخالف	۶۵۶۴	۶۵۰	۷۲۱۴
میزان	۶۵۶۵	۷۶۳	۷۳۲۸

(۱) نصیر احمد جامعی، ***مشہور اسلامی جنگیں*** : لاہور، احسن برادرز، ۱۹۶۵ء، ص:۲۱

(۲) بخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسمٰعیل بخاری، ***صحیح بخاری*** : بیروت، دار الکتبۃ العلمیۃ، ص:۲، ج:۴

(۳) ***القرآن*** ۲۲ : ۳۹

(۴) بخاری، ***صحیح بخاری*** : محولہ بالا، ص:۳، ج:۴

(۵) ابن سعد، ***طبقات الکبریٰ*** : بیروت، دار سادر، ۹۶۵ھ، ص:۶۵، ج:۳

(۶) شبلی نعمانی، ***سیرۃ النبی ﷺ*** : لاہور، ناشرانِ قرآن لمیٹڈ، ص:۲۱۶، ج:۱

(۷) ایضاً

(۸) ابن سعد، ***طبقات الکبریٰ*** محولہ بالا، ص:۹، ج:۳

(۹) ابی جعفر محمد بن جریر الطبری، ***تاریخ الطبری*** : قاہرہ، دار المعارف المصر ص:۴۳۲، ج:۳

(۱۰) ابنِ خلدون، عبدالرحمٰن بن محمد بن خلدون، ***تاریخ ابن خلدون*** : بیروت، موسسۃ جمال للطباعۃ والنشر ص:۱۹، ج:۳

(۱۱) صفی الدین مبارک پوری، ***سیرۃ النبی ﷺ*** : لاہور، دار الاندلس، ص:۱۹۲

(۱۲) القرآن ۸:۵

(۱۳) مودودی، ابوالاعلیٰ مودودی، ***تفہیم القرآن*** : لاہور، ترجمان القرآن، ۱۹۸۳ء، ص:۱۳۳، ج:۲

(۱۴) اسلم سیراج پوری، ***تاریخ الامت*** : لاہور، دوست ایسوسی ایٹس، ۱۹۹۶ء، ص:۷۰

(۱۵) ابنِ خلدون، ***تاریخ ابن خلدون***، محولہ بالا، ص:۸۳، ج:۳

(۱۶) اسلم سیراج پوری، ***تاریخ الامت***، محولہ بالا، ص:۷۱

(۱۸) اسلم سیراج پوری، *تاریخ الامت*، محولہ بالا، ص:۸۴

(۱۹) ایضاً

(۲۰) *القرآن* ۸ : ۱۱

(۲۱) مودودی، *تفہیم القرآن*، محولہ بالا، ص:۱۲۵، ج:۲

(۲۲) *القرآن* ۸ : ۱۷

(۲۳) *القرآن* ۸ : ۴۹

(۲۴) ابوالکلام آزادؒ، *رسول رحمت ﷺ* : لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۸۱ء، ص:۴۹۰

(۲۵) اسلم سیراج پوری، *تاریخ الامت*، محولہ بالا، ص:۱۰۸

(۲۶) *القرآن* ۸ : ۷۰

(۲۷) *القرآن* ۵ : ۸۲

(۲۸) ابن اثیر، *الکامل فی التاریخ* : بیروت، دار بیروت للطباعۃ والنشر، ۱۹۶۵ء، ص:۱۳۸، ج:۲

(۲۹) ابن اثیر، *الکامل فی التاریخ*، محولہ بالا، ص:۱۴۱، ج:۳

(۳۰) الطبری، *تاریخ الطبری*، محولہ بالا، ص:۵۰۰، ج:۳

(۳۱) ابوالکلام آزادؒ، *رسول رحمت ﷺ*، محولہ بالا، ص:۲۹۹

(۳۲) *القرآن* ۸ : ۳۶

(۳۳) الطبری، *تاریخ الطبری*، محولہ بالا، ص:۵۰۱

(۳۴) محمد بن عمر واقدی، *کتاب المغازی للواقدی* : لندن، المطبعۃ الجامعۃ آکسفورڈ، ۱۹۶۶ء، ص:۲۵۳، ج:۳

(۳۵) شبلی نعمانی، *سیرۃ النبی ﷺ*، محولہ بالا، ص:۳۷۵، ج:۱

(۳۶) ایضاً

(۳۸) بخاری، *صحیح بخاری،* محولہ بالا، ص:۲۹، ج:۴

(۳۹) القرآن ۳ : ۱۲۲

(۴۰) بخاری، *صحیح بخاری،* محولہ بالا، ص:۲۹، ج:۴

(۴۱) صفی الرحمٰن مبارک پوری، *الرحیق المختوم* : لاہور، المکتبۃ السلفیۃ، ص:۳۴۸

(۴۲) ایضاً

(۴۳) بخاری، *صحیح بخاری،* محولہ بالا، ص:۳۶، ج:۴

(۴۴) صفی الرحمٰن مبارک پوری، *الرحیق المختوم،* محولہ بالا، ص:۳۶۰

(۴۵) ایضاً

(۴۶) *القرآن* ۳ : ۱۲۸

(۴۷) مسلم بن حجاج القشیری، صحیح مسلم : *بیروت، احیاء التراث العربی،* ۱۹۵۵ء، ص:۱۴۱۸، ج:۵

(۴۸) شبلی نعمانی، *سیرۃ النبی ﷺ،* محولہ بالا، ص:۳۸۳، ج:۱

(۴۹) صفی الرحمٰن مبارک پوری *مختصر سیرۃ النبی ﷺ،* محولہ بالا، ص:۲۱۳

(۵۰) شبلی نعمانی، *سیرۃ النبی ﷺ،* محولہ بالا، ص:۳۸۲، ج:۱

(۵۱) *القرآن* ۳ : ۱۴۴

(۵۲) مودودی، *تفہیم القرآن،* محولہ بالا، ص:۲۹، ج:۱

(۵۳) بخاری، *صحیح بخاری،* محولہ بالا، ص:۲۹، ج:۷

(۵۴) *القرآن* ۳ : ۱۶۵

(۵۵) ابوالکلام آزادؒ، *رسول رحمت ﷺ،* محولہ بالا، ص:۳۱۶

(۵۶) *القرآن* ۳ : ۱۴۹

(۵۷) *القرآن* ۳ : ۱۶۱

(۵۹) القرآن ۳ : ۱۵۵

(۶۰) القرآن ۳ : ۱۷۴

(۶۱) ابن ہشام، ابی محمد بن عبدالملک بن ہشام المعافری، *السیرۃ النبویہ*: القاہرہ، مکتبۃ الکلیۃ الازہریۃ، ص:۸۶، ج:۶

(۶۲) ابن اثیر، *الکامل فی التاریخ*، محولہ بالا، ص:۱۸۳، ج:۳

(۶۳) الطبری، *تاریخ الطبری*، محولہ بالا، ص:۵۵۲، ج:۳

(۶۴) القرآن ۸ : ۵۸

(۶۵) الطبری، *تاریخ الطبری*، محولہ بالا، ص:۵۵۲، ج:۳

(۶۶) ابن سعد، *الطبقات الکبری*، محولہ بالا، ص:۵۸، ج:۳

(۶۷) ابن اثیر، *الکامل فی التاریخ*، محولہ بالا، ص:۱۷۳، ج:۳

(۶۸) مودودی، *تفہیم القرآن*، محولہ بالا، ص:۳۸۴، ج:۵

(۶۹) القرآن ۵۹ : ۲

(۷۰) القرآن ۵۹ : ۱۱

(۷۱) ابن سعد، *الطبقات الکبری*، محولہ بالا، ص:۶۱، ج:۳

(۷۲) ابن اثیر، *الکامل فی التاریخ*، محولہ بالا، ص:۱۲۶، ج:۳

(۷۳) ابن ہشام، *السیرۃ النبویۃ*، محولہ بالا، ص:۲۱۰، ج:۳

(۷۴) ایضاً

(۷۵) شبلی نعمانی، *سیرۃ النبی*، محولہ بالا، ص:۴۱۴، ج:۱

(۷۶) ابن ہشام، *السیرۃ النبویہ*، محولہ بالا، ص:۲۱۵، ج:۳

(۷۷) ابن سعد، *الطبقات الکبری*، محولہ بالا، ص:۶۶، ج:۳

(۷۹) ابن اثیر، *الکامل فی التاریخ*، محولہ بالا، ص:۱۷۹، ج:۳

(۸۰) بخاری، *صحیح بخاری*، محولہ بالا، ص:۴۵، ج:۵

(۸۱) *القرآن* ۳۳ : ۱۲

(۸۲) *القرآن* ۳۳ : ۱۰

(۸۳) ابن ثیر، *الکامل فی التاریخ*، محولہ بالا، ص:۱۷۹، ج:۳

(۸۴) الطبری، *تاریخ الطبری*، محولہ بالا، ص:۳۱۶، ج:۳

(۸۵) *ضیائے حرم*، سہادت علی قادری، **سیرۃ طیبہ وانسداد دہشت گردی**، لاہور، جون ۲۰۰۴ء، ص:۱۹

(۸۶) *القرآن* ۳۳ : ۹

(۸۷) *القرآن* ۳۳ : ۲۵

(۸۸) بخاری، *صحیح بخاری*، محولہ بالا، ص:۴۹، ج:۵

(۸۹) ابن ہشام، *السیرۃ النبویہ*، محولہ بالا، ص:۴۶، ج:۳

(۹۰) شبلی نعمانی، *سیرۃ النبی*، محولہ بالا، ص:۴۳۵، ج:۱

(۹۱) بخاری، *صحیح بخاری*، محولہ بالا، ص:۵۰، ج:۵

(۹۲) ابن ہشام، *السیرۃ النبویہ*، محولہ بالا، ص:۱۳۶، ج:۳

(۹۳) مودودی، *تفہیم القرآن*، محولہ بالا، ص:۵۵، ج:۵

(۹۴) ابن اثیر، *الکامل فی التاریخ*، محولہ بالا، ص:۲۰۰، ج:۳

(۹۵) ابن خلدون، *تاریخ ابن خلدون*، محولہ بالا، ص:۳۴، ج:۳

(۹۶) بخاری، *صحیح بخاری*، محولہ بالا، ص:۶۲، ج:۵

(۹۷) ایضاً

(۹۸) ابن سعد، *طبقات الکبری*، محولہ بالا، ص:۹۷، ج:۳

(۱۰۰) شبلی نعمانی، *سیرۃ النبی ﷺ*، محولہ بالا، ص:۴۸۷، ج:۱

(۱۰۱) ابن سعد، *طبقات الکبریٰ*، محولہ بالا، ص:۱۰۶، ج:۳

(۱۰۲) ابن اثیر، *الکامل فی التاریخ*، محولہ بالا، ص:۲۱۶، ج:۳

(۱۰۳) ابن ہشام، *السیرۃ النبویہ*، محولہ بالا ص:۲۱۲، ج:۳

(۱۰۴) *ضیائے حرم*، سہادت علی قادری، سیرۃ طیبہ وانسداد دہشت گردی، محولہ بالا، ص:۲۷

(۱۰۵) صفی الرحمٰن مبارک پوری، *سیرۃ النبی ﷺ*، محولہ بالا، ص:۲۹۰

(۱۰۶) *نقوش*، غلام جیلانی برق، **رسول ﷺ کے جنگی کارنامے**، ادارہ فروغ اُردو، ص:۴۲۴، ج:۱۲

(۱۰۷) ابن قیم، الجوزیہ *زادالمعاد*، مکتبہ المنار الاسلامیہ، ۱۹۷۹ء، ص:۳۲۸، ج:۳

(۱۰۸) *نوائے وقت*، *سنڈے میگزین*، خواجہ عابد نظامی، اسلام اور جہاد، ۴ ستمبر ۲۰۰۳ء

(۱۰۹) ایضاً

(۱۱۰) *القرآن* ۱۲ : ۹۱

(۱۱۱) بخاری، *صحیح بخاری*، محولہ بالا، ص:۹۲، ج:۵

(۱۱۲) ایضاً

(۱۱۳) *نوائے وقت*، عابد نظامی، **اسلام اور جہاد**، محولہ بالا، ص:۱۰

(۱۱۴) شبلی نعمانی، *سیرۃ النبی ﷺ*، محولہ بالا، ص:۵۱۵، ج:۱

(۱۱۵) بخاری *صحیح بخاری*، ص:۹۶، ج:۵

(۱۱۶) ابن ہشام، *السیرۃ النبویہ*، محولہ بالا، ص:۵۲، ج:۴

(۱۱۷) ایضاً

(۱۱۸) *القرآن* ۴۹ : ۱۳

(۱۱۹) شبلی نعمانی، *سیرۃ النبی ﷺ*، محولہ بالا، ص:۵۱۵، ج:۱

(۱۲۱) القرآن ۹ : ۲۵

(۱۲۲) ابن حجر، شہاب الدین ابی فضل اعسقلانی، *فتح الباری* : مصر، شرکۃ مکتبۃ ومطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی واولادہ، ۱۰۵۹ء، ص: ۹۳، ج: ۹

(۱۲۳) ایضاً

(۱۲۴) بخاری، *صحیح بخاری*، محولہ بالا، ص: ۱۰۲، ج: ۵

(۱۲۵) ابن ہشام، *السیرۃ النبویہ*، محولہ بالا، ص: ۹۶، ج: ۳

(۱۲۶) *القرآن* ۹ : ۸۲

(۱۲۷) *القرآن* ۹ : ۹

(۱۲۸) بخاری *صحیح بخاری*، محولہ بالا، ص: ۳۶۴، ج: ۳

(۱۲۹) *القرآن* ۱۶ : ۱۲۶ ۔ ۱۲۷

باب سوم

بیسویں صدی کی عالمگیر جنگیں

بیسویں صدی کی عالمگیر جنگیں

دنیا کی مہذب اقوام جن کا عمل تہذیب جدید کا معیار ہے کن اغراض و مقاصد کے لیے میدانِ جنگ میں اُتریں، ان جنگوں کا پسِ منظر کیا تھا، اور ان کا حاصل وزیاں کیا رہا؟ آیا ان جنگوں نے نسلِ انسانی کی فلاح و تکمیل میں بھی کوئی کردار ادا کیا یا پھر انسانیت کو گزند پہنچانے کا باعث بنی؟ یہ تمام تحقیق طلب سوالات ہیں۔

جنگ کی تعریف

عام طور پر جب دو مقتدر ریاستوں کے اختلافات اس نقطہ پر پہنچ جائیں کہ فریقین طاقت کے استعمال پر اُتر آئیں تو جنگ چھڑ جاتی ہے فریقین میں یہ مقابلہ جاری رہتا ہے تادم کہ ایک فریق ہتھیار ڈال دے یا فریقِ ثانی کی من مانی شرائط قبول کر لے۔

جنگ کی کسی ایک تعریف پر تمام ماہرینِ قانون وسیاسیات متفق نہیں ہیں بلکہ ہر ایک نے اپنے اپنے نقطہ نگاہ سے اس کی تعریف کی انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا میں جنگ کی تعریف ان الفاظ:

A state of usually open and declared armed hostile conflict between political units,such as states or nations.(1)

گویا جنگ ایک ایسی مسلح کاروائی کا نام ہے جو دو مخالف گروہ انسانی گروہ زبردستی اپنی پالیسی ایک دوسرے پر ایک دوسرے پر مسلّط کرنے کے لیے شروع کرتے ہیں۔

اوپن ہیم نے جنگ کی تعریف یوں کی ہے:

"War is a contention between two or more states through your armed forces for the purpose of over powering each other." (2)

War there fore is an act of violence intended compel our opponents to fulfill our will.(3)

جنگ کا کوئی واضح فلاحی مقصد کبھی بھی نہیں ہوتا بلکہ یہ دو متحارب سیاسی قوتوں کے درمیان مقابلہ و کشمکش کا نام ہے جس کا مقصد دوسرے پر برتری و فوقیت حاصل کرنا ہوا کرتا ہے۔ یہ دراصل مادّی، نفسیاتی، معاشرتی اور روایتی مفادات کے ٹکراؤ کا نام ہے۔ جنگ جیسے سنگین سماجی مسئلہ کو محض ایک نقطہ نگاہ سے نہیں سمجھا جا سکتا کیونکہ کسی بھی جنگی و حربی کاروائی کے پسِ منظر میں بہت سے سیاسی، سماجی، معاشرتی اور مذہبی عوامل کارفرما ہوتے ہیں۔

بین الاقوامی ماہرینِ قوانین و سیاسیات جنگ کے اسباب و عوامل جاننے کی خاطر تحقیق میں مصروف ہیں تاہم اس سلسلے میں کوئی حتمی بیان قابلِ قبول نہیں گردانا جا سکتا بلکہ مختلف اوقات میں مختلف عوامل جنگ کا باعث بنتے رہے ہے۔

Quincy Wright نے اپنی کتاب Study of war میں اسبابِ جنگ کی بابت لکھا ہے:

"They have been obliged to acknowledge the occurrence of interventions, aggressions, reprisals, defensive ,expeditions, sanctions, armed neutralities, insurrection, rebellion, mob violence, piracy, banditry, laying some where between war and peace as those terms are popularly understood." (4)

سترھویں صدی تک زیادہ تر جنگیں مذہبی عوامل کے باعث واقع پزیر ہوئیں۔ ۱۵۲۰ء تا ۱۶۶۸ء کی جنگوں کو "Religion Wars" کا نام دیا گیا ہے۔ اس کے بعد آہستہ آہستہ صورتِ حال تبدیل ہونا شروع ہوئی اور جنگوں میں ملوکیت و حکومت کا عنصر زیادہ نمایاں ہونے لگا۔ چنانچہ ۱۶۱۸ء تا ۱۶۴۸ء تک طویل مدت جاری رہنے والی جنگ جو جنگِ سی سالہ کہلاتی ہے کا اہم مقصد سرحدوں میں اضافہ، کالونیوں کی وسعت، سمندری سرحدوں پر غلبہ، اپنی سرحدوں کی حفاظت، توازنِ طاقت اور دیگر سیاسی عوامل کارفرما

تر جنگوں کا اہم محرک معاشی اجارہ داری رہا ہے یہ وہ وقت تھا جب انگلستان تمام منڈیوں پر چھا چکا تھا اور مزید غلبہ حاصل کرنے کے لیے سرگرداں تھا جس کے باعث رفتہ رفتہ دیگر ممالک کے ساتھ اس کی کشمکش پیدا ہونا شروع ہوگئی جس نے بڑھتے بڑھتے بالآخر جنگی صورت اختیار کر لی اسی طرح کی معاشی و مادّی کشمکش بیسوی صدی کی جنگوں میں بھی نظر آتی ہے۔ اس صدی کی دونوں عالمگیر جنگوں میں دیگر وجوہات کے ساتھ اہم فیکٹر یہی معاشی اور سیاسی غلبہ کی ہوس رہا ہے۔

Economic factors operate less or direct pull to war among civilized people than as an indirect push. (5)

قوانین جنگ اور عالمی جنگیں

سترھویں صدی سے قبل یورپ میں بھی قوانینِ جنگ کا کوئی تصوّر موجود نہ تھا اور ہر جگہ ہی دورانِ جنگ کسی قسم کی حدود و قیود بعید از امکان گردانی جاتی تھیں جنگ میں ہر طرح کی ضرر رسانی جائز تھی لہٰذا مخالفین ایک دوسرے کو گزند پہنچانے کے لیے بڑے سے بڑے ظلم سے بھی دریغ نہ کرتے تھے اور ایسا کوئی قائدہ وقانون نہ تھا جو انہیں اس ظلم سے باز رکھ سکتا۔

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں اس بابت درج ہے:

No treaties prohibiting brutal acts in battle had been negotiated between states, nor had there developed a uniform practice among states that considered themselves civilized to avoid such conduct. (6)

اس دور میں دشمن کی حدود میں موجود کسی بھی فرد کا قتل نہ صرف جائز بلکہ ضروری سمجھا جاتا تھا اور اس میں بچے، بوڑھے یا عورت کا کوئی استثناء نہیں تھا عملاً اور نہ ہی اعتقاداً اہلِ قتال و غیر اہلِ قتال میں کوئی امتیاز پایا جاتا تھا۔

وقوع پذیر ہولناک مظالم اور اس کے نتیجے میں ہونے والی تباہی نے پورے یورپ کو تھرا کر رکھ دیا اور اربابِ فکر کو اس جانب متوجہ کیا کہ دورانِ جنگ اخلاقی حدود و قیود باقی رکھنے کے لیے کوئی لائحہ عمل مرتب کیا جائے۔ اس جنگ کو "The Age of the Judge" بھی کہا جاتا ہے کیونکہ اسی جنگ کے دوران بنیادی جنگی قوانین منظورِ عام پر آئے۔ اس جنگ کی تباہ کاریوں سے دلبرداشتہ ہو کر ہالینڈ کے Hogo Grotius نے ۱۶۲۵ء میں قانون کی مشہور کتاب (De Jure Belliac Pacis) لکھی جسے بین الملّی قوانین کی بنیاد گردانا جاتا ہے یہ قوانینِ جنگ کے نفوذ کی جانب پہلا قدم تھا جس کے بعد یورپ کے دیگر اہلِ علم اس مسئلہ کی جانب متوجہ ہونا شروع ہوئے۔ ۱۹۶۰ء میں (Samuel Pufendor) نے قانون بین الاقوام پر (De Jure Nature Genitum) کے عنوان سے ایک کتاب لکھی یوں تصانیف کا ایک سلسلہ شروع ہوا جس کی بدولت اٹھارویں صدی تک یہ قانون پورے ایک نظام کی شکل اختیار کر گیا۔

عملی صورت میں جنگِ سی سالہ کے اختتام پر ہونے والا معاہدہ (Westphalia) پہلی بار قانون بین الاقوام کا باعث بنا۔

Finally when the participants had exhausted their recourses, the war was terminated by the peace of westphalia of 1648. The peace of Westphalia thus marked the beginning of new era in inter national relation. (7)

اس کے بعد ایک صدی تک اسی معائدے کو یورپ میں قانون کی حیثیت حاصل رہی تاہم انیسویں صدی کے وسط تک یورپین سلطنتوں اور فوجوں میں جنگی صورتِ حال کے لیے کوئی واضح قانون رائج نہ ہو سکا۔ ۱۸۶۳ء میں امریکہ کے Francis leiber نے پہلا فوجی ضابطہ اخلاق مرتب کیا جس میں دورانِ جنگ فوجوں کے طریقِ عمل کو منضبط کرنے کی ہدایات جاری کی گئیں جن کے مطابق غیر مقابل افراد کی حفاظت، جنگی قیدیوں سے متعلق قوانین، اور جنگی جرائم پر سزا کے احکامات جاری کرنے پر زور دیا

اطلاق نہ ہوسکا۔اس کے بعد یورپین ممالک، جرمنی، فرانس، روس، اور انگلستان نے بھی اس جانب قدم بڑھایا۔گویا مغربی دنیا نے انیسویں صدی کے آخر میں ان اخلاقی حدود وقیود اور قوانین وضوابط پر نگاہ کی جن کا سرزمینِ عرب میں بارہ سو سال قبل عملی نفوذ بھی ہو چکا تھا۔

۱۸۶۴ء میں سوئز رلینڈ کی حکومت نے جنیوا کے مقام پر ایک بین الملی اجتماع قائم کیا جس میں تمام یورپین ریاستوں کے چھتیس سے زائد نمائندوں نے شرکت کی اس کنونشن میں پہلی مرتبہ جنگ کے دوران زخمیوں اور بیماریوں کے متعلق قوانین ترتیب دیے گئے۔اسے جنیوا کنونشن کا نام دیا گیا۱۸۶۸ء میں اس کنونشن پر نظرِ ثانی کی گئی اور ۱۹۰۶ء کی تیسری کانفرس اس سلسلے کی حتمی کوشش ثابت ہوئی۔

The convention were considerably improved and augmented, among the innovation were the obligations imposed on belligerents to keep each other advised of deaths, admission to hospitals and other facts concerning the sick and wounded. (8)

۱۸۶۸ء میں سینٹ پیٹر برگ کے مقام پر تباہ کن اسلحہ وآلات کے استعمال کے سلسلے میں ایک بین الاقوامی فوجی کمیشن مقرر کیا گیا جس میں زہریلی اور جسم میں زہر پھیلانے والی دیگر اشیاء کے استعمال کو ممنوع قرار دیا گیا۔

The declaration of St. Peters prohibited the use of explosive projectiles weighing less then 400 grams. (9)

جنیوا معائدے کے بعد ۱۸۷۴ء میں زارِ روس (Czor Alexander) کی تحریک پر بروسلز میں ایک کانفرس منعقد کی جو بری طرح ناکام رہی تاہم اس کانفرس نے ۱۸۹۹ء کی پہلی ہیگ کانفرس کے لیے راہ ہموار کر دی۔روس کے Czar Nicholas II کی درخواست پر ہیگ کے مقام پر پہلی بین الاقوامی امن کانفرس منعقد کی گئی جس کا مقصد تمام بین الاقوامی تقاضوں کے پر امن حل کی تلاش اور اقوامِ عالم کو ایک کسی ایک متفقہ قانون کا پابند کرنا تھا۔کانفرس میں چھبیس ممالک کے نمائندوں نے شرکت

کے جنیوا کنونشن کی بار ایک پھر ترویج کی گئی نیز پھٹنے والے گولوں اور زہریلی گیسوں کے متعلق سینٹ پیٹر برگ کے اقرار نامہ کی توثیق بھی کی گئی، ایک بین الاقوامی عدالت کے قیام پر زور دیا گیا۔ کانفرس کے قیام کے آٹھ سال بعد امریکہ کے صدر روز ویلٹ اور روس کے زار انکولس ثانی کی تحریک پر ایک بار پھر اسی مقام پر کانفرس مرتب ہوئی اور ۱۸۹۹ء کے اقرار ناموں میں ترمیم واضافہ کیا گیا بیشتر جنگی معاملات میں بہتری کیلئے قوانین نافذ کیے گئے جن میں غیر جانبداروں کے حقوق وفرائض، جنگ سے قبل اعلانِ جنگ، قرضوں کی وصولیابی سے متعلق قوانین، محکمہ بحریہ وتجارتی جہازوں سے متعلق قوانین نیز ٹھیس لگنے سے خود بخود پھٹنے والی بحری سرنگوں کے استعمال سے متعلق قوانین مرتب کیے گئے۔ کانفرس کے شرکاء نے اس موقع پر تیسری ہیگ کانفرس کیلئے لائحہ عمل مرتب کیا جو پہلی جنگِ عظیم چھڑ جانے کے باعث التواء میں پڑ گئی۔

ان کانفرسوں میں نافذ کردہ قوانین جنگ حتمی نہیں قرار دیے گئے بلکہ کوئی سلطنت ان قوانین پر اسی صورت میں عمل پیرا ہوگی جب دیگر تمام حکومتیں بھی ان پر پابندی کی خواہاں ہوں۔ ایسے قوائد کو قانون کا نام نہیں دیا جا سکتا کیونکہ قانون تو بلا مشروط ہوتا ہے اور ہر فرد یا حکومت فی حدِ ذاتہ اس کی پابندی پر مجبور ہے۔

مذکورہ سمجھوتوں میں یہ گنجائش بھی رکھی گئی کہ حکومتیں حرف بحرف ان کی پابندی پر مجبور نہیں ہیں اور یہ کہ ان اقرار ناموں کا نفاذ صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب دونوں فریق ان سمجھوتوں کے متعاقدین میں سے ہوں نیز فریقین کو ہمیشہ انہیں اُصول ضوابط پر عمل ہونے کے لیے مجبور نہیں کیا جا سکتا بلکہ جو حکومت جب چاہے اپنی مرضی کے تحت اس ذمہ داری سے سبکدوش ہوسکتی ہے۔

گویا یہ تمام سمجھوتے اور اقرار نامے حتمی قوانین کا درجہ نہیں رکھتے بلکہ یہ محض معائدے ہیں اور معائدہ چاہے کیسے ہی عمدہ قوائد وضوابط پر مشتمل ہو کبھی ٹھوس حیثیت کا حامل نہیں ہوسکتا ہے اس کا عملی ثبوت ہیگ کانفرس کے چار سال بعد ہی طرابلس وبلقان کی جنگوں میں ان قوانین کی اعلانیہ خلاف ورزی اور اس کے ایک سال بعد جنگِ عظیم اوّل کا چھڑ جانا ہے۔

۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۸ء تک جاری رہنے والی یہ جنگ پہلی عالمی جنگ کے نام سے یاد کی جاتی ہے۔

یہ معرکہ آرائی بنیادی طور پر چھ بڑی سلطنتوں مابین شروع ہوئی، ضمنی طور پر دیگر چھوٹی بڑی اقوام بھی شامل جنگ رہیں مگر اہم مرکز یہی چھ اقوام تھیں جو باقاعدہ دو گروہوں میں منقسم تھیں۔ ایک جانب جرمنی آسٹریا کے ممالک اور دوسرا گروہ برطانیہ، فرانس، روس، اور اٹلی پر مشتمل تھا۔ اس موقع پر وہ اقوام باہم متحد ہو گئیں تھیں جن کے درمیان قدیم تاریخی عداوتیں چلی آ رہی تھیں اور دوست ممالک ایک دوسرے کے خلاف میدان میں اُتر آئے۔ برطانیہ و فرانس مدت سے ایک دوسرے کے حریف تھے اور انیسوی صدی کے اختتام تک ان ممالک کی رقابت اپنے عروج پر تھی۔ مراکش و مصر اور نو آبادیات کے مقامی تنازعات ان کے درمیان وجہ اختلاف بنے ہوئے تھے۔ فرانس مشرقی و مغربی افریقہ کے ساتھ ساتھ سوڈان پر بھی اپنا تسلّط قائم کرنا چاہتا تھا جبکہ برطانیہ کا موقف تھا کہ مصر و سوڈان پر اس کا حق ہے۔ ۱۸۹۸ء میں اسی مسئلہ پر دونوں ممالک کے درمیان جنگ چھڑنے کا امکان پیدا ہو گیا تھا۔

جبکہ آسٹریا و جرمنی کے ساتھ برطانیہ کے تعلقات ۱۹۰۴ء تک دوستانہ نوعیت کے رہے اور ۱۸۹۸ء میں جب برطانیہ و فرانس کے درمیان مسئلہ سوڈان گفت و شنید کے ذریعے طے پا رہا تھا تو فرانس کے وزیرِ خارجہ نے اس موقع پے برطانیہ سے دیگر تنازعات کا تصفیہ کرنے کی درخوست کی جسے برطانیہ نے اس لیے مسترد کر دیا کہ اس کا رجحان فرانس کے بجائے جرمنی کی جانب تھا۔

جنگِ عظیم میں روس بھی برطانوی گروہ میں شامل ہو گیا جبکہ بیسوی صدی کے آغاز تک ان دونوں ممالک میں گہری عداوت پائی جاتی تھی ان ممالک کے درمیان وجہ تنازع ہندوستان تھا جس کے باعث دونوں جانب سے ہر دم جنگ کا خطرہ موجود رہتا تھا جبکہ جرمنی کے ساتھ روس کے اچھے تعلقات تھے۔ اٹلی بھی اس جنگ میں برطانوی گروہ میں شامل ہوا جبکہ جنگ شروع ہونے تک اٹلی و جرمنی کے تعلقات حلیفانہ تھے بلکہ اٹلی جرمنی کے ساتھ اس معائدے میں بھی شامل تھا جسے اتحادِ ثلاثہ کہا جاتا ہے۔

بیسوی صدی کے آغاز میں چند خاص مقاصد کے حصول کی خاطر یہ مملکتیں ایک طرف برسوں کی

پشت ڈال کر ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو گئیں۔ قابلِ توجہ بات ہے کہ وہ کون سے اہم مقاصد واسباب تھے کہ جنہوں نے دوستی کو دشمنی میں بدل ڈالا اور صدیوں کے دشمنوں کو گلے ملنے پر مجبور کر دیا۔ یہاں نہ ہی مدافعت وطن کا کوئی سوال تھا اور نہ ایک دوسرے کی حق تلفی کا کوئی معاملہ اور چونکہ تمام مملکتیں عیسائی مذہب کی حامل تھیں لہٰذا مذہب کا کوئی نقطہ بھی درمیان موجود نہ تھا پھر وہ کون سے مقاصدِ اعلیٰ تھے جن کے حصول کی خاطر یہ ممالک اپنے حریفوں کے ساتھ مل کر قدیم حلیفوں کے خلاف ہتھیار اُٹھانے پر مجبور ہو گئے۔

ان اقوام کے مابین عداوت کا پہلا بیج ۱۹۰۷ء میں پڑ گیا تھا جب جرمنی وفرانس کے درمیان وقوع ہونے والی جنگ میں جرمنی نے فرانس سے لورین والساس کے علاقے چھین لیے تھے۔ گو کہ الساس کی تمام آبادی اور لورین کی بیشتر آبادی جرمن النسل ہی تھی باوجود اس کے فرانس ان علاقوں پر جرمنی کا حقِ ملکیت تسلیم نہ کر سکا اور انتقامی جذبے کے تحت فرانسیسی سیاست کا غالب نصب العین جرمنی سے اپنے مقبوضات کا حصول بن گیا۔ جرمنی نے حفاظتی اقدام کے طور پر اس قسم کی پالیسی اپنائی کہ فرانس کو پورے یورپ میں بالکل تنہا کر دیا جائے اور اس غرض کے لیے اس نے یورپ کے مختلف ممالک کے ساتھ دھڑا دھڑ معاہدے شروع کر دیے اور یہی معاہدے جنگِ عظیم کا اہم محرک ثابت ہوئے۔

فرانس کے علاوہ برطانیہ کے ساتھ بھی جرمنی کی رسہ کشی شروع ہو گئی کیونکہ انیسویں صدی کے آخر تک جرمنی دنیا کے عظیم والشان صناع وتاجر ملک کے طور پر اُبھر کر سامنے آ چکا تھا لیکن بحری تجارت کے تمام وسائل پر ابھی تک برطانیہ حاوی تھا اور جرمنی نے برطانیہ کے اس تسلط کو توڑنے کی غرض سے اپنی بحری قوت کو تیزی سے بڑھانا شروع کر دیا۔

The Reichstag, was induced to provide the funds for a navel building program which soon seemed to the British to threaten British naval supremacy even in home waters. (10)

برطانیہ نے صورتِ حال کو سنبھالنے کے لیے جرمنی سے دوستانہ ماحول میں معاملہ طے کرنے کی کوشش کی، جوزف چیمبرلین نے ۱۸۹۸ء میں جرمن حکومت سے معاہدہ طے کیا جس کے کوئی

نہ ہو سکا دراصل جرمنی کسی سمجھوتے کے لیے سنجیدہ ہی نہ تھا کیونکہ وہ تجارت کی دنیا پر چھا کر سب سے بالاتر ہو جانے کی کاوش میں تھا۔تاہم مفاہمت نہ ہو سکنے کے بعد انگلستان نے جو دوسرا قدم اُٹھایا اس نے دنیائے سیاست میں ایک انقلاب بپا کر دیا اب انگلستان نے اپنے صدیوں کے دشمن فرانس سے ہاتھ ملا لیا۔

Britain reacted quickly, it embark at once on a navel expansion program of major proportions. It also decided to end its diplomat isolation in Europe by seeking a rapprochement with France. (11)

یوں حیرت انگیز طور پر برسوں کی دشمنی بھلا کر یہ دونوں ممالک اپنے مشترکہ دشمن کے خلاف یکجا ہو گئے۔فرانس کو گلے لگانے کا سبب یہی تھا کہ چونکہ برطانیہ کو جرمنی کی روز افزوں بڑھتی بحری طاقت کو دیکھتے ہوئے خطرہ محسوس ہونے لگا تھا کہ کہیں برطانیہ کی بحری عظمت ڈگمگا نہ جائے چنانچہ اس نے اپنی تمام بحری فوج بحرالکاہل سے ہٹا کر بحرالشمائل میں مجتمع کر دی چونکہ بحرہ روم کا دفاع فرانسیسی حکومت بخوبی کر سکتی تھی لہٰذا فرانس کو اعتماد میں لینا برطانیہ کے لیے ضروری ہو گیا۔

فرانس و برطانیہ کے درمیان کوئی باقاعدہ فوجی معائدہ نہیں ہوا تھا بلکہ اہم تنازعات پر سمجھوتہ طے پایا تھا جس کے مطابق برطانیہ نے نہ صرف مراکش پر فرانس کے حقِ ملکیت کو قبول کر لیا بلکہ افریقہ میں ۱۴ ہزار مربع میل کا علاقہ بھی فرانس کے حوالے کر دیا اور فرانس نے مصر اور نیوفاؤنڈ لینڈ پر انگریزی قبضہ تسلیم کر لیا۔یہ معاملات طے پانے کے بعد دونوں ممالک ایک دوسرے کے قریب آ گئے۔

۱۹۰۷ء میں فرانس کے ایماء پر روس بھی اس سمجھوتے میں شامل ہو گیا کیونکہ برطانیہ و فرانس کے کسی ٹکراؤ کی صورت میں یورپ کے اندر فرانس کی پوزیشن کمزور ہونے اور ۱۹۰۴ء کے برطانیہ، فرانس سمجھوتے کی افادیت کھو جانے کا اندیشہ تھا۔اس سمجھوتے میں روس کا اپنا فائدہ یہ تھا کہ وہ آسٹریا کی ایجین وایڈریاٹک کی بندرگاہوں سے فائدہ اُٹھانا چاہتا تھا جو بلقان پر قابض رہنے کی صورت میں ممکن تھا

کنونشن طے پایا جس میں روس و برطانیہ کے متنازعہ معاملات طے پائے گئے۔

Britain, and Russia were drown closer together by their common support of France, and entente cordial was converted into "the Triple Entente."(12)

فرانس، روس و برطانیہ تینوں کے اپنے اپنے ذاتی مفادات تھے جن کے لیے انہوں نے باہم اتحاد کرلیا کیونکہ سب ہی کسی نہ کسی حوالے سے جرمنی و آسٹریا سے ہی خائف تھے۔

جہاں تک اٹلی کا تعلق ہے تو وہ ایک طرف تو جرمنی و آسٹریا کے ساتھ اتحادِ ثلاثہ کے معائدہ میں شامل تھا اور دوسری جانب اتحادیوں سے بھی معائدے کیے جارہا تھا یعنی وہ دو کشتیوں میں سوار رہا جہاں توازن برقرار رکھنا اسے مشکل دکھائی دے رہا تھا۔ تاہم اتحادیوں نے اسے اپنے ساتھ شامل کرنے کی حتیٰ الامکان کوشش کی اور ایک معائدہ کے تحت ترینتو، درہ برنیر تک جنوبی ٹائرول ٹرسٹ کا شہر اس کے حوالے کردینے کا فیصلہ کیا اسی کے ساتھ ساتھ بارہ جزائر پر اس کا قبضہ بھی تسلیم کرلیا اور لیبیا میں تمام مراعات بھی دی گئیں۔ اٹلی نے ان تمام مراعات کے عوض ۱۹۱۳ء میں اتحادِ ثلاثہ سے علیٰحدگی اختیار کرلی۔

ان ممالک کے درمیان تقریباً ۴۴ برس تک یہ رسہ کشی جاری رہی اور نصف صدی پر مشتمل فتنہ و فساد کی یہ فصل اس وقت کٹنے کے لیے تیار ہوگئی جب آسٹریا کا ولی عہد ایک سربی انارکسٹ کے ہاتھوں مارا گیا۔ ۲۸ جون ۱۹۱۴ء کو افوج کا انسپکٹر آرچ فرانسیس فریڈنڈ اپنی بیوی کے ہمراہ بوسنیا کے دارالحکومت کے دورے پر گیا اور وہاں کے گورنر جنرل پیٹراک کی گاڑی پر سوار تھا کہ بم دھماکہ ہوا جو اصل نشانہ کھو گیا اور دوسری گاڑی پر جالگا اور بہت سے لوگ زخمی ہوگئے، اگلے دن آرچ ان زخمیوں کی علالت کے لیے ہسپتال پہنچا اور وہیں قتل کردیا گیا۔

Just as his car showed down, owing to some mistake on the part of the driver, two revolver shots were fired mortally wounding both the Archduke and his wife.(13)

کے آغاز کی بابت فرمایا:

It is accepted by a number of historians that without this coincidence the Sarajevo assassin ationattempt would not have succeeded, and that without the assassination there would have been neither an Austrian–Serbian war, nor a World War, in the summer of 1914, even though a war might perhaps have taken place sooner or later involving roughly the same set of states as those which fought the First World War. (14)

سربیا پہلے ہی بلقان کی جانب پیش قدمی کے لیے آسٹریا کی راہ میں رکاوٹ بنا ہوا تھا لہٰذا اس نے موقع کو غنیمت جانتے ہوئے سربیا کو دھمکی دیتے ہوئے ۴۸ گھنٹے کا نوٹس جاری کر دیا۔ سربین حکومت نے درخواست کی کہ یہ نوٹس بہت مختصر وقت تک کا ہے، اس میں توسیع کی جائے تو جرمن بادشاہ کا جواب کچھ یوں تھا۔

A brilliant performance for a time limit of 48 hours, this is more then one could have expected. (15)

بلقان سے متعلق روس کی اُمیدیں بھی سرویا سے ہی وابستہ تھیں اور اسے یہ خطرہ تھا کہ اس میدان میں آسٹریا کی فتح ہو جانے کے بعد وہ بلقان سے مکمل طور پر بے دخل ہو جائے گا لہٰذا اپنے تحفظ کی خاطر وہ سربیا کی حمایت میں اُٹھ کھڑا ہوا۔ فرانس کو خطرہ محسوس ہونے لگا کہ آسٹروی غلبہ کی صورت میں اس کا السیس ولورین کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکے گا لہٰذا وہ بھی روس سے کے ساتھ ہو گیا اور لوہا گرم دیکھتے ہوئے برطانیہ نے بھی قدم آگے بڑھا لیا۔

یہی وہ مقاصد ومفادات تھے جنہوں نے پوری دنیا کو جنگ کے شعلوں میں لپیٹ لیا۔C.E. Blockجنگِ عظیم کے اسباب ومقاصد کو یوں بیان کیا ہے:

"Franc's desire to recover Alsace-Lorraine, Britain's desire to

Trentine, and Germany's desire for a place in sun. (16)

ہر فریق دوسرے کا وجود مٹا کر اس کے منافع سے خود مستفید ہونے کا خواہش مند تھا، پوری کاروائی میں اخلاص کا نام ونشان بھی نظر نہیں آتا یہاں تک کہ بظاہر باہم متحد ہو جانے والے ممالک بھی ایک دوسرے سے مخلص نہ تھے اور کہیں بھی اپنا مفاد نظر آنے کی صورت میں ایک دوسرے کو بیچ رہ میں چھوڑ دینے کو تیار تھے۔ جیسا کہ ۱۹۱۷ء میں آسٹریا ہنگری کے بادشاہ کارل نے اپنے ساتھیوں سے الگ ہو کر انگلستان سے صلح کرنے کی غرض سے بوربون کے شہزادے (Prince sixth of bourbon) کی معرفت اتحادیوں سے گفت وشنید شروع کر دی۔

Charles even went so for as to negotiate with France, telling Paris that he would not sacrifice his country for the sake of a German victory and that to get peace he would use his influence to support the pursuit claim of France in relation to Alsac-Lorraine (17)

فرانس اس صلح کے لیے راضی تھا تا کہ آسٹریا کو جرمنی سے توڑا جا سکے لیکن اٹلی نے اس صلح کی سختی سے مخالفت کی کیونکہ وہ اتحادیوں کے ساتھ شامل ہی آسٹریا کا جنوبی علاقہ حاصل کرنے کی غرض سے ہوا تھا لہٰذا فرانس نے پرنس کارل سے کہا کہ اٹلی کی عدم رضامندی کے باعث یہ تجویز صلح نامنظور ہو گئی ہے، پرنس کارل جرمنی کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ہر صورت صلح کے لیے تیار تھا اور اس سلسلے میں وہ اٹلی کو خاص رعایت دینے کو بھی تیار تھا لیکن اٹلی ضد پر قائم رہا لہٰذا یہ مذاکرات پروان نہ چڑھ سکے اور صلح کی کوششیں دم توڑ گئیں۔

The Italian Statement refused to contemplate anything less then the full terms of the treaty of London Direct negotiations with Charles failed in May. (18)

جنگ کی ابتداء میں امریکہ نے اپنی غیر جانبداری کا واضح اعلان کر دیا لیکن چونکہ اتحادی امریکہ کے دو بلین ڈالر کے مقروض تھے اور اس رقم کی واپسی اتحادیوں کی فتح کی صورت میں ہی ممکن تھی لہٰذا جب

سکا۔۲ اپریل ۱۹۱۷ء کو صدر ولسن نے کانگریس کے ساتھ میٹنگ میں جرمنی کو تمام تر جنگی کاروائی کا ذمہ دار ٹھہراتے ہوئے اعلان کیا کہ امریکہ حتیٰ الامکان غیر جانبدار رہنے کی کوشش کر چکا ہے لیکن اب دنیا کو محفوظ رکھنے اور جمہوریت کی بقا کے لیے جنگ میں اس کی شمولیت ضروری ہو گئی ہے۔

جنگِ عظیم اوّل کے تمام محرکات پر نظر ڈالنے کے بعد یہی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ درحقیقت اس تباہ کن اور خونریز جنگی کاروائی کے پیچھے کوئی بلند پایا اعلیٰ وارفع مقصد ہرگز موجود نہ تھا۔ نہ ہی کسی قوم کے پیشِ نظر دنیا میں دائمی امن کا وجود قائم کرنا تھا، نہ کسی منفرد نظامِ حیات کی تشکیل، مذہبی اختلافات پائے جاتے تھے نہ نظریاتی، نہ کہیں انسانیت کی دفاع کا پہلو تھا نہ عالمی بقا کا، بلکہ سب اپنی اپنی بقا کے تحفظ میں مصروف رہے۔ ہر قوم و ملک اپنے حصے سے زیادہ کا خواہش مند تھا اور اس غرض کے لیے دوسرے فریق کو مٹا دینے کے درپے ہو گیا۔ طمع، لالچ، حصول جاہ، تو خیر ثروت، و توسیع اقتدار کی ہوس یہی وہ تمام عوامل تھے جنہوں نے مہذب اقوام کو تہذیب کے دائرے سے نکل کر انسانیت کا خون بہا دینے پر آمادہ کر دیا اس تباہ کن جنگ کا ایک بنیادی سبب کائنات کے اندر کسی مضبوط و مربوط قانون کی عدم موجودگی ہے کیونکہ قانون وہی مضبوط ہو گا جس میں ہر کوئی فی حد ذاتہ پابند ہو اور وہ قانون جس میں اپنی ترجیحات کے مطابق ردّ و بدل ہو سکے محض رواج کہلانے کا مستحق ہو گا اسے قانون نہیں کہا جا سکتا۔ دورانِ جنگ ایک ملک نے ہیگ و جنیوا قوائد و ضوابط کی خلاف ورزی شروع کی تو نتیجتاً دیگر تمام سلطنتیں بھی اس کی پابندی سے آزاد ہو گئیں اور پورے یورپ نے مل کر خود وضع کردہ قوانین کی دھجیاں اُڑا دیں کیونکہ یہ کسی اعلیٰ وارفع ہستی کے نہیں بلکہ خود انہیں لوگوں کے وضع کردہ قوائد تھے جن میں وہ اپنی مرضی کے تحت ترمیم کر سکتے تھے۔

جب کہ اسلامی جنگوں یا غزوات کے دوران جن قوانین کو اپنا مرکز بنا کر مسلمانوں نے ہتھیار اُٹھائے ان کی بابت مسلمانوں کا عقیدہ تھا کہ یہ خدا کے وضع کردہ قوانین ہیں لہٰذا وہ ان قوانین میں اپنی مرضی کے تحت ردّ و بدل کے مجاز نہیں ہو سکتے چنانچہ وہ سختی سے ان پر عمل پیرا رہے یہی وجہ ہے کہ کم سے کم نقصانات میں زیادہ فوائد حاصل ہوتے رہے۔

دورانِ جنگ اتحادیوں کے مابین واقع ہونے والے خفیہ معائدات سے ہو جاتا ہے۔ان خفیہ معائدات کی ہرشق ودفعہ میں مخالفین کے کسی نہ کسی علاقہ، خطہ یا اقتصادیات کی تقسیم کا فیصلہ قبل از وقت کر دیا گیا، قطع نظر اس کے کہ اس تمام بندر بانٹ میں کہاں کس کی حق تلفی ہونی ہے۔

اتحادیوں نے اپنے طور پر طے کرلیا کہ السیس ولورین کا تمام علاقہ فرانس کے سوائے کیا جائے نہ باوجود اس کے کہ لسانی وجغرافیائی اعتبار سے اس پر جرمنی کا حق تھا۔ نہ صرف اسیس ولورین بلکہ دریائے رہائن کے مغرب میں موجود جرمنی کا تمام علاقہ بھی فرانس کے حوالے کر دینے کا فیصلہ کر کیا گیا یہ فیصلہ فرانس وروس کے درمیان طے پایا اور اسے انہوں نے اپنے حلیف انگلستان تک سے پوشیدہ رکھا۔

A. J P Taylor نے لکھا ہے:

"Russia offered to support the French claims in Alsace-Lorriane, the saar, and the Rhineland in return for French assistance in achieving Russia's territorial claims with regard to central powers." (19)

اٹلی کے لیے حصہ کچھ یوں تجویز کیا گیا۔

Italy received from the Allies in addition to financial assistance, the promise of the Austrian territories, of Trentino,and the sea port of the Triesta with its hinter land as well as port the province dalmatia and certain Adriatic islands. (20)

روس کے لیے درہ دانیال، باسفورس، قسطنطنیہ اور ایشائے کوچک کا مشرقی حصہ مقرر کیا گیا، البصرف انگلستان کا حصہ رہ گیا تھا جس نے خود ہی اپنے لیے ایک نیا میدان پیدا کیا اس نے فرانس کے ساتھ علیحدہ خفیہ معاھدہ کیا جس میں بلادِ عرب کو شام وعراق میں حصوں میں تقسیم کر کہ شام فرانس کے اور

سے پہلے اہلِ عرب کو اپنا ہم خیال بنایا گیا۔ اتحادیوں نے عرب لیڈروں کو ایک آزاد عرب سلطنت کا خوشنما خواب دکھا کر اپنے ساتھ معائدہ میں شامل کرلیا۔

In the course of 1915 the British had made vague and general promises to the Arab leaders Hussain, the sheikh of Macca, regarding the independence of the Arab peoples after the war. (21)

یوں ان خفیہ معائدات میں پورے آسٹریا ہنگری اور دولتِ مشترکہ کو بے باکانہ طور پر تقسیم کر دیا گیا۔

اختتامِ جنگ اور دنیا پر اس کے اثرات

۱۹۱۸ء تک مسلسل چار سال کی جنگ نے تمام ممالک کو تھکا دیا لہٰذا دونوں طاقتیں ہی اس جنگ کا کوئی اطمینان بخش حل چاہتی تھیں تاہم امریکہ کے صدر ولسن نے اس سلسلے میں پیش قدمی کرتے ہوئے امن تجاویز پیش کیں، صدر ولسن نے ۸ جنوری ۱۹۱۸ء کو کانگریس کے نام اپنے پیغام میں جنگ کی آشکار اقوام کے مابین پائیدار امن کے لیے ۱۴ نکات پر مشتمل فارمولا پیش کیا۔ اتحادیوں میں سے جرمنی وفرانس نے ان نکات کی مخالفت کی تو صدر نے ان پر دباؤ ڈالنے کے بجائے مرکزی طاقتوں کی جانب توجہ کی اور جرمنی کے سامنے یہ تجاویز رکھیں۔ جرمنی چونکہ شکست خوردہ ہو چکا تھا لہٰذا اس کے پاس امن تجاویز قبول کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا، سو اس نے فوراً ہی چودہ نکات پر رضامندی کا اظہار کر دیا چنانچہ ولسن نے جنگ بندی کی اپیل کی جس پر اتحادی رضامند نہ تھے کیونکہ وہ جرمنی سے غیر مشروط ہتھیار ڈالنے کا تقاضا کر رہے تھے تاہم اسی موقع پر فرانس کے Marshal Ferchinal Foch نے لچک کا مظاہرہ کیا اس نے کہا۔

The allies were fighting to impose their will upon Germany and that the Armistice terms accomplished this (22)

ہو چکی تھی۔ صرف ۱۵۰،۰۰۰ لاکھ برطانوی شہری موت کے گھاٹ اُتر چکے تھے۔ مجموعی طور پر بے چینی و اضطراب کی فضا قائم تھی جس کے پیشِ نظر اتحادیوں نے نہ چاہتے ہوئے بھی وقتی طور پر جنگ بندی کی جانب قدم بڑھا دیا یوں ۱۴/۳۰ اکتوبر کو سلطنت عثمانیہ اور برطانیہ کے درمیان جنگ بندی کے معائدے پر دستخط ہوئے اور ۳ نومبر کو اٹلی و آسٹریا نے دستخط کیے۔

فاتح اقوام نے ۱۸ جنوری ۱۹۱۹ء کو پیرس میں ایک کانفرس کا انعقاد کیا جس میں اتحادی ممالک کے ۳۲ مندوبین نے شرکت کی مگر فریقِ ثانی یعنی شکست زدہ پارٹی کو کانفرس میں شامل نہ کیا گیا۔

Unfortunately, the defeated parties were not accorded any seat in this international meeting.(23)

جرمنی پر اُمید تھا کہ صدر ولسن کے زیرِ قیادت اقوامِ عالم جرمنی کے حقوق بھی تسلیم کرے گی اور چودہ نکات کو ہی تصفیہ کی بنیاد قرار دیا جائے گا لیکن عملی طور پر ایسا ممکن نہ ہو سکا کیونکہ اتحادی خفیہ طور پر جرمن مقبوضات بانٹ چکے تھے اور صدر ولسن نے بھی کچھ معاملات میں مصلحتاً خاموشی اختیار کی۔ انگلینڈ سے Lord gorge, فرانس سے Clemeceau امریکہ سے Wilson اور اٹلی کا Orlando بطور نمائندہ کانفرس میں شریک ہوئے اور انہیں چاروں افراد نے کانفرس کا مجموعی خاکہ مرتب کیا، یہ بات نہایت افسوس ناک ہے کہ بند کمرے میں چار افراد نے پورے یورپ کی قسمت کا فیصلہ کر لیا۔

The draft of the proposed peace treaty with Germany, containing about 80,000 words, was agreed to by the "Big four". (24)

معائدہ کا مسوّدہ تیار ہو جانے کے بعد جرمن نمائندوں کو بلایا گیا۔ ۲۹ اپریل ۱۹۱۹ء کو یہ وفد پیرس پہنچا جسے سخت پہرے میں خاردار تاروں کے پیچھے رکھا گیا، ۷ مئی کو یہ امن شرائط وفد کے حوالے کر دی گئیں۔

Terms of peace were decided by the victorious Allies alone and the central powers strangled economically by a rigorous

شرائط کے تحت اسیس ولورین کا علاقہ فرانس کے حوالے کرنے کا فیصلہ کیا گیا نیز یہ کہ جرمنی کو اپنی کالونیوں سے دستبردار ہونا ہوگا جو برطانیہ، فرانس، جاپان، اور بلجیم کے درمیان تقسیم کی جائیں گے۔ جرمنی کی بحری و بری افوج پر پابندی عائد کر دی گئی اور ہر طرح کی فوجی ٹریننگ ممنوع قرار دے دی گئی تمام دریا بشمول دریائے رہائن بین الاقوامی نگرانی میں سونپ دیے گئے نیز جنگ کا ذمہ دار جرمنی کو قرار دیتے ہوئے اسے نقصانات کی تلافی کرنے کا حکم جاری کر دیا گیا۔

It would make financial reparation for all damage done to the civilization population of the Allies and property.(26)

صلح کی ان غیر عادلانہ ومنصفانہ شرائط پر جرمنی میں غم وغصہ کی لہر دوڑ گئی اور بہت سے جرمن ان شرائطِ صلح کو ماننے کے بجائے لڑتے لڑتے ختم ہو جانے کو ترجیح دے رہے تھے۔ لیکن فیلڈ مارشل نے متنبہ کیا کہ جرمنی کے پاس اب مزید لڑائی کے وسائل موجود نہیں اور ملک چونکہ قحط کی زد میں ہے لہٰذا سمجھوتے کے سوا کوئی چارہ نہیں جرمنی نے آخری کوشش کے طور پر اپنی طرف سے کچھ تجاویز اتحادیوں کے سامنے رکھیں۔ جنہیں انہوں نے مسترد کر دیا۔

General Smut in a letter to Mr.Llod George dated May 22, criticized certain points in the treaty and suggested a meeting and discussion but this proposal was rejected.(27)

اتحادی جرمنی کے غیر مشروط ہتھیار ڈالنے اور ان کے طے کردہ معائدے کو قبول کرنے سے کم کسی بھی تجویز پر راضی نہ ہوئے بلکہ انہوں نے ۲۳ جون سے قبل معائدہ پر دستخط نہ کرنے کی صورت میں مزید افواج جرمنی کی جانب منتقل کرنے کی دھمکی تک دے ڈالی لہٰذا اب جرمنی کے پاس کوئی راہ فرار نہ تھی لہٰذا اسے جھکنا ہی پڑا اور آرچ ڈیوک کی پانچویں برسی کے موقع پر جرمن وفد نے معائدے پر دستخط کر دیے۔

جنگِ عظیم دوئم بنیادی طور پر ایک انتقامی جنگ تھی بڑھتی آبادیوں کے لیے مزید علاقوں کی ضرورت، صنعتی وزرعی علاقوں کے حصول کی دوڑ اور دیگر بہت سے عناصر بھی جنگ کے اسباب میں شامل تھے تاہم اہم اور بنیادی فیکٹر انتقام ہی گردانا جاتا ہے کیونکہ جنگِ عظیم اوّل کے اختتام پر نافذ کردہ معائدہ ورسائی جبری امن تھا جسے جرمنی نے خوشی سے قبول نہ کیا تھا کیونکہ جرمنی کو جنگِ عظیم اوّل کا ذمہ دار قرار دیتے ہوئے معائدہ ورسائی میں اس کے ساتھ خاصا ناروا سلوک رواں رکھا گیا اور سنگین کی نوک پر معائدہ تسلیم بھی کروایا گیا گویا پہلی عالمی جنگ کے اختتام پر ہی دوسری عالمی جنگ کی بنیاد پڑ گئی تھی۔

بقول سیّد سراج الاسلام

جس طرح جنگِ سیڈان (۱۸۷۰-۷۱ء) کے بعد فرانس کے ساتھ بسمارک کے سخت روّیہ کی بناء پر اگر جنگِ عظیم اوّل ہوئی تھی تو ۱۹۱۹ء کے ورسائی معائدہ پر ۱۹۳۹ء کی جنگ کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔(۲۸)

نہ صرف جرمنی بلکہ آسٹریا ہنگری اور دیگر شکست خوردہ اقوام نے بھی معائدہ ورسائی کو دل سے تسلیم نہ کیا تھا جو معائدہ نہیں بلکہ جرمنی کے لیے تجویز کردہ سزاؤں پر مشتمل مسوّدہ تھا جس کے مطابق جرمنی سے تمام نوآبادیات واپس لے لی گئیں، اسے لوہے وکوئلے کے تمام ذخائر سے محروم کر دیا گیا، رہائن لینڈ سے جرمن فوج نکال کر اسے پانچ سال کے لیے اتحادیوں کے زیرِ انتظام دے دیا گیا، جرمن فوج کی تعداد اور اسلحہ سازی پر پابندی عائد کر دی گئی اور تاوانِ جنگ کی رقم اتنی زیادہ مقرر کی گئی کہ ادا کرنا جرمنی کے لیے ممکن نہ تھا اور بروقت ادائیگی نہ ہونے کی صورت میں اتحادی کوئی بھی قدم اُٹھانے کے مجاز ہو سکتے تھے اسی بات کو بنیاد بنا کر ۱۹۲۳ء میں فرانس نے برطانیہ کی مخالفت کے باوجود وادی روہر پر حملہ کر ڈالا جو جرمن انڈسٹری کی شہ رگ تھی اور وہاں سے کوئلہ، لوہا اور سٹیل کا اسی فیصد اور ریلوے ٹریفک کا ستر فیصد حاصل ہوتا تھا۔ اتنے اہم اقتصادی مقام پر فرانسیسی قبضہ نے جرمنی کو معاشی دھچکا پہنچایا اور جرمن قوم احتجاج پر اتر آئی۔ وادی کی عوام فرانس سے تعاون کے لیے تیار نہ ہوئی نتیجتاً وہاں کی تمام فیکٹریاں نقصان

بھی کھودی اور جرمن عوام کے دلوں میں فرانس کے لیے شدید نفرت کے جذبات پیدا ہو گئے نیز مجموعی معاشی نظام پر بھی اس قبضہ کے برے اثرات مرتب ہوئے۔

Until 1923 transfers of money were not enough to effect the monetary situation, but the occupation of Ruhr valley drove the situation out of control. (29)

دوسری عالمی جنگ میں کوئی کالے، گورے کا سوال نہ تھا کیونکہ اسطرح کا کوئی فرق برطانوی، اور ڈچ کو جرمن، فرنچ یا اٹالین سے الگ نہیں کرتا، نہ جاپانی و چینی لوگوں میں رنگ و نسل کا بہت فرق پایا جاتا ہے۔ اسے پروٹسٹ و کیتھولک کے درمیان محاذ آرائی بھی نہیں کہا جا سکتا کیونکہ دونوں جانب ہی یہ دونوں فرقے موجود تھے۔ یہ جمہوریت و ڈکٹیٹرشپ کا مقابلہ بھی نہیں کہلایا جا سکتا کیونکہ اگر ایک جانب اتحادیوں میں روس جیسی طاقت شامل تھی تو دوسری جانب فن لینڈ جیسا جمہوری ملک جرمنی کا ہمنوا تھا۔

تاہم اس جنگ میں موجود معاشی و اقتصادی پہلو کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا Vidya Dhar mahajan نے لکھا ہے:

It was a struggle for raw materials, markets for exports and colonies for increasing population which partly brought about the war of the 1939. (30)

دراصل پہلی عالمی جنگ نے پورے یورپ کو معاشی طور پر مفلوج کر دیا تھا فاتح و مفتوح دونوں ہی قرض میں ڈوب چکے تھے انسائیکلوپیڈیا ورلڈ بک کے مطابق:

The defeated powers had difficulty paying reparation to the victors, and the victors had difficulty repaying loans from united state. (31)

ہر جانب بے روزگاری، کساد بازاری کا دور دورہ تھا جس سے، پورے یورپ میں لوگوں کا معیار، زندگی گرنا شروع ہو گیا چنانچہ لوگوں کے دلوں میں جنگ کے لیے شدید نفرت پیدا ہو چکی تھی اور اب

لیے ہر جگہ جمہوری اور پارلیمانی طرزِ حکومت کے فروغ پر زور دے دیا گیا۔ چنانچہ ۱۹۱۹ء میں جرمنی کو بھی ایک وفاقی جمہوریہ قرار دیا گیا اور اس کا صدر (Friedrich Ebert) کو منتخب کیا گیا لیکن اس جمہوریت کو آغاز میں ہی معائدہ ورسائی جیسے ذلت آمیز معائدے پر دستخط کرنے کے باعث جرمن عوام کی ناپسندیدگی کا سامنا کرنا پڑا، اس کے علاوہ ملک کی اقتصادی بدحالی نے بھی ویمیر جمہوریہ کو سخت نقصان پہنچایا کیونکہ عالمی معاشی بحران کے دوران جرمنی کی حالت پست سے پست تر ہوتی جا رہی تھی۔

The disaster begot 6,000,000 unemployed and general bankruptcy and impoverishment. (32)

عام آدمی کا خیال یہی تھا کہ جرمنی کے تمام مسائل اور، افراطِ زر و کساد بازاری کا سبب یہی معائدہ ورسائی ہے یوں پوری جرمن قوم اضطراب و احساسِ ندامت کا شکار تھی اور کسی ایسی جماعت یا فرد کی متلاشی تھی جو ایک بار پھر دنیا کے سامنے ان کا کھویا ہوا وقار بحال کر سکے اور ایسا شخص انہیں ہٹلر کی صورت میں میسّر آ گیا جو قومیت پرست نازی جماعت کا ممبر تھا۔ ۱۹۲۳ء میں جرمنی کا چانسلر مقرر ہونے والا ہٹلر ۱۹۲۴ء میں صدر ہنڈن برگ کی وفات کے بعد جرمنی کا صدر بن گیا۔ صدارت کا عہدہ سنبھالتے ہی اس نے معائدہ ورسائی کی نفی کر دی اور پارلیمانی نظام کو ختم کر ڈالا اس نے جرمن قوم کے اتحاد پر زور دیا چونکہ قوم پہلے ہی جمہوری اداروں سے نالاں تھی لہٰذا اس کی آواز پر لبیک کہہ اُٹھی۔ جرمنی کے علاوہ دیگر ممالک میں بھی وہاں کے جمہوری ادارے طوائف الملوکی اور انتشار پر قابو پانے میں ناکام رہے لہٰذا ہر جگہ آمرانہ نظام کی بنیادیں پڑنا شروع ہو گئی۔

دو متضاد بلاک اور لیگ آف نیشن کا زوال

جرمنی میں ہٹلر کی نازی پارٹی، اٹلی میں فاسشٹ پارٹی اور جاپان میں جنرل ہیڈک کی حکومت نے ان ممالک میں آمرانہ نظام کی بنیاد ڈال دی جس نے جمہوری نظریات رکھنے والے ممالک امریکہ، برطانیہ و فرانس کو مزید بدظن کر دیا۔ دونوں جانب کے نظریاتی تضاد نے دنیا کو دو مختلف بلاکوں میں تقسیم کر

Co -Existence was impossible between the two camps and one of them had to go under. A conflict was absolute inevitable under the circumstance. (33)

ایک طرف دو واضح گروپ آمنے سامنے آ گئے اور دوسری جانب اتحادی اپنا اتحاد برقرار نہ رکھ سکے، فرانس و برطانیہ میں آپس کے اختلافات نے ہٹلر کی حوصلہ افزائی کی۔ برطانیہ کی تمام تر توجہ تجارتی ترقی پر تھی کیونکہ وہ معاشی طور پر مضبوط ہونا چاہتا تھا لہٰذا اس نے عسکری تیاری سے ہاتھ روک لیے اور جرمنی سے پُر امن معائدات کی جانب مبذول ہو گیا جب کہ فرانس جرمنی کی جانب سے عدمِ تحفظ کا شکار تھا اور کسی قسم کے سمجھوتے کے لیے تیار نہ تھا۔ انجمن اقوام کی جانب سے طلب کردہ تخفیفِ اسلحہ کی کانفرسوں کے باوجود فرانس غیر مسلح ہونے کو تیار نہ ہوا فرانس کی بابت Vidya Dhjan نے لکھا ہے:

She continues to oppose every effort to revise the peace settlement in any ways. (34)

فرانس کی دیکھا دیکھی دیگر ممالک کی بھی حوصلہ افزائی ہوئی تو انہوں نے ہتھیاروں کی جانب توجہ دینا شروع کر دی، ہٹلر نے تو برسرِ اقتدار ہوتے ہی معائدہ ورسائی اور ہتھیاروں کی پابندی کی بابت دفعات کو کالعدم قرار دے کے زور وشور سے اسلحہ کی تیاری شروع کر دی تھی۔ یہاں تک کہ ۱۹۳۸ء میں مجموعی سرکاری اخراجات کا پچاس فیصد ہتھیاروں کی نذر ہو رہا تھا۔ یہی اسلحہ کی کثرت آئندہ آنے والی جنگ کا اہم محرک ثابت ہوئی۔

It was the German rearmament under Hitler which led to the war of u1939. (35)

جرمن فضائیہ یورپ کی سب سے طاقتور فضائیہ کے طور پر سامنے آئی، جرمنی کے علاوہ اٹلی و جاپان نے بھی اس میدان میں بڑھنا شروع کر دیا اب محوری طاقتوں کی دیکھا دیکھی جمہوری طاقتوں نے بھی اس جانب رُخ کیا اور دونوں جانب ہتھیاروں کی دوڑ شروع ہو گئی ہتھیاروں کی یہ دوڑ آہستہ آہستہ ایک بار پھر دنیا کو جنگ کی طرف دھکیل رہی تھی دونوں جانب کی فوجی تیاریاں عروج پر تھیں جس کا آخری

لیے کوئی بین الاقوامی تنظیم موجود نہ تھی لیگ آف نیشن ۱۹۳۱ء میں ہی اپنی حیثیت کھو بیٹھی تھی جب جاپان نے منچوریا پر قبضہ کر دیا اور لیگ اس سلسلے میں اپنا کردار ادا نہ کر سکی لٰہذا اب وہ ایک عضوِ معطل بن کر رہ گئی، اس تنظیم کی ناکامی میں بھی بڑی طاقتوں کا ہاتھ تھا جو خود کو اس کے فیصلے کا پابند نہ بنا سکیں، عالمی مالی بحران کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے جاپان کے اس غیر عادلانہ فعل کے باوجود کوئی ملک اس سے بائیکاٹ کے لیے راضی نہ ہوا۔

No country at the height of the economic crises welcomed the idea of cutting off its remaining fragment of international trade with Japan.(36)

یوں بھی لیگ آف نیشن کے پاس نہ فوج تھی اور نہ کوئی دوسری طاقت جس کے بل بوتے جبراً بین الاقوامی قوانین منوا سکتی لٰہذا ۱۹۳۰ء کی دہائی میں تبدیلی کی تمنائی ریاستوں نے جب متشددانہ اقدامات کا سلسلہ شروع کیا تو ساتھ ہی انجمن کو بھی خدا حافظ کہہ ڈالا۔

ہٹلر کی خارجہ پالیسی

ہٹلر نے اقتدار سنبھالنے کے بعد سب سے پہلے یورپ کے مشرق و شمال کی جانب توجہ کی کیونکہ انہیں علاقوں میں جرمنی کی بڑھتی ہوئی آبادی سما سکتی تھی نیز معاشی لحاظ سے بھی یہ علاقہ تیل، کوئلہ اور گندم میں خود کفیل تھا۔ ابتداء میں ہٹلر نے مصالحانہ روّیہ اختیار کیا اور دوسری ریاستوں کے شکوک وشبہات دور کرنے کیے امن پالیسی اپناتے ہوئے سب سے پہلے پولینڈ سے ایک دس سالہ معائدہ کیا۔

In a joint declaration issued on January 20, 1934, the German and Polish Governments promise for a period of 10 years not to resort for war. (37)

اس کے بعد ۱۹۳۵ میں برطانیہ سے بھی ایک معائدہ کیا نیز آسٹریا کے اندرونی معاملات میں غیر جانبدارانہ روّیہ اپنایا۔ لیکن کچھ ہی مدت میں جب جرمنی کی پوزیشن مستحکم ہو چکی اور اس کا دفاع مضبوط

اپنے فوجی دستے رہائن لینڈ میں اُتار دیے، وہ فرانس کی جانب سے جوابی کاروائی کا منتظر تھا لیکن اب چونکہ جرمنی ایک بار پھر بڑی طاقت کے طور پر اُبھر چکا تھا لہٰذا فرانس نے مزاحمت سے گریز کیا بصورت دیگر سنگین نتائج کا اندیشہ تھا جیسا کہ Fetix Gilbert نے کہا ہے کہ:

Now with German troops near the French border and the Ruhr area in hinterland a conflict with Germany would mean bitter and serious war. (38)

مغربی جمہوریتوں میں آپس کے اختلافات باعث پیدا ہونے والی کمزوری نیز سپین کی خانہ جنگی کے باعث ہٹلر کی خارجہ پالیسی میں شدت آتی چلی گئی، رہائن لینڈ پر جرمن قبضہ نے ہی ثابت کر دیا کہ وہ تمام حدوں کو توڑ چکا ہے، لیگ آف نیشن دم توڑ گئی، ولسن کا آئیڈیلزم، فرانس کا ریئلزم ناکام ہو گئے اور یورپ ایک بار پھر ۱۹۱۴ء والے نظام میں داخل ہو گیا، جہاں Sposito کی رپورٹ کے مطابق:

Every sovereign state great or small, again had to rely on armed strength, diplomacy and alliance for its security. (39)

ہٹلر کا اگلا ٹارگٹ یورپین سیاست کا مرکز چیکوسلواکیہ تھا۔ چیکوسلواکیہ میں سوڈینٹ لینڈ کا علاقہ جرمن آبادی پر مشتمل تھا یہ علاقہ جرمنی کو چیکوسلواکیہ سے الگ کرنے والے پہاڑوں کے شمال میں واقع تھا، اور اس کے خاتمے کا مطلب پورے چیکوسلواکیہ پر قبضہ تھا، اسٹریٹیجک نقطہ نگاہ سے یہ علاقہ بہت اہم گردانا جاتا تھا، ہٹلر نے ۳۰ جولائی ۱۹۳۷ء کو چیکوسلواکیہ کے اس علاقہ پر حملہ کا ارادہ ان الفاظ میں کیا:

It's my unalterable decision to smash Czechoslovakia by military action in the near future. (40)

اس خطرے کو محسوس کرتے ہوئے ۱۹۳۷ء میں ہی برطانیہ میں زیرِ اقتدار آنے والے نیویلا چیمبرلین نے چیکوسلواکیہ سے درخواست کی کہ بغیر کسی مدافعت کے یہ علاقہ جرمنی کے حوالے کر دے تا کہ جنگ کے شعلوں سے بچا جا سکے، یہ چیمبرلین کی امن کے لیے ایک ادنیٰ سی کاوش تھی، چیمبرلین کا موقف

جائے انھوں نے کہا۔

"England and France could not save Czechoslovakia even if they could defend themselves and this too was doubtful." (41)

یوں چیمبرلین کی کاوشوں سے ۲۹۔۳۰ ستمبر کو میونخ کے مقام پر، ہٹلر، مسولینی، ڈالڈائیر اور چیمبرلین نے ایک سمجھوتے پر دستخط کیے جس کے مطابق سوڈینٹ لین کو جرمنی کے حوالے کر دیا گیا اور نئی سرحدوں کی تشکیل کیلئے ان چاروں طاقتوں اور چیکوسلواکیہ کے نمائندوں پر مشتمل ایک کمیٹی قائم کی گئی۔

برطانیہ نے اس معائدے کو امن کی دلیل قرار دے دیا جبکہ جرمنی کی نظر میں اس کی اہمیت کا اندازہ جرمن وزیرِ خارجہ کے ان الفاظ سے ہو جاتا ہے کہ:

The Old man (Chamberlain) has signed his death warrant and now it is for us to fill the date. (42)

معائدہ کے تین ہفتوں بعد ہی ہٹلر نے نئے محازوں کیلئے جرنیلوں کو ہدایات دینا شروع کر دیں۔

معائدہ کی خلاف ورزی اور پولینڈ پر حملہ

جرمنی نے پولینڈ کے ساتھ دس سال تک مکمل امن کا معائدہ کیا تھا لیکن ۱۹۳۹ء میں معائدہ کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنے مطالبات جارحانہ انداز میں پولینڈ سامنے پیش کیے۔ معائدہ ورسائی کے تحت ڈانزگ کا علاقہ جرمنی سے لے کر انجمن اقوام عالم کی نگرانی میں دے دیا تھا اب جرمنی نے اس علاقے کی واپسی کا مطالبہ کر ڈالا ساتھ ہی پولینڈ کے راستے میں ریلوے لائن اور سڑک تعمیر کرنے کا ارادہ بھی کیا۔

Hitler notified them in threatening language that the Danzing issue would have to be settled. (43)

اس بار چیمبرلین نے جرمنی کو متنبہ کیا کہ پولینڈ کے خلاف کسی کاروائی کی صورت میں اسے برطانیہ و فرانس کا سامنا بھی کرنا پڑے گا لیکن ہٹلر نے اس دھمکی کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنے مطالبات رد ہونے کے فوراً بعد یکم ستمبر ۱۹۳۹ء کو پولینڈ کے خلاف اعلان جنگ کر دیا چرچل نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ:

"England and France could not save Czechoslovakia even if they could defend themselves and this too was doubtful." (41)

یوں چیمبرلین کی کاوشوں سے ۲۹۔۳۰ ستمبر کو میونخ کے مقام پر، ہٹلر، مسولینی، ڈالڈائیر اور چیمبرلین نے ایک سمجھوتے پر دستخط کیے جس کے مطابق سوڈینٹ لین کو جرمنی کے حوالے کر دیا گیا اور نئی سرحدوں کی تشکیل کیلئے ان چاروں طاقتوں اور چیکوسلواکیہ کے نمائندوں پر مشتمل ایک کمیٹی قائم کی گئی۔

برطانیہ نے اس معائدے کو امن کی دلیل قرار دے دیا جبکہ جرمنی کی نظر میں اس کی اہمیت کا اندازہ جرمن وزیرِ خارجہ کے ان الفاظ سے ہو جاتا ہے کہ:

The Old man (Chamberlain) has signed his death warrant and now it is for us to fill the date. (42)

معاھدہ کے تین ہفتوں بعد ہی ہٹلر نے نئے محازوں کیلئے جرنیلوں کو ہدایات دینا شروع کر دیں۔

معاھدہ کی خلاف ورزی اور پولینڈ پر حملہ

جرمنی نے پولینڈ کے ساتھ دس سال تک مکمل امن کا معائدہ کیا تھا لیکن ۱۹۳۹ء میں معائدہ کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنے مطالبات جارحانہ انداز میں پولینڈ سامنے پیش کیے۔ معائدہ ورسائی کے تحت ڈانزگ کا علاقہ جرمنی سے لے کر انجمن اقوام عالم کی نگرانی میں دے دیا تھا اب جرمنی نے اس علاقے کی واپسی کا مطالبہ کر ڈالا ساتھ ہی پولینڈ کے راستے میں ریلوے لائن اور سڑک تعمیر کرنے کا ارادہ بھی کیا۔

Hitler notified them in threatening language that the Danzing issue would have to be settled. (43)

اس بار چیمبرلین نے جرمنی کو متنبہ کیا کہ پولینڈ کے خلاف کسی کاروائی کی صورت میں اسے برطانیہ و فرانس کا سامنا بھی کرنا پڑے گا لیکن ہٹلر نے اس دھمکی کی پروہ نہ کرتے ہوئے اپنے مطالبات رد ہونے کے فوراً بعد یکم ستمبر ۱۹۳۹ء کو پولینڈ کے خلاف اعلان جنگ کر دیا چرچل نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ:

Poland of 1934, but also repudiated Anglo-German Naval Agreement of 1935. (44)

ہٹلر کی توقع کے برخلاف تیسرے ہی دن برطانیہ وفرانس نے جرمنی کے خلاف اعلانِ جنگ کر ڈالا اور یوں دنیا ایک بار پھر جنگ کی لپیٹ میں آ گئی، اس بار ایک اہم اتحادی ملک روس نے فرانس و برطانیہ کا ساتھ نہ دیا کیونکہ پولینڈ پر حملہ سے ایک ہفتہ قبل ہی وہ جرمنی کے ساتھ جنگ نہ کرنے کے معائدہ پر دستخط کر چکا تھا، یوں فرانس و برطانیہ ایک اہم حمایتی کی مدد سے محروم ہو گئے۔

پہلی جنگِ عظیم کے بعد کے مسلسل کرائسس کے باعث اس جنگ میں عوام کا ردِّعمل ویسا بالکل نہیں تھا جیسا کہ پچیس سال قبل جنگِ عظیم اوّل میں تھا، جرمنی صرف چار ہفتوں میں پولینڈ کو سر کرنے میں کامیاب ہو گیا اور اسے پولینڈ کو دو حصوں میں تقسیم کر کے مشرقی حصہ وعدے کے مطابق روس کے حوالے کر دیا جس کی خاطر روس نے اپنے ساتھیوں کو مشکل میں چھوڑ دیا تھا ۶۹۴،۰۰۰ افراد جنگی قیدی کے طور پر پولینڈ کے ہاتھ آ گئے اس جنگ میں ہونے والے کل نقصان کی بابت Sposito کی رپورٹ ہے۔

The German lost 13, 1981 killed and 30,322 wounded Polish losses will probably never be known. (45)

پولینڈ کی فتح نے جرمنی کا حوصلہ بڑھا دیا اس کا اپنی فضائیہ اور بری افواج پر اعتماد بڑھ گیا، وہ آناً فاناً ڈنمارک اور نیدرلینڈ پر حملہ آور ہو گیا اور انہیں تباہ و برباد کر ڈالا اور فضائیہ کے دم پر ناروے کی مُہم بھی سر کر ڈالی۔ لیکن جرمنی کے حقیقی جوہر تو فرانس کے ساتھ معرکہ آرائی میں کھل کر سامنے آئے اس کے ٹینکوں کے آہنی غول اور سریع الحرکت پیادہ فوج نے اتحادیوں کو بے بس کر دیا اور جرمنی کو ہر جانب فتح ہی حاصل ہو رہی تھی لیکن اپنی عسکری قوت کا لوہا منوانے کے بعد جرمنی یہیں رکنے پر تیار نہ ہوا بلکہ اس نے روس کو بھی اپنی لپیٹ میں لینے کی ٹھان لی جس کے بعد جنگ کا پینترا تبدیل ہو گیا، اب جرمن فضائی قوت مشرق، مغرب، اور بحرہ روم، تین سمتوں میں منتشر ہوتی چلی گئی اور اپنے تمام تر محاسن بروئے کار لانے اور نقصان اُٹھانے کے باوجود روس جیسے وسیع و عریض خطے کو کنٹرول کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ جرمنی کی ہوس و طمع نے اس کی کامیابی کو ناکامی میں بدل ڈالا۔

جرمنی کی دیکھا دیکھی دوسرا آمر ملک جاپان بھی خود کو دنیا کا طاقتور ملک بنانے اور Far East میں اپنی مضبوط سلطنت کے خواب دیکھ رہا تھا نیدرلینڈ اور فرانس پر جرمن قبضہ کے بعد جاپان کو وہاں سے کسی مزاحمت کا خطرہ نہیں رہا تھا لہٰذا اس نے جنگ میں اپنا کردار ادا کرنے کا فیصلہ کیا اور برما، ایسٹ انڈیا، اور سنگاپور کے خلاف کاروائی کی تیاریاں شروع کر دیں تو امریکہ بھی میدانِ میں کود آیا پہلے پہل امریکہ نے ڈپلومیٹک ذرائع اور معاشی دباؤ سے جاپان کو روکنے کی کوشش کی ان دونوں حکومتوں کے مابین واشنگٹن میں ہونے والے مذاکرات ابھی اپنے اختتامی مراحل میں تھے کہ ۷ دسمبر ۱۹۴۱ء صبح ۹:۱۵ بجے جاپان نے پرل ہاربر پر حملہ کر ڈالا اور دوپہر ایک بجے تک اسکے تمام ایئر کرافٹ امریکہ کی ایک شپ کو تباہ کرنے کے بعد واپس اپنے مقام پر پہنچ چکے تھے اس حملے کے نقصانات پر Sposito نے یوں روشنی ڈالی ہے۔

3 cruisers were damaged, 2 destroyed, burned and heavily damaged and 2 auxiliaries sunk and 2 damaged. (46)

اس جنگ میں ہونے والے جانی نقصان کا اندازہ خاصا مشکل کام ہے۔

Personal casualties were heavy,2,403 men losing their lives in the first hour of war. (47)

اگلے ہی دن امریکہ کی جانب سے بھی اعلانِ جنگ ہو گیا یوں یہ جنگ دنیا کے ہر حصے میں پھیلتی چلی گئی، امریکہ و جاپان کا باہم معرکہ شروع ہی ہوا تھا کہ اٹلی اور جرمنی بھی جاپان کی حمایت میں کود آئے اس لیے کہ ۱۹۴۰ء کے ایک معاہدے کے مطابق وہ اس بات پر پابند تھے کہ یورپ سے ہٹ کر کسی بھی ریاست سے جاپان کے مقابلے کی صورت میں وہ اس کی مدد کریں گے Felk Gibret نے اس بات لکھا ہے کہ:

It remains strange however, that Hitler who had few inclinations to honor treaty obligations believed that he had to fulfill this one. (48)

توجہ فار ایسٹ میں ہی فوکس رکھنا چاہتا تھا تاہم دنیا کے سب سے طاقتور ملک کے اس معرکہ آرائی میں کود پڑنے کے باعث اتحادیوں کی کارکردگی بھی بڑھ گئی اور انہوں نے اتنی مؤثر کاروائی کی کہ فاسشٹ اتحاد ثلاثہ کا شیرازہ بکھر گیا یہاں تک کہ جرمنی نے غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈال دیے اور ہٹلر لاپتہ ہو گیا، البتہ جاپان ڈٹا رہا اور ہتھیار ڈالنے پر راضی نہ ہوا۔ ۱۷ جولائی کو اتحادیوں نے جاپان کو ہتھیار ڈالنے کے لیے الٹی میٹیم دے دیا جس کی پرواہ نہ کرتے ہوئے جاپان نے سخت کاروائی جاری رکھی نتیجتاً امریکہ نے ۶ اور ۸ تاریخ کو جاپان کے شہروں ہیروشیما اور ناگاساکی پر بم گرا کر انسانی تاریخ کی سب سے بڑی خون ریزی دتباہ کاری کی مثال دنیا کے نقشے پر ثبت کر دی اور بالآخر انسانیت کو اپنے قدموں تلے روندتی ہوئی بیسوی صدی کی مہذب اقوام کی یہ بھیانک جنگ اپنے خوفناک انجام کو پہنچی جس نے وحشی اقوام کی وحشت کو بھی بہت پیچھے چھوڑ دیا۔

This burned out more then half of their cities, killed 130,000 people and injured an equal number. (49)

عالمگیر جنگوں کے نتائج اور دنیا پر اثرات

مہذب اقوام کی ان جنگوں میں کہیں بھی کوئی ایسا مثبت زاویہ دکھائی نہیں دیتا جس میں انسانیت کی بھلائی کا کوئی ایک بھی پہلو موجود ہو نہ ہی ان جنگوں کا کوئی ایسا خوشگوار اور سودمند پہلو موجود ہے جسے زیر بحث لایا جاسکے یا ان جنگوں کے بعد اقوامِ عالم کو حاصل ہونے والے مثبت اثرات ونتائج کا حوالہ دیا جاسکے۔ جہاں تک ان جنگوں میں واقع ہونے والی تباہی دبربادی کا تعلق ہے اس کا شمار ابھی تک ممکن نہیں ہو سکا، نہ ہی Accurate Casualities بتائی جاسکتی ہیں نہ کل جنگی نقصان کا حتمی اندازہ لگایا جاسکتا ہے ایک محتاط اندازے کے مطابق جنگِ عظیم اوّل میں دنیا کے ساڑھے چھ کروڑ افراد ملوث تھے جن میں سے ۹۰ لاکھ کے قریب ہلاکت کا شکار ہو گئے۔

Some 8,500,000 soldiers died as a result of wounds or diseases. (50)

F.lee Benns اور Mary Elisabeth نے اپنی کتاب Europe 1914-1939 میں لکھا ہے:

The conflict mobilized the tremendous total of 65,000,000, men of these millions of the most able-bodied of the nations, nearly 9,000,000 lost their lives and about 22,000,000 were wounded in battle. (51)

"The World Book" کے مطابق جنگ عظیم اول میں ہونے والا جانی و مالی نقصان گزشتہ سوسال میں ہونے والی تمام جنگوں سے زیادہ تھا۔

Nearly about 10 million soldiers died as a result of war -far more than had died in all the war during the previous 100 years .About 21 million were wounded. (52)

Louis, Gotischalk نے مجموعی جانی نقصان کی تفصیل یوں بیان کی ہے:

The war had cost about 10,000,000 dead and 20,000,000 wounded on all sides. Germany Russia had suffered well over 1,500,000 deaths each, France and Austria Hungary well over 1,000,000 each, Great just under 1,000,000 altogether. (53) لے

اس جنگ کے نتیجے میں واقع ہونے والی سول اموات کا تعداد کا شمار ممکن نہیں، جنگ کے بعد بھی بے شمار اموات مختلف وبائیں پھوٹنے کے باعث واقع ہوگئیں، یقیناً سیول اموات کی تعداد ملٹری اموات سے بھی کہیں زیادہ تھی۔

The civilian deaths were largely cost by starvation, exposure, disease, military encounter and massacres. (54)

صنعتوں کو نقصان پہنچایا، جس سے بعض ممالک میں قحط کی صورت پیدا ہوگئی۔ یہ اس سے قبل لڑی گئی جنگوں میں مہنگی ترین جنگ شمار کی جاتی ہے۔

World War 1 cost the fighting nations a total of about 337 billion U.S Dollars. By 1918 the war was costing about 10 million an hour. (55)

Bens and Mary Elisabeth نے براہِ راست جنگی نقصان کی مالیت یوں بیان کی ہے

The total direct war costs for the principle belligerents amounted to about 186,000,000,000 (56)

اس جنگ نے معیشت کو منتشر کر کے رکھ دیا، پورے یورپ میں افراطِ زر کی صورتِ حال پیدا ہونا شروع ہوگئی جس سے مجموعی معاشی بحران پیدا ہوتا چلا گیا یہاں تک دوسری عالمی جنگ کی نوبت آن پہنچی۔ دوسری جنگِ عظیم کے نقصانات کا احاطہ ممکن نہیں نہ جنگ میں ہونے والے جانی و مالی نقصان کا درست شمار آج تک ممکن ہوسکا، اندازے کے مطابق ۱۷ ملین صرف فوجی اموات واقع ہوئیں اور اس سے کہیں زیادہ سیول اموات ہوئیں دنیا کی تقریباً ۳۰ ملین آبادی تباہ و برباد ہو کر رہ گئی اور سولہ ملین آبادی کو اپنے اپنے علاقوں سے ہجرت کرنی پڑی۔

انسائیکلو پیڈیا ورلڈ بک میں لکھا ہے:

"Civilian deaths were even greater as a result of starvation, bombing raids, massacres, epidermis and other war-related causes."(57) ہے

جانی نقصان کی طرح اس جنگ پر آنے والے مالی اخراجات بھی بے حد و حساب تھے جن کا درست شمار ممکن نہیں۔

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے مطابق:

"The money cost to Government involved has been estimated at more then $, 000,000,000,000." (58)

1. ***Encyclopedia Britannica,***(Chicago:Encyclopedia Britannica Inc) 1996, P.490, Vol.12
2. Oppenheim, ***International Law,*** (London: Longmans Green and Co-LTD) 1952
3. Carl,Clausewitz, . Von, Trans: Coll J J. Graham, ***On War,*** (London : Rottledge,) 1949
4. Wright,Quincy , ***A study of war,*** (Chicago, The University of Chicago Press)N.D
5. Quincy Wright, ***A study of war,*** opcit P.135
6. ***Encyclopedia Britannica,*** opcit, P.633, Vol.29
7. Ibid
8. Arthur, Nussbaum, ***A concise history of the Law of Nations,*** (New York :The Macmillan Company) 1950, p 243
9. ***Encyclopedia Britannica,*** opcit, P.634 , Vol, P.29
10. Easum,Chester V. ***Half century of conflict,*** (New York: Haper and Brothers) 1952, P.7
11. Andreas barpalen, ***Europe in 20th century*** (New York: The Macmillan company) 1968, P.6
12. Black ,C. E. & E. C Helmrich, ***Twentieth century Europe,*** (New York: Alfred-A-Knops) 1950, P.31
13. Bloch,Camile ***The Causes of the world war*** , Trns: Jane Scames, (London: George Allan & Unwin Ltd) 1935, P.37

15. Black,C.E. & E.C Helmrich, ***Twentieth century Europe,*** opcit,P.52
16. Ibid
17. Walter, Phelps hall, ***World Wars and Revolution*** (New York: Appleton-Century-Crafts) 1952, P.74
18. Taylor,A. J. ***English History 1914-1945*** (New York :Oxford University Press) 1965, P.115
19. Black,C. E. & E C Helmrich, ***Twentieth century Europe,*** opcit,P.70
20. Black, C.E. & E.C Helmrich, ***Twentieth century Europe,*** opcit, P.59
21. Black,C.E & E.C Helmrich, ***Twentieth century Europe,*** opcit, P.70
22. Taylor,A. J. ***English History 1914-1945***, opcit, P.110
23. Arun bhattachar jce, ***A History of modern world (1914-1941)*** (New Dheli: Ashish publishing house) 1991, P.21
24. Carlton J. H. Hayes. ***Contemporary Europe since 1970*** (N. Y: Macmillan Company) 1958, P.425
25. Walter Phelps hall, ***World Wars and Revolution,*** opcit, P.96
26. Carlton J. H. Hayes,***Contemporary Europe since 1970,*** opcit, P.425
27. Mowat,R. B M. A, ***A history of European diplomacy (1914-1925),*** (New York : Longmans Green & Co) 1927, P.151

(۲۸) سراج الاسلام، **جدید تاریخ یورپ** :کراچی، طاہر سنز ،۱۹۸۹ء،ص:۴۰۹

29. Vidya Dhar mahajan, ***History of modern Europe since 1789*** (New Dhali, S.chan & company (PVT) LTD) 1985, P.606
30. Vidya D.M ,***History of Modern Europe since 1789,*** opcit,P.702

33. Ibid
34. Vidya Dhar mahajan, ***history of modern Europe since 1789***, opcit, P.703
35. Ibid
36. Taylor, A.j.***The origins of second world war*** (Greenwich: Fawcett publications) 1961
37. SPOSITO, ***Coincise history of second world war,*** (New York: Fredrick A. Praeger) 1961, P.8
38. Felix Gilbert, (Institute of advanced study) ***The end of European era 1890 to the present,*** (New York :W. W Norton & Company) 1970, P.243
39. SPOSITO, ***A Concise history of second world war***, opcit, P.135
40. SPOSITO, ***A Concise history of second world war,*** opcit ,p 200
41. Ibid
42. Winston Churchill, ***The second world war by the Gathering storm*** (London: Cassell & Co. LTD) 1948
43. SPOSITO, ***A Concise history of second world war,*** opcit, P.36
44. Churchill, ***The Second World War,*** The Gathering storm opcit, P.623
45. SPOSITO, ***A Concise history of second world war,*** opcit, P.41
46. SPOSITO, ***A Concise history of second world war***, opcit, P.273

48. Gilbert,Felix (Institute of advanced study) ***The end of European era 1890 to the present, opcit, P.295***
49. Ibid
50. ***Encyclopedia Britannica,*** opcit, P.987, Vol,29
51. Elisabeth,Bens and Mary, ***Europe-1914-1939*** (New York: Meredith Publishing Company) P.965
52. Gilbert,Felix (Institute of advanced study) ***The end of European era 1890 to the present,*** opcit, P.295
53. Louis,Gotischalk,***The Transformation of Modern Europe*** (Chicago: Foresman & company) 1954, P.623
54. ***Encyclopedia Britannica,*** opcit, P.987, Vol,29
55. ***Encyclopedia The World Book*** ,opcit P.374 , Vol.21
56. Elisabeth,Bens and Mary, ***Europe-1914-1939,*** opcit, P.10
57. ***Encyclopedia The World Book,*** opcit P.374, Vol.21
58. ***Encyclopedia Britannica,*** opcit, P.987, Vol,29

باب چہارم

عرب اسرائیل جنگیں

عرب اسرائیل جنگیں

۱۔ عرب

برّ اعظم ایشیاء کے مغرب میں واقع جزیرہ نما ہے جس کی حدیں شمال میں شام کی حدود سے ملتی ہیں۔اس کے مشرق میں دریائے فرات و بحر ہند جب کہ مغرب میں بحرہ احمر واقع ہے۔

ملک عرب کا رقبہ بارہ تیرہ مربع میل ہے جس میں چار پانچ مربع میل کے قریب خالص ریگستانی اور غیر آباد رقبے شامل ہیں۔(۱)

باری علیگ نے عرب کا حدود دربعہ یوں بیان کیا ہے:

''شمال یا مغرب سے جنوب مشرق تک اس کی زیادہ سے زیادہ لمبائی ۱۸۰۰ میل اور چوڑائی چھ سو میل ہے۔''(۲)

سیّد سلمان ندوی نے لکھا ہے:

''جنس اور جغرافیائی حدود کے اعتبار سے یہ سارا علاقہ عرب کا علاقہ تھا اور اس کے بسنے والے عرب تھے۔''(۳)

حضرت نوح علیہ السلام کی تمام اولاد جغرافیائی اور لسانی اعتبار سے عرب کہلاتی ہے اور یہ قوم عرب کے سب سے پہلے بادشاہ سام ابن نوع کے نام سے مشہور ہے۔

طوفان نوع کے بعد نسلِ انسانی کا سب سے بڑا مسکن جزیرۃ العرب تھا جہاں سے ہجرت کر کہ سامی قبائل شاخ در شاخ مشرق اوسط میں آباد ہوئیں۔(۴)

بابلیوں، اشوریوں، عبرانیوں، فینقیوں، آرامیوں، اور حبشیوں پر مشتمل یہ سامی اقوام بنیادی طور پر ایک ہی جڑ سے ہیں جو بعد میں رفتہ رفتہ مختلف مقامات پر منتشر ہوتی گئیں۔

فسكن البابليون والاشوريون العراق، والفينقيون سواحل
سوريه، و العبرانيون فلسطين والاحباس و الحبشيه (۵)

ترجمہ: ''بابلیوں اور اشوریوں نے عراق میں سکونت اختیار کی، فینقیوں نے شام کا ساحلی علاقہ آباد کیا، عبرانیوں نے فلسطین اور حبشیوں نے حبشہ۔''

۲۔ اسرائیل

اسرائیل یہودیوں کے جدّ اعلیٰ حضرت یعقوب علیہ السلام کا عبرانی نام ہے یہ اسراً (عبد) اور ایل (اللہ) دو الفاظ کا مرکب ہے جس کا مطلب ہے عبد اللہ۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وہ اسحاقی خاندان جو ان کی نسل سے ہے اسی لیے بنی اسرائیل کہلاتا ہے۔(۶)

لفظ اسرائیل دراصل حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب ہے جو انہیں ایک پراسرار دشمن کے ساتھ کشتی لڑنے کے بعد عطا کیا گیا تھا۔ قرآن حکیم میں صرف ایک جگہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا ذکر اسرائیل کے نام سے ہوا ہے۔

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِىٓ اِسْرَآءِيْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ
اِسْرَآءِيْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ۝ (۷)

ترجمہ: ''بنی اسرائیل کے لیے تورات کے نزول سے پہلے کھانے کی تمام چیزیں حلال تھیں بجز ان کے جو اسرائیل نے خود اپنے اُوپر حرام کر دی تھیں۔''

اس مقام کے علاوہ ہر بار آپؑ کو یعقوب کے نام سے ہی پکارا گیا ہے البتہ اولادِ یعقوب کا تذکرہ بار بار بنی اسرائیل کے لقب سے ہوا ہے۔

"Jews are the descendants of an ancient people called the Hebrew. During Biblical times, the hebrews who came to be called Israelites-lived in what is now Israel." (8)

تاریخی پسِ منظر

قدیم دنیا کے لوگ دو بڑی نسلوں ''سامی نسل'' اور'' آریائی نسل'' میں بٹے ہوئے تھے ان دونوں میں سے سامی النسل اقوام نے طوفان نوع کے بعد جزیرۃ العرب میں رہائش اختیار کی اور خوب پھیلی پھولیں ۔فرات وشام کے درمیانی صحرا کے اکثر لوگوں کا پیشہ گلہ بانی تھا اور طرزِ زندگی خانہ بدوشانہ تھا۔ بنی اسرائیل کے جدّ امجد حضرت ابراہیم نے اسی صحرا کی راہ لیتے ہوئے اپنے قبیلے کے ہمراہ ملک شام کی جانب ہجرت کی تھی۔ حضرت ابراہیم خود سامی النسل تھے۔آپ علیہ السلام کا شجرہ اس طرح ہے۔

ابراھیم (خلیل اللّٰہ) بن تارح بن ناحور بن ساروغ، بن ارغوا، بن فالغ، بن عابر، بن شالخ بن قینان ، بن ارفخشذ، بن سام، بن نوع علیہ السّلام (۹)

حضرت ابراہیم علیہ السلام ملک عراق میں دریائے دجلہ وفرات کے سنگم پر واقع ایک قصبہ ''ار'' کے باشندہ اور اہلِ فدان میں سے تھے آپ علیہ السلام کی قوم بت پرست تھی مگر آپ کا دل ودماغ ان خود تراشیدہ معبودوں کی جانب مائل نہ ہوسکا۔ چنانچہ انہوں نے بت پرستی کی نفی کردی اور تلاشِ حق کے لیے سرگرداں ہوگئے اور حق واضح ہو جانے کے بعد آپ نے سب سے پہلے اپنے والد کو راہِ مستقیم دکھائی اس کا ذکر قرآن حکیم میں آیا ہے۔فرمایا:

اِذْ قَالَ لِاَبِیْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِیْلُ الَّتِیْٓ اَنْتُمْ لَهَا عَاكِفُوْنَ۝ (۱۰)

جن کی پرستش پر تم معتکف ہو۔''

اس کے بعد عوام و جمہور کے سامنے اپنی دعوت و پیغام عام کیا مگر قوم نے آپ کے پیغام کو سختی سے رد کر دیا۔

اِذْ قَالَ لِاَبِیْهِ وَ قَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ o قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِیْنَ o (۱۱)

ترجمہ: ''جب انہوں نے اپنے باپ اوران کی قوم کے لوگوں سے کہا کہ تم کس چیز کو پوجتے ہو تو وہ کہنے لگے کہ ہم بتوں کو پوجتے ہیں اور ان کی (پوجا) پر قائم ہیں۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا آخری مناظرہ بادشاہ وقت کے ساتھ ہوا۔ اس زمانے میں عراق کا بادشاہ نمرود لقب رکھتا تھا اور نہ صرف بادشاہ کہلاتا تھا بلکہ خود کو رعایا کا رب و مالک بھی قرار دیتا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بادشاہ کے سامنے اپنا موقف بیان کیا جب بادشاہ وقت ان دلائل کی نفی نہ کر سکا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پیش کیے تو ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے آپ کو دہکتی آگ میں ڈالنے کا فیصلہ صادر کر دیا مگر طاقت الٰہی نے آپ کو بچالیا۔ اس بابت ارشادِ الٰہی ہے:

قُلْنَا یٰنَارُ كُوْنِیْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰۤى اِبْرٰهِیْمَ o (۱۲)

ترجمہ: ''ہم نے حکم دیا کہ اے آگ سرد ہو جا اور ابراہیم پر موجب سلامتی بن جا۔''

اس واقعہ کے بعد آپ نے فدان آرام سے ہجرت کا ارادہ کیا بلکہ توریت کے بیان کے مطابق خدا تعالیٰ نے آپ کو وہاں سے ہجرت کر لینے کا حکم دیا۔

اور خداوند نے ابراہیم سے کہا کہ تو اپنے وطن اور اپنے ناتے داروں کے بیچ سے نکل اور اپنے باپ کے گھر سے نکل کر اس ملک میں جا جو میں تجھ کو دوں گا۔ (۱۳)

چنانچہ آپ اپنی بیوی سارہ اور بھتیجے لوط کے ہمراہ ملک شام تشریف لے گئے جہاں سے تبلیغ

اقتدار تھا۔

قصص القرآن میں تحریر ہے کہ:

''جب وہ اپنے گلہ کو لے کر اس علاقہ سے گزر رہے تھے جس کا نام کنعان تھا اور جسے بعد میں فلسطین کہا گیا تو ان کے خدا نے ان سے وعدہ کیا کہ وہ کنعان کا زرخیز علاقہ کا حاکم انہیں اور ان کے قبیلے کے افراد کو بنا دے گا۔'' (۱۴)

توریت میں اسی بابت کہا گیا ہے:

اس وقت ملک میں کنعانی رہتے تھے تب خداوند نے ابراہیم کو دکھائی دے کر کہا کہ یہی ملک میں تیری نسل کو دوں گا۔ (۱۵)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے آپ کے بیٹے اسحاق اور پھر ان کے بیٹے یعقوب کا قیام یہیں رہا، یعقوب علیہ السلام کا لقب اسرائیل کہلایا جس کے باعث آپ کی قوم کو بنی اسرائیل کا لقب مل گیا۔ اسی نسبت کی بناء پر تمام عبرانی جو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد سے نہ تھے بنی اسرائیل کہلائے۔ (۱۶)

بعد میں حضرت یعقوب علیہ السلام نے ملک شام کی جانب ہجرت فرمائی تھی توریت کے مطابق آپ کو اپنے بھائی کی جانب سے جان کا خطرہ لاحق ہو گیا تھا جس کے باعث آپ کی والدہ نے آپ کو ملک شام کی جانب ہجرت پر مجبور کر دیا تھا۔

اس نے اپنے چھوٹے بیٹے کو بلا کر کہا کہ تیرا بھائی عیسو تجھے مار ڈالنے پر ہے اور یہی سوچ سوچ کر اپنے کو تسلی دے رہا ہے۔ سوائے میرے بیٹے تو میری بات سن اور اُٹھ کر حاران کو میرے بھائی لابن کے پاس بھاگ جا۔ (۱۷)

توریت کے مطابق حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی ماں کا کہنا مان لیا اور حاران روانہ ہو گئے

اور جب حضرت یعقوب علیہ السلام عرصہ دراز کی جلاوطنی کاٹنے کے بعد واپس لوٹے تو ان کا نام اسرائیل ہو گیا۔(۱۸)

واپسی کے وقت آپ علیہ السلام کے ہمراہ گیارہ بیٹے تھے۔آپ کی اولاد نے بھی اپنے باپ کے ساتھ کنعان کو ہی اپنا مستقل مسکن بنالیا تادم کہ آپ کے فرزند حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے دوسرے بھائیوں نے کنویں میں پھینک دیا جہاں سے حضرت یوسف علیہ السلام مصر کے ایک قافلہ کے ہاتھ آ گئے جنھوں نے آپ کو عزیزِ مصر کے ہاتھ فروخت کر دیا یوں گردش حالات اور امتدادِ زمانہ کے ہاتھوں خاندانِ یعقوب کا ایک فرد مصر جا پہنچا اور گزرتے وقت کے ساتھ مصر کی حکومت کے ایک اہم منصب پر فائز ہو گیا۔ اسی زمانہ میں شام و مصر میں قحط پڑ گیا تو حصول غلہ کی خاطر حضرت یوسف علیہ السلام کے دوسرے بھائی بھی مصر جا پہنچے اور وہیں سکونت اختیار کر لی۔توریت کے بیان کے مطابق حضرت یوسف علیہ السلام نے فرعون سے اپنے باپ و اہل خاندان کے لیے ایک زرخیز علاقہ طلب کیا جو فرعون نے ان کے سپرد کر دیا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے باپ اور بھائیوں کو بسا دیا اور فرعون کے حکم کے مطابق رعمسیس کا علاقہ جو ملک مصر کا نہایت زرخیز خطہ تھا ان کی جاگیر ٹھہرایا۔(۱۹)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے اسرائیل کی اولاد اپنے جدّ امجد کی وفات سے ڈیڑھ دو برس بعد مصر منتقل ہو گئی اور یہاں اسے خوب عروج حاصل ہوا۔یہی عروج فرعون مصر کو کھٹکنے لگا تو حضرت یوسف علیہ السلام کی وفات کے بعد فرعونِ مصر نے اسرئیلیوں کے ساتھ تعصّبانہ روّیہ اختیار کرنا شروع کر دیا۔تب مصر میں ایک بادشاہ ہوا جو یوسف کو نہیں جانتا تھا اور اس نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا دیکھو اسرائیلی ہم سے زیادہ قوی ہو گئے ہیں۔

بنی اسرائیل کی بڑھتی ہوئی طاقت سے خائف ہو کر بادشاہ وقت نے ان سے شدید تر روّیہ اختیار کرنا شروع کر دیا یہاں تک کہ پوری قوم غلامانہ زندگی اختیار کرنے پر مجبور ہو گئی۔۱۲۹۷ تا ۱۲۲۵ ق م کا دور تھا جب بادشاہ وقت رعمسیس دوئم نے ظلم کی انتہا کرتے ہوئے اسرائیلیوں میں پیدا ہونے والے تمام

فرعونِ مصر کی تباہی کا باعث بنے گا۔

نجومیوں کے ایک خاص گروہ نے پیشن گوئی کی کہ بنی اسرائیل میں ایک ایسا بچہ پیدا ہونے والا ہے جو فرعونِ مصر کی تباہی کا باعث بنے گا۔(۲۱)

قرآنِ کریم سے اس بابت تصدیق ہوتی ہے کہ اسی مدت میں بنی اسرائیل کے ایک گھرانے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہوئی تو آپ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ نے فرعون کے خوف سے آپ کو ایک صندوق میں ڈال کر دریا میں بہا دیا یہ صندوق فرعون مصر کے محل کے کنارے جا لگا فرعون کی بیوی نے بچے کو دیکھا تو اس کا دل پسیج گیا اور اس نے فرعون سے یہ بچہ اپنا لینے کی درخواست کی۔

وَ قَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَیْنٍ لِّیْ وَلَکَ لَا تَقْتُلُوْہُ عَسٰی اَنْ یَّنْفَعَنَا اَوْ نَتَّخِذَہٗ وَلَدًا وَّ ھُمْ لَا یَشْعُرُوْنَo (۲۲)

ترجمہ: ''اور فرعون کی بیوی سارہ نے کہا کہ (یہ) میری اور تمہاری دونوں کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اس کو قتل نہ کرنا شاید ہمیں فائدہ پہنچائے۔''

فرعون نے دل میں بھی مصلحتِ الٰہی سے ایسی نرمی پیدا ہوگئی کہ اس کی نظر طویل المدت خدشات کا احاطہ نہ کر سکی اور اس نے اپنی بیوی کی بات مان لی یوں حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعونِ مصر کے گھر میں پل کر جوان ہو گئے۔آپ کی نوجوانی میں ایک دن آپ نے ایک اسرائیلی اور قبطی قبیلہ کے ایک شخص کے درمیان لڑائی ہوتے دیکھی آپ لڑائی میں مخل ہوئے اور قبطی کو ایک مکا مارا جس سے وہ جاں بحق ہو گیا۔

فَوَکَزَہٗ مُوْسٰی فَقَضٰی عَلَیْہِo (۲۳)

ترجمہ: ''انہوں نے اسے مکا مارا اور اس کا کام تمام کر دیا۔''

اس واقعہ کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام خوفزدہ ہو گئے اور فرعونِ مصر سے بچنے کے لیے مصر سے فرار ہو کر تقریباً دس کوس پر واقع شہر مدین میں جا کر پناہ لی۔یہیں آپ پر وحی کا سلسلہ شروع ہوا اور فرعونِ مصر

کوئی مثبت اثر تو نہ ہو سکا بلکہ وہ پورے قبیلہ کا زبردست دشمن ہو گیا اور یہودی قوم کو مٹا دینے کے درپے ہو گیا۔ انہیں حالات کے پیشِ نظر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو ساتھ لیا اور اپنے باپ دادا کی سرزمین کی جانب ہجرت کی، یہی وہ سرزمین تھی جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام سب سے پہلے داخل ہوئے تھے، اس سرزمین کی اہمیت کو تاریخ کبھی جھٹلا نہ سکی اور کئی سالوں تک فلسطین کی یہ سرزمین بڑی بڑی قوموں کی فتوحات کا مرکز بنی رہی۔

مصر سے فلسطین کی جانب دو راستے جاتے تھے ایک خشکی کا راستہ جو قریب تر تھا اور نسبتاً آسان بھی جبکہ دوسرا راستہ بحر احمر یا قلزم تھا جو خاصا دشوار و کٹھن گردانا جاتا تھا لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم نے مصلحتاً قریبی راستہ ترک کر کے دریا کا راستہ اختیار کیا اور بحفاظت دریا عبور کر دیا فرعون نے اپنی فوج کے ہمراہ ان کا تعاقب کیا لیکن وہ دریا عبور نہ کر سکے اور وہیں غرق ہو گئے۔

فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ (۲۴)

ترجمہ: پھر فرعون نے اپنے لشکر کے ساتھ ان کا تعاقب کیا تو دریا کی لہروں نے ان پر چڑھ کر ڈھانک دیا۔"

چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام کی وفات کے بعد مسلسل ظلم و ستم، جبر و قہر برداشت کرنے اور غلامانہ زندگی گزارنے کے چار سو سال بعد خدا کی مہربانی سے بنی اسرائیل کو ایک ایسا مسیحا میسّر آیا جس نے انہیں فرعون کے پنجہ استبداد سے نجات دلائی اور دریائے قلزم کے راستے وادی سینا میں داخل کر دیا۔ سینا کا یہ میدان فلسطین کی زمین کے قریب واقع تھا جس کے بابت بنی اسرائیل کے باپ دادا سے خدا کا وعدہ تھا۔

سیّد سبط حسین نے لکھا ہے:

"آج کل یہ خطہ شام، لبنان، اردن، اور اسرائیلی و فلسطین کی ریاستوں میں بٹا ہوا ہے لیکن پُرانے زمانے میں اس پورے علاقے کو کنعان کہتے تھے۔" (۲۵)

منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا مگر اس قوم کی سرکشی احسان فراموشی و نافرمانی کا عالم یہ تھا کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں بیت المقدس میں داخل ہونے کو کہا تو انہوں نے جواب دیا کہ وہاں خطرہ ہے لہٰذا ہم داخل نہیں ہوں گے کہنے لگے۔

قَالُوْا يٰمُوْسٰۤى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَاۤ اَبَدًا مَّادَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ○ (۲۶)

ترجمہ: ''وہ بولے کہ اے موسیٰ جب تک وہ لوگ وہاں ہیں ہم کبھی وہاں نہیں جاسکتے (اگر لڑنا ہی ضرور ہے) تم اور تمہارا رب جاؤ اور لڑو ہم یہیں بیٹھے رہیں گے۔''

اپنے اس سرکش فعل کے باعث اس قوم نے خداوند کریم کو ناراض کر دیا، چالیس سال تک وہ اسی میدان میں بھٹکتے رہے اور انہیں مستقل ٹھکانہ کہیں میسر نہ آسکا۔ چالیس سال تک بھٹکنے کے بعد جب یوشع کی رہبری میں بنی اسرائیل سرزمین فلسطین میں داخل ہوئے تو نہایت خدا پرست اور احکام الٰہی پر کاربند رہنے والی قوم میں ڈھل چکے تھے۔ فلسطین میں سکونت کے بعد باقاعدہ ان کی سیاسی زندگی کا آغاز ہوا اور فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا۔ گیارہویں صدی قبل مسیح تک یہاں یہودیوں کی بادشاہی قائم ہو چکی تھی جو حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے ماتحت دسویں صدی قبل مسیح میں وقار و رفعت کے اوج تک پہنچ گئی تھی۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے یروشلم فتح کر کے وہاں بیت المقدس کی بنیاد رکھی مگر اس کی تکمیل آپ کے جانشین حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد میں ہوئی۔ ۹۷۳ء تا ۹۳۷ء ق م کے دورِ سلیمانی میں فلسطین میں اعلیٰ شان اسرائیلی ریاست کی بنیاد پڑ چکی تھی اس دور میں خوب تجارت و ترقی ہوئی آپ کے بعد یہ سلطنت اپنا وجود برقرار نہ رکھ سکی۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے جانشینوں کے دور میں ریاست کے شمالی علاقے کے بارہ قبائل میں سے دس قبائل نے مرکز سے روگرداں ہو کر سماریا کے نام سے ایک نئی ریاست قائم کر لی اور جنوب کے دو

باہمی تفرقہ کے علاوہ اس دور میں بنی اسرائیل فواحش، بدکاری، عیاشی و بدمعاشی میں بھی ڈوب گئے اور ایک بار پھر توحید سے منحرف ہو کر بت پرستی کی جانب پلٹ گئے، توریت میں ردّو بدل کر دیا گیا نیز دونوں حکومتیں ہمیشہ باہم دست و گریبان رہنے لگیں جس کے باعث زیادہ عرصہ اپنا وجود برقرار نہ رکھ سکیں ان کی کمزوری کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے ۷۲۲ء ق م میں اشوریوں نے شمالی حکومت پر حملہ کر کے اسے فتح کر لیا اور یہودیوں کا یہ غرور ٹوٹ گیا کہ وہ چونکہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد ہیں اس لیے ہر طرح کی پیشوائی پر انہیں کا اجارہ ہے یوں ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت کا استحقاق کسی بھی قوم کو نسل و نسب کی بناء پر حاصل نہیں ہوتا بلکہ ایمان اور عمل صالح اس کی شرط ہے۔

سورۂ بنی اسرائیل میں یہود کی تاریخ خود ان کی مقدس کتابوں کی روشنی میں پیش کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ خود تمہارے صحیفوں میں درج ہے کہ تم دو مرتبہ بڑے پیمانے پر بغاوت کرو گے اور زمین میں فساد مچاؤ گے اور دونوں مرتبہ خدا سخت گیر بندے تم پر مسلّط کرے گا۔

وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ فِي الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَ لَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا o (۲۸)

ترجمہ: ’’اور ہم نے کتاب میں بنی اسرائیل سے کہا کہ تم زمین میں دو مرتبہ فساد و بری سرکشی پھیلاؤ گے۔‘‘

قرآنِ کریم کے اس اشارہ کے مطابق پہلی مرتبہ ۵۸۶ ق م میں بابل و نینوا کے بادشاہ بخت نصر نے یروشلم کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی مسجد کلیۃً مسمار کر دی گئی، تابوت سکینہ، تورات کی اصل جلد اور دوسری مقدس چیزیں برباد کر دی گئیں۔ (۲۹)

بخت نصر کے حملہ کی بابت امین احسن اصلاحی نے تدبر قرآن میں تحریر کیا ہے:

’’بخت نصر اور اس کی فوجوں کے لیے عباداً لنا اولی اپنے زور آور

اعتبار سے نہیں استعمال ہوئے بلکہ صرف اس حیثیت سے استعمال
ہوئے ہیں کہ انہوں نے خدا کے ارادہ کے اجر و نفاذ کے لیے آلہ و
حربہ کا کام دیا۔" (۳۰)

مزید لکھا ہے کہ:

"یہ اگر چہ خود گندے تھے لیکن گندگی کے ایک بہت بڑے ڈھیر کو
صاف کرنے میں انہوں نے مشیتِ الٰہی کی تنقید کی۔" (۳۱)

اس حملہ کے بعد ریاست فلسطین کو کلدانی سلطنت میں شامل کر لیا گیا اور ہزاروں کی تعداد میں یہودی غلام بنا لیے گئے جو ۵۸۶ء تا ۵۳۸ء قبل مسیح تک بابل میں دریائے دجلہ کے کنارے غلامانہ زندگی بسر کرتے رہے۔ یہاں تک کہ ۵۳۱ء ق م میں ایران کے بادشاہ سائرس نے بابل پر قبضہ کر ڈالا اور وادی دجلہ وفرات کو ایرانی سلطنت میں شامل کر لیا۔ چنانچہ قوم اسرائیل ۵۳۸ تا ۳۳۲ ق م تک ایرانی حکومت کے ماتحت رہی، سائرس نے یہودیوں کو دوبارہ یروشلم جانے کی اجازت دے دی تھی جس کے بعد وہ پھر سے یروشلم منتقل ہونا شروع ہو گئے اور ایک بڑی آبادی یروشلم جا پہنچی تاہم بہت سے لوگوں نے بابل میں قیام کو ہی ترجیح دی۔

ورلڈ بک انسائیکلوپیڈیا میں بیان ہے:

"This was the first time since the exodus
that chosen to live outside Israel." (32)

چالیس تا پینتالیس ہزار تک یہودی واپس فلسطین لوٹے اور انہوں نے دوبارہ سے ہیکل کی تعمیر شروع کر دی، پھر سے بنی اسرائیل کامیابی سے ہمکنار ہونا شروع ہوئے انہوں نے شرعی قوانین نافذ کیے، تجارت کو ترقی دی۔

کی فرمانروائی ایک ہوشیار یہودی ہیروڈ کے سپرد کر دی جو دوہری پالیسی کا حامل شخص تھا اس نے ایک جانب یہودیوں پر اپنی گرفت مضبوط رکھی اور دوسری جانب رومی تہذیب کو فروغ دے کر قیصر کی ہمدردیاں سمیٹیں۔ اس زمانے میں یہودیوں کی دینی اور اخلاقی حالت گرتے گرتے زوال کی آخری حد تک پہنچ چکی تھی۔

۴۱ ق م میں برسرِ اقتدار آنے والے ہیروڈ اعظم کے پوتے کی بابت مولانا سیّد مودودیؒ نے لکھا ہے کہ:

''اس شخص نے برسرِ اقتدار آنے کے بعد مسیح علیہ السلام کے پیروں پر مظالم کی انتہا کر دی اور اپنا پورا زور خداترسی اور اصلاح اخلاق کی اس تحریک کو کچلنے میں صرف کر ڈالا جو حواریوں کی رہنمائی میں چل رہی تھی۔''(۳۶)

کچھ مدت بعد یہودیوں اور رومیوں کے درمیان سخت کشمکش شروع ہوگئی یہودیوں نے ایک بار پھر بغاوت کا علم بلند کیا لیکن اپنی اخلاقی پستی کے باعث اس بار انہیں پہلے جیسی پزیرائی نہ مل پائی اور وہ فتح یاب نہ ہو سکے۔

فَإِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْٓءٗا وُجُوْهَكُمْ ۝ (۳۷)

ترجمہ: ''پھر جب دوسرے وعدے کا وقت آیا تو (ہم نے پھر اپنے بندے بھیجے) تا کہ تمہارا چہرہ بگاڑ دیں۔''

۷۰ء میں ٹائٹس نے یروشلم کو بالکل غارت کر دیا یہودیوں کا قتلِ عام ہوا اور جو زندہ بچ گئے وہ غلامانہ زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو گئے نہ ان کی سیاست باقی رہی اور نہ ہی فلسطین پر ان کا اثر باقی رہا۔

حبیب الحق ندوی نے لکھا ہے کہ:

''رومی اقتدار نے عاجز آکر ٹائٹس کے ہاتھوں ۷۰ء میں فلسطین

اسرائیلی ملک بدر کر دیے گئے اور ۱۹۴۸ء تک کوئی دو ہزار سال
فلسطین کے لیے اجنبی رہے۔'' (۳۸)

مفتی محمد شفیع نے معارف القرآن میں فرمایا:

''ان دونوں واقعات کے ذکر کے بعد آخر میں اللہ تعالیٰ نے ان معاملات میں اپنا ضابطہ بیان کر دیا ہے و ان عدتم عدنا یعنی اگر تم پھر نافرمانی اور سرکشی کی طرف لوٹو گے تو ہم پھر اسی طرح کی سزا اور عذاب تم پر لوٹا دیں گے یہ ضابطہ قیامت تک کے لیے ارشاد ہوا ہے۔ یہ حکم صرف یہودیوں پر لاگو نہیں ہوتا بلکہ مسلمان بھی اس سے مستثنیٰ نہیں دنیا میں ان کی عزت و شوکت اور مال و دولت اطاعتِ خداوندی کے ساتھ وابستہ ہے اگر وہ ان سے پھر جائیں تو ان کے دشمنوں کو ان پر غالب کر دیا جائے گا چنانچہ جب مسلمان اپنی اصلیت بھول گئے تو وہی ہوا کہ کروڑوں عربوں پر چند لاکھ یہودی غالب آ گئے انہوں نے ان کی جان و مال کو بھی نقصان پہنچایا اور شریعت اسلامی کی رو سے دنیا کی تین عظیم الشان مسجدوں میں سے جو انبیاء کا قبلہ تھا ان سے چھین لیا گیا۔ (۳۹)

بیسوی صدی اور تخلیق جدید اسرائیل

۱۰۵۰ ق م سے ۵۸۶ ق م میں بخت نصر کے حملے تک ۴۶۴ سال سرزمینِ فلسطین پر یہودیوں کا دورِ حکومت قائم رہا اس کے بعد بابلی، ایرانی، یونانی، وثنی، رومی، صلیبی، اور عرب ادوارِ حکومت قائم رہے۔

Palestine has been held by virtually every power of middle East among them Egypt, Assyria, bablania, persia, Alexanders, the great empire and Romans, Byzantines, Umayyad, Abbasids, Fatimid's Crusades, Ayyabids, Mamluks and Ottoman turks. (40)

سولھویں صدی عیسوی کے دوران سلطان سلیم اوّل نے جنگ دابق میں فتح حاصل کی تو فلسطین کا علاقہ عثمانی ترکوں کے قبضے میں آ گیا اور چار سو سال یعنی بیسویں صدی تک انہیں کے قبضہ میں رہا۔

بیسویں صدی میں شروع ہونے والی پہلی عالمی جنگ کے دوران سلطنتِ عثمانیہ کا جھکاؤ جرمنی کی طرف تھا لہٰذا اتحادیوں نے اس خطے میں اپنی پوزیشن بہتر کرنے کے لیے عربوں کو اپنے ساتھ شامل کرنا چاہا انہوں نے عرب لیڈروں کو یقین دہانی کروائی کہ اگر وہ بلادِ عرب میں ترکی حکومت کا تختہ اُلٹنے میں اتحادیوں سے تعاون کریں تو اس کے عوض یہاں ایک آزاد عرب ریاست قائم کر دی جائے گی۔

The British were busy making promises, Henry MacMahon had exchanged letters with Hussain Ibn Ali Sheriff of Meccan, 1915, in which he had promised the Arabs control of Arab lands (41)

امیر مکہ شریف حسین نے اتحادیوں کا ساتھ دینے سے قبل باقاعدہ شرائط طے کیں جن میں سرِ فہرست ایک وسیع علاقے کو عربی مملکت کی حیثیت دینا اور اسے عربوں کے حوالے کرنے کی شرط شامل تھی۔ بقول شیخ سجاد حسین

یہ علاقہ شمال کی جانب ترکی میں ''جرمین اور اختیہ''، جنوب میں بحرِ ہند، مغرب میں بحرِ روم، اور مشرق میں خلیج بصرہ اور فارس پر مشتمل تھا۔ (۴۲)

عرب چونکہ پہلے ہی سلطنت عثمانیہ سے خائف تھے آزادی کے خوشنما خواب نے ان میں دفعتاً ایک نئی رُوح پھونک دی جون ۱۹۱۶ء میں انہوں نے شریف حسین کی قیادت میں ترکی کے خلاف بغاوت کا اعلان کر دیا۔ رفتہ رفتہ بغاوت کی یہ آگ عراق، شام، و فلسطین تک جا پہنچی اور چند ہی مہینوں میں یہ امر

عثمانی علاقے فرانسیسی اور برطانوی حکومتوں کے درمیان تقسیم کر دیے گئے۔ اس خفیہ معاہدے کی اطلاع صیہونی تحریک کے اہم رہنما وائزمین کو ہوئی اس نے یوں اپنی حیرت کا اظہار کیا۔

What we did not know in the early stages of our practical negotiations was that a secret tentative agreement, which was later revealed as the Sykes-Picot treaty, already existed between France and England and the most curious part of the history is this. (43)

معاہدہ کے مطابق فلسطین کو ایک بین الملی علاقہ قرار دیتے ہوئے اسے لیگ آف نیشن کا برطانیہ کے زیرِ انتداب حصہ بنا دیا گیا۔ عربوں کا عرب ریاست کا سہانا خواب دھرا کا دھرا رہ گیا حقیقت جو آشکار ہو کر منظرِ عام پر آئی وہ وہ دولت عثمانیہ کا خاتمہ اور اس کے عرب علاقوں پر برطانیہ وفرانس کا تسلّط تھا ساتھ ہی یک الگ اسرائیلی ریاست کے قیام کے لیے منصوبہ بندی جس کا باقاعدہ اظہار ۲ نومبر ۱۹۱۷ء کو برطانوی وزیرِ خارجہ آرتھر جے بالفور نے اعلانِ بالفور (Balfour Declaration) کی صورت میں کیا۔[1]

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے مطابق:

> **"The Mandate incorporated the Balfour Declaration of 1917 which stated that British Policy favored the establishment of a National home for the Jewish people in Palestine." (44)**

اعلانِ بالفور کے بعد ۲۷ دنوں کے اندر اندر برطانوی فوج جنرل Allenby کی قیادت میں بیت المقدس میں داخل ہوگئی اور ۱۹۴۸ء تک وہاں مقیم رہی برطانوی فوجوں کے فلسطین میں داخلے کے ساتھ ہی بڑے پیمانے پر یورپ سے یہودی آبادی فلسطین منتقل کر دی گئی۔[2]

فلسطین بھیجا جس نے یہودیوں کی فلسطین نقل مکانی کے لیے بے پناہ سہولتیں فراہم کیں۔

شیخ سجاد نے اپنی کتاب میں تحریر کیا ہے کہ:

''فلسطین پر تیس سالہ برطانوی حکومت کے دوران تقریباً چھ لاکھ یہودی فلسطین میں آ کر آباد ہوئے دوسری جانب جب فلسطینیوں نے یہودیوں کو زمینیں بیچنے سے پرہیز کیا تو برطانیہ نے حکومتی زمین میں سے پچاس ہزار ایکڑ زمین یہودیوں کو دے دی۔''(۴۵)

فلسطینی زمین کی تقسیم کچھ اس طرح تھی

"Slightly less then half of the land in all of Palestine was owned by Arabs, slightly less then half was "Crown lands" belonging to state, and about 8% was owned by jews." (46)

فلسطینی زمین کا ایک بڑا حصہ خود مقامی فلسطینیوں نے مہنگے داموں یہودیوں کے ہاتھ فروخت کر دیا کیونکہ یہودیوں کی بڑی تعداد فلسطین منتقل ہونے کے باعث فلسطینی زمین کی قدر و قیمت میں بھی اضافہ ہوتا چلا گیا اور جب عربوں کی زمین مہنگے داموں فروخت ہونے لگی تو انہوں نے بھی موقع سے فائدہ اُٹھانا غنیمت جانا اور بھاری قیمت میں زمین فروخت کرتے چلے گئے برطانوی دور انتداب کے پہلے نو سالوں میں فلسطین کے اندر یہودیوں کی بارہ زراعتی بستیاں قائم ہو چکی تھیں خفیہ اور علانیہ تقریباً ۴۶۴،۰۰۰ ترکی دونام زمین خرید لی گئی تھی (ایک دونام زمین ربع ایکڑ کے برابر تھی) اور اس زمین کا ایک چوتھائی حصہ براہِ راست فلسطینی جاگیرداروں اور کسانوں سے خریدا گیا تھا صیہونیوں نے اس زمین کے حصول میں بے دریغ پیسہ خرچ کیا گیا۔

The Zionist enterprise is estimated to have spent some $75,000,000 on land over the Mandate period. (47)

تھے۔۵

By 1948, Jews had acquired around 2 million of the 9 million cultivable dunums of land Palestine. (48)

صیہونی تحریک کا باقاعدہ آغاز ۱۸۷۶ء میں ہو گیا تھا جب ریڈ کراس کے بانی ہنری ڈونات (Henry Dounat) نے فلسطین و شام میں یہودیوں کو آباد کرنے کے لیے بین الاقوامی فلسطین سوسائٹی قائم کی جس کا مقصد یہودی قوم کے دلوں میں اپنے وطن کے حصول کی خواہش بیدار کرنا تھا۔ ان یہودی رہنماؤں کا محور و مرکز یہ نقطہ تھا کہ وہ ارضِ فلسطین کی روحانی میراث کے واحد والی وارث ہیں لہٰذا اس سرزمین پر صرف انہیں کا حق ہے اسی تاریخی وابستگی پر اصرار کرتے ہوئے انہوں نے عالمی رائے عامہ کو ہموار کرنا شروع کر دیا اور ارضِ فلسطین تک رسائی کے لیے اپنی کوششیں تیز کر دیں۔ آسٹریلوی صحافی تھیوڈ ہرزل (Theoder Herzel) کو عالمی صیہونی تحریک کا بانی تصوّر کیا جاتا ہے۔ تھیوڈ ہرزل نے ۱۸۹۶ء میں (Der Judenstaat (The State of Jews کے عنوان سے ایک کتاب لکھی جس میں پوری دنیا کے یہودیوں کے مسائل کا واحد حل ایک الگ مملکت کا قیام قرار دیا۔ ۱۸۹۷ء میں تھیوڈر ہرزل کی رہنمائی میں پہلی یہودی کانگریس طے پائی جس میں یہودیوں کا ایک الگ مملکت کا مطالبہ اور اس کے لیے جدوجہد کا عہد کیا گیا۔ اس وقت تک فلسطین سلطنتِ عثمانیہ کے زیرِ حکومت ایک غیر ترقی یافتہ خطہ تھا جس کی بیشتر آبادی مسلم عربوں پر مشتمل تھی اور یہاں محدود تعداد میں یہودی بھی پائے جاتے تھے۔

The modern conflict between Jews and Arabs, the precursor to the Arab-Israeli conflict, began in 1881. At that time, about 565,000 Arabs and 24,000 Jews lived in Palestine; about 90% of the Arabs were Muslim while most of the rest were Christian.(49)

صیہونی تحریک کا محور و مرکز سرزمین فلسطین میں الگ وطن کا قیام تھا اس غرض کے لیے باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت کام شروع کر دیا گیا اور اگلی چند دہائیوں میں یہ تحریک یورپ اور دیگر سرمایہ دار

اور پوری یک جوئی سے اپنی کمیونٹی کو مضبوط کرنے کی جانب متوجہ ہو گئے۔

The Zionists bought land in Palestine and established farming communities. (50)

۱۸۸۱ء سے ۱۹۴۸ء تک یہودیوں نے خطے میں اپنے قدم جما لیے اور انہیں عربوں پر معاشی برتری حاصل ہوگئی مزید زمینیں خریدنے کے لیے یہودی قومی فنڈ میں اضافہ کر دیا گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے تل ابیب شہر یہودیوں کا مرکز بن گیا انہوں نے یہاں کئی زراعتی بستیاں قائم کر دیں۔

پیل ردیف کمیشن[۶] اور ریاست اسرائیل کا قیام

صیہونی تحریک کو اہم کامیابی ۱۹۱۷ء میں بالفور ڈیکلریشن کی صورت میں حاصل ہوئی جس میں برطانوی سیکریٹری خارجہ نے یہودیوں کی الگ مملکت کے قیام کی واضح حمایت کی۔ برطانوی دورِ انتداب میں حکومت برطانیہ نے اپنے زیرِ نگرانی فلسطین میں یہودی آبادی کو ۱۹۲۲ سے ۱۹۴۴ کے دوران تراسی ہزار سات سو نوے سے بڑھا کر پانچ لاکھ آٹھائیس ہزار سات سو تک پہنچا دیا تھا۔ ریاست اسرائیل کی تخلیق میں برطانیہ اہم معاون رہا کیونکہ برطانیہ کے اپنے کچھ مفادات اس خطے سے وابستہ تھے جن میں اہم ترین نوآبادیات ہند کا تحفظ اور شرق اوسط میں اپنے اثرات پھیلانا تھا۔

The need for protecting Britain's life-line to India and urge to extend its influence over Near East. (51)

برطانیہ کی پشت پناہی حاصل ہو جانے کے بعد یہودیوں نے فلسطین میں یہودی بستیاں بسانے کی مُہم تیز تر کر دی اور ان کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہونے لگا۔ عربوں کے ہاں مؤثر قیادت کا فقدان پایا جاتا تھا جس کے باعث ۱۹۲۰ء تا ۱۹۳۰ء تک ان کی طرف سے اپنے موقف کے لیے کوئی خاص جدوجہد منظرِ عام پر نہیں آئی، انہوں نے جو آواز بلند کی وہ بھی محض قوم پرستی کی تحریک تک محدود تھی اس کے برخلاف یہودی نظریاتی اور سیاسی مسلک کی بنیاد پر آگے بڑھ رہے تھے لہٰذا ان کا گھیرا دن بدن تنگ ہوتا

۱۹۳۳ء اور ۱۹۳۶ء میں عربوں اور یہودیوں کے درمیان خونریز فسادات بھی ہوئے۔ ان بغاوتوں میں صورتِ حال سنگین نوبت تک پہنچ گئی اور شدید جانی اور مالی نقصان ہوا۔ معاملے کی تفتیش کے لیے پیل ردیف کی سربراہی میں ایک کمیشن فلسطین بھیجا گیا۔

کمیشن نے حکومت برطانیہ پر واضح کر دیا کہ چونکہ عرب و یہود دونوں کو بیک وقت خوش کرنا محال ہے لہٰذا فلسطین کا واحد حل اس کی تقسیم ہے یہودی پیل ردیف کمیشن سے متفق ہو گئے سوا ایک مخصوص طبقہ کے جو فلسطین کو کلی طور پر یہودیوں کی ملکیت گردانتا تھا۔

Some Jewish leader such as David Ben Gurion, the Israeli Prime Minister opposed the plane because their ambition was a Jewish state on the entire territory of Mandate Palestine. (52)

یہودیوں کے برعکس فلسطینی اور عرب لیڈروں نے تقسیم کا منصوبہ یکسر مسترد کر دیا اور برطانیہ کو باور کرایا کہ فوری طور پر یہودیوں کے غیر قانونی ٹرانسفر کو بند کرائے سعودی عرب کے ولی عہد نے برطانیہ کو دھمکی آمیز انداز میں متنبہ کیا۔ چنانچہ پیل ردیف کمیشن کی ناکامی اور عربوں کے شدید ردِّ عمل کے بعد حکومت برطانیہ نے یہودیوں کی فلسطین منتقلی پر پابندی عائد کر دی لیگ آف نیشن کے تحت بھی یہ طے تھا کہ کسی خطے میں اتنے ہی مہاجرین کو منتقل کیا جائے کہ وہاں کی جغرافیائی اور معاشی حیثیت متاثر نہ ہو۔ حکومت برطانیہ کی جانب سے مہاجرین کی پابندی کا اعلان دراصل فلسطینی کمیونٹی کو مطمئن کرنے کی غرض سے کر دیا گیا تاہم اس قانونی پابندی کے باوجود یہودیوں کی غیر قانونی منتقلی جاری رہی۔ ۱۹۳۹ء میں چھڑنے والی دوسری عالمی جنگ نے صورتِ حال مزید خراب کر دی ہٹلر کی نازی تحریک نے یہودیوں کو جرمنی سے مار بھگایا اور ان کی کثیر تعداد فلسطین جا پہنچی۔ جنگ کے اختتام پر فلسطین میں اسرائیلی ریاست کے باقاعدہ قیام کا مطالبہ اقوامِ متحدہ کے سامنے پیش کر دیا گیا۔

بڑھتے ہوئے تشدد اور یہود و عرب میں مفاہمت کی ناکامی کے بعد حکومت برطانیہ نے ۱۹۴۷ء میں فلسطینی انتداب سے دست برداری کا فیصلہ کرتے ہوئے مسئلے کو اقوامِ متحدہ کے حوالے کر دیا۔ اقوامِ

۱۹۴۷ء میں یو این پارٹیشن پلان منظور کیا گیا جس کے تحت علاقے کو ایک یہودی اور ایک عرب ریاست میں تبدیل کر دیا گیا۔ علاقے کا ۵۵ فیصد یہودیوں کو جبکہ ۴۵ فیصد عربوں کو دینا منظور کیا گیا۔

According to UNSCOP, the Arab state would be about 42% of Palestine and the Jewish one about 55%; the remaining territory, including Jerusalem,would be an international zone. The Jewish state would have had about 500,000 Jews and 400,000 Arabs.(53)

تقسیم کے اس منصوبے کو عرب لیگ نے مسترد کر دیا، تمام عرب آبادی تقسیمِ فلسطین کے خلاف اُٹھ کھڑی ہوئی اور احتجاجی مظاہرے شروع کر دیے۔ چونکہ عرب اکثریت میں تھے لہٰذا اکثریت کی مرضی کے خلاف فیصلہ کرنے کے لیے اقوامِ متحدہ کا کمیشن کا راضی نہ ہوا اس لیے ہائی کمیشن نے تقسیم کی کاروائی معطل کر ڈالی۔ دوسری جانب برطانوی ہائی کمیشن نے ۱۴ مئی ۱۹۴۸ء کو تصفیے کے کسی حل کے بغیر ہی شہر حیفہ کو خیر باد کہہ دیا اور اپنا تمام عملہ فلسطین سے واپس بلا لیا جس کے فوراً بعد ڈیوڈ بن گوریان کی جانب سے صیہونی حکومت کے قیام کا اعلان کر دیا گیا۔

On May 14, 1948, Israel Proclaimed its independence and the Jews after 1,878 years again had an independent state in Palestine' the third in history. (54)

پہلی عرب اسرائیل جنگ

اقوامِ متحدہ کی جانب سے تقسیمِ فلسطین کی قرارداد اور عربوں کے اس قرارداد کو مسترد کرنے کے ساتھ ہی یہود و عرب کا تصادم نقطہ عروج پر پہنچ گیا۔ ہر جانب دھنگا فساد، جارحانہ حملے، اور قتلِ عام شروع ہو گیا آباد شاد پوری نے اپنی کتاب بیت المقدس کا معرکہ ۱۹۴۸ء، میں لکھا ہے کہ:

اس وقت تک چھ لاکھ یہودی فلسطین میں آباد ہو چکے تھے۔ ان کی ساری بالغ آبادی یورپ اور امریکہ سے اسمگل کیے ہوئے ہتھیاروں سے لیس ہو چکی تھی ان کی بستی بستی فوجی کیمپ میں تبدیل ہو گئی تھی

۱۴ مئی ۱۹۴۸ء کو واشنگٹن ٹائم کے مطابق چھ بجے فلسطین میں برطانوی انتداب ختم ہو گیا اور چھ بج کر ایک منٹ پر یہودیوں نے تل ابیب میں اسرائیلی حکومت کے قیام کا اعلان کر دیا۔ اس وقت تک یہودی فلسطین کے فوجی نقطۂ نظر سے اہم ترین مقامات پر قابض ہو چکے تھے۔ اسرائیلی حکومت کے قیام کے اعلان کے ساتھ ہی مصر، شام، اردن، لبنان، اور عراق کی افواج فلسطین کی جانب چل پڑیں اور اسرائیل سے ان کی جنگ چھڑ گئی جسے ''۱۹۴۸ء کی عرب اسرائیل جنگ'' کہا جاتا ہے اور اسرائیل میں اسے جنگ آزادی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ابتداً چار ماہ تک جنگ کی مہار عربوں کے ہاتھ رہی۔ اسرائیل کی جانب سے بھرپور مقابلہ کیا گیا لیکن ان کے حملے زیادہ کامیاب نہ رہے، تقریباً شکست کے آثارات دکھائی دینے لگے تو اسرائیلی وزیرِ اعظم بن گوریان نے جنگ بندی کا مطالبہ پیش کیا جسے عربوں نے مسترد کر دیا اسرائیل کے لیے تشویش کا سبب یروشلم کے قدیم شہر پر عرب لیگ کا گھیراؤ تھا ICRC کی رپورٹ ہے۔

First time in 300 years, the old city of Jerusalem was going to be without a single living Jew with its walls. (56)

دوسرے محاذوں پر بھی اسرائیل کی حالت نازک تھی، صحرائے نقب کے بڑے حصے پر مصر قابض ہو گیا تھا، مصر کی افوج بیر شبینہ، صبرون، بیت اللحم، اور بیت المقدس کے جنوبی نواح میں کھڑی تھیں۔ شمالی فلسطین میں مفتی اعظم فلسطین کی افواج فتوحات حاصل کر رہی تھیں اس دوران کافی علاقہ اسرائیل کے ہاتھوں سے نکل گیا، جنین کے مقامات پر عراقی افوج کا قبضہ تھا، اردن کی افواج نے بیت المقدس کے نئے شہر کی ناکہ بندی کر رکھی تھی۔

۱۷ مئی ۱۹۴۸ء کو امریکہ نے جنگ بند کرنے کی قرارداد سلامتی کونسل میں پیش کی، سلامتی کونسل نے ۲۲ مئی ۱۹۴۸ء کو یروشلم اور ۲۹ مئی کو تمام محاذوں پر جنگ بندی کے احکامات نافذ کر دیے، کاونٹ برناڈٹ کو اقوامِ متحدی کی جانب سے جنگ بندی کا نگران مقرر کیا گیا جس نے ۷ جون کو جنگ بندی کے

اسرائیل نے تو التوائے جنگ کی تجویز قبول کر لی لیکن عرب تذبذب میں پڑ گئے کیونکہ عسکری محاذوں پر ابھی تک ان کا پلڑا بھاری تھا اور وہ اس موقع کو گنوانا نہیں چاہتے تھے تاہم مقررہ وقت پورا ہونے میں صرف دو گھنٹے باقی تھے کہ عربوں نے جنگ بندی کا اعلان کر دیا۔

Sydny D. Baily کا بیان ہے کہ:

> "Arab had accepted only because of the considerable diplomatic pressure exerted them and not because they had been defeated militarily." (57)

ایک مشترکہ مقصد کے حصول کے لیے جس باہمی اعتماد و اتحاد، مشترکہ حکمتِ عملی، اشتراک عمل اور پُر خلوص جوش و جذبے کی ضرورت ہوتی ہے، اس سے عرب محروم تھے۔ سامانِ جنگ کے حساب سے وہ کوئی بڑی اور طویل جنگ لڑنے کی استطاعت نہ رکھتے تھے، ان کی حربی قوت کا ایک بڑا حصہ ختم ہو چکا تھا رہی سہی کسر بڑی طاقتوں اور برطانیہ کی جانب سے اسلحہ روک دینے کے اقدام نے پوری کر دی۔

عارضی جنگ بندی چار ہفتے تک رہی اس دوران دونوں جانب سے بظاہر کسی اشتعال کا مظاہرہ نہیں ہوا لیکن دونوں جانب کی جنگی تیاریاں آئندہ کے لیے کسی خطرے کی نشاندہی کر رہی تھیں۔ وقفے کے دوران اسرائیل نے ''اسرائیلی ڈیفنس فورسسز'' کو باقاعدہ سرکاری طور پر تشکیل دے دیا اور کثیر مقدار میں ہتھیار اور ہوائی جہاز وغیرہ چیکوسلوا کیہ اور دیگر بیرونی ممالک سے خرید لیے۔ وسیع مقدار میں اسمگل شدہ ہتھیار بھی اسرائیل پہنچنا شروع ہو گئے۔

Consideration quantities were smuggled out of Western Europe and United States. (58)

اسرائیل جنگ بندی کی مدت میں اضافہ چاہتا تھا اور عرب ممالک کے چیف آف سٹاف بھی اس مدت میں توسیع کے خواہش مند تھے لیکن عرب اتحاد کی سیاسی شوریٰ نے اسرائیل کی بڑھتی ہوئی

اب صورتِ حال مکمل طور پر بدل چکی تھی اب اسرائیل عربوں پر حاوی ہو چکا تھا جبکہ عرب افتراق کا شکار ہو چکے تھے۔ عربوں کو جس علاقے کا دفاع کرنا تھا اس کے مقابلے میں ان کے پاس نفری اور اسلحہ بہت محدود تھا لہٰذا انہیں اس بار کامیابی نہ ہو سکی اور اسرائیل تین چار دنوں میں خاصے بڑے علاقے پر قابض ہو گیا۔

۱۵ جولائی کو ایک بار پھر سلامتی کونسل نے جنگ بندی کے احکام نافذ کیے اور اس بار یہ دور وسط اکتوبر تک رہا لیکن اس جنگ بندی کے دوران بھی امن قائم نہ ہو سکا اور پہلے دو ماہ کے اندر ہی چار سخت جھڑپیں ہو گئیں اور کچھ ہی دنوں میں اسرائیلی فوج جزیرہ نما سینا، بحر احمر، پر قابض ہونے کے بعد نہر سویز کے کنارے تک پہنچ گئی اور اب فوجوں کا رُخ قاہرہ کی جانب تھا جس کی حفاظت کے لیے مصر نے ۲۴ فروری ۱۹۴۹ء کو روڈس کے جزیرے میں اسرائیل کے ساتھ ہنگامی صلح کے معائدے پر دستخط کر دیے اور صرف پانچ ماہ کے اندر اندر سعودی عرب، یمن اور عراق کے علاوہ تمام ممالک نے اسرائیل کے ساتھ الگ الگ معائدے کیے۔

''ہر معائدہ میں ایک دفعہ یہ رکھی گئی کہ اسرائیل اور متعلقہ عرب ملکوں کے درمیان موجودہ حد بندی مستقل نہیں بلکہ عارضی ہے۔'' (۵۹)

اسرائیل کو اس جنگ میں مکمل فتح حاصل ہوئی اور اقوامِ متحدہ میں اسرائیل کو ایک باقاعدہ حکومت کے طور پر تسلیم کر لیا گیا۔ نئی قائم شدہ ریاست اسرائیل کی عرب آبادی نقل مکانی کر گئی۔ آٹھ ماہ تک جاری رہنے والی اس جنگ نے تقریباً ایک ملین عربوں کو بے گھر کر دیا، اسلام آباد پالیسی ریسرچ انسٹیٹیوٹ کی تحقیق ہے کے مطابق:

"About 400,000 Palestinian Arabs had fled from Israel and were settled on refugee camps near Israel's border." (60)

"By the beginning of May, there were only some 3,000 out of about 70,000 original Arab residents left in the city." (61)

George Lanzoski کا بیان ہے کہ:

"In the spring of 1949 the number of Arab displaced person eligible for relief was officially estimated at 940,000." (62)

جنگ شروع ہونے تک فلسطین کی کل آبادی ۲.۱ ملین تھی جس میں ۱.۱۵ ملین مسلمان، ۰.۷۵ ملین یہودی اور ۰.۱۷۵ ملین عیسائی آبادی شامل تھی ۱۹۴۹ء میں فلسطین کے اندر ۱۵۰،۰۰۰ لاکھ مسلمان عرب باقی رہ گئے تھے ۷۰ فیصد عرب آبادی فلسطین سے ہجرت کر گئی جبکہ اسی دوران ۱۰۰،۰۰۰ یہودی دیگر ممالک سے آ کر فلسطین میں آباد ہو گئے۔

اقوامِ متحدہ نے مشرق وسطیٰ میں قیامِ امن اور فلسطین اسرائیل کشیدگی ختم کرنے کے لیے فلسطینی مہاجرین کی آبادکاری پر زور دیا لیکن اسرائیلی حکومت نے انہیں دوبارہ قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

Israel maintained that the readmission of all the refugees was utterly unrealistic. (63)

اس جنگ میں اسرائیل اقوامِ متحدہ کی جانب سے طے شدہ پارٹیشن پلان سے کئی زیادہ علاقے پر قابض ہو گیا تھا۔

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے مطابق:

"From the ensuring war, Israel emerged with about 50 percent more land it had been allotted under the UN plane." (64)

"Israel established sovereignty over about 8,000 square miles (21,000 Square Kilometer) of lands." (65)

نہر سویز جنگ ۱۹۵۶ء

۱۹۴۹ء کی جنگ بندی کے بعد بھی عرب و اسرائیل سرد جنگ باقی رہی۔ عرب سرزمین، فلسطین سے بے دخل ہو گئے جس کے بعد وہ عالمی برادری سے بھی خائف ہو گئے کیونکہ وہ جیتی بازی ہار جانے کا ذمہ دار اقوامِ متحدہ کی جانب سے نافذ کردہ چار ہفتوں کی جنگ بندی کو گردانتے تھے۔ اس جنگ سے عربوں کو ایک نقصان یہ پہنچا کہ اسرائیل اقوامِ متحدہ کی جانب سے نافذ کردہ حدود سے بھی زیادہ علاقہ پر قابض ہو گیا، اسرائیل کا موقف تھا کہ چونکہ عرب ممالک نے اقوامِ متحدہ کے پارٹیشن پلان کو تسلیم ہی نہیں کیا لہٰذا وہ اس کے نفاذ کا مطالبہ کرنے کے حقدار نہیں ہیں بلکہ اسرائیل نے یروشلم کو یہودی اور مسلم زون کے درمیان تقسیم کرنے کی اقوامِ متحدہ کی تجویز بھی مسترد کر دی اور یروشلم کو بین الاقوامی نگرانی میں دینے کی تجویز بھی مسترد کرتے ہوئے اسے اسرائیلی حکومت کا دارالخلافہ بنا دیا۔

اسرائیل و عرب ممالک کے درمیان بڑھتی کشیدگی کا دوسرا بڑا سبب مہاجرین کی آباد کاری کا مسئلہ تھا۔ یہ مسئلہ بھی اقوامِ متحدہ میں زیرِ بحث لایا گیا لیکن اس کا کوئی پائیدار حل نہ نکل سکا اور کشیدگی بدستور بڑھتی ہی گئی اس دوران سرحدوں پر جھڑپوں کے بے شمار واقعات بھی پیش آئے ۱۹۵۵ء میں اسرائیل نے غزا پر حملہ کر دیا جس سے ۶۹ مصری بھی مارے گئے جس سے مصر شدید مشتعل ہو گیا اس نے فوجی مدد کے لیے روس کی جانب رجوع کیا لیکن عالمی برادری کی مداخلت کے باعث اس سال فوجی کاروائی عمل میں نہ آسکی اور اگلے سال نہر سویز کے مسئلہ پر یورپین ممالک اور مصر کے درمیان بھی کشیدگی پیدا ہونا شروع ہو گئی۔

جون ۱۹۵۶ء میں مصر اور برطانیہ کے درمیان ایک کنونشن میں طے پایا کہ نہر سویز پر آزادانہ جہاز

جولائی ۱۹۵۶ء کو امریکہ نے مصر کو دی جانے والی آسیان ڈیم کے لیے مقرر شدہ 200$ ڈالر کی رقم ادا کرنے سے انکار کر دیا۔

Without much prior consideration and rather on abrupt manner, Dulles withdraw the offer to help with the financing of the Aswan Dam. (66)

امریکہ کے اس اعلان کے چھ دن بعد مصر کے صدر ناصر نے نہر سویز کو قومی تحویل میں لینے کا فیصلہ کر لیا۔ ناصر کے اس فیصلے سے یورپی حلقے خصوصاً برطانیہ میں ہلچل مچ گئی لہٰذا برطانیہ نے نہر استعمال کرنے والے دیگر ممالک کے ساتھ مل کر مصر پر سیاسی اور معاشی دباؤ ڈالنا شروع کر دیا، سب سے پہلے برطانیہ و فرانس کے بینکوں میں موجود مصری اثاثوں کو منجمند کر دیا گیا۔ ساتھ ہی دونوں ممالک نے اپنی فوجوں کو بھی الرٹ کر دیا۔

وسط اگست کو لندن میں ایک کانفرس مرتب کی گئی جس میں نہر استعمال کرنے والے تمام ممالک نے شرکت کی اس کانفرس کا مقصد مصری صدر ناصر پر بین الاقوامی دباؤ ڈالنا تھا اس کانفرس میں تجویز پیش کی گئی کہ نہر عملاً مصر کے زیرِ نگرانی رہے لیکن مصر کے ساتھ ساتھ نہر استعمال کرنے والے دیگر ممالک کو بھی اختیارات حاصل ہونے چاہیں۔ سوویت یونین کے علاوہ تمام ممالک نے اس تجویز سے اتفاق کیا لہٰذا بات چیت کو آگے بڑھانے کے لیے آسٹریلوی وزیرِ اعظم Robert Menzies کو نمائندہ مقرر کیا گیا جس نے قاہرہ میں مصری صدر سے ملاقات میں لندن تجاویز پیش کیں وزیر اعظم Menzies نے تجاویز رد ہونے کی صورت میں فرانس و برطانیہ کی جانب سے طاقت کے استعمال کے خدشے کا اظہار بھی کیا جسے ناصر نے کھلی دھمکی قرار دیا اور بقول ہیکل یہی چیز مینز یز مشن کی ناکامی کا باعث بنی۔

It was this that caused the failure of the Manzies mission. (67)

صدر ناصر نے کسی بھی صورت میں نہر سویز کے کنٹرول میں دیگر ممالک کی شمولیت سے انکار کر دیا جس کے بعد برطانیہ نے سلامتی کونسل سے اپیل کی کہ لندن کانفرس سے حاصل شدہ نتائج کی روشنی میں

لہٰذا برطانیہ اور اس کے حامیوں کے لیے اس معاملے میں سلامتی کونسل پر زیادہ انحصار ممکن نہیں رہا تھا۔

نہر سویز پر کسی بھی پابندی کی صورت میں برطانیہ کے علاوہ سب سے زیادہ متاثر ہونے والا ملک فرانس تھا کیونکہ فرانسیسی تیل کی نصف سپلائی کا انحصار اسی نہر پر تھا نہر سویز کمپنی کا ہیڈ آفس بھی پیرس میں واقع تھا۔

The Anti-appeasement mood was as strong in France as it was in Britain, while British wanted to avoid forfeiting Arab friendship, France had already lost it. (68)

چنانچہ جب نہر سویز کے معاملے پر پیدا شدہ کشیدہ ماحول کو غنیمت جانتے ہوئے اسرائیل نے صحرائے سینا پر حملہ کا ارادہ کیا اور فرانس کے وزیراعظم کو اس کی اطلاع پہنچائی تو پیرس نے نہ صرف اس فیصلہ کی حمایت کی بلکہ اسرائیل کی مدد کا بھی فیصلہ کیا۔

۲۹ اکتوبر ۱۹۵۶ء کو موشے دایان کی سربراہی میں اسرائیلی فوج صحرائے سینا میں داخل ہوگئی۔ فرانسیسی طیاروں نے نہ صرف حملہ میں اسرائیل کی مدد اور ہتھیار بھی فوج تک پہنچانے کا کام کیا بلکہ اسی دوران جب مصر صحرائے سینا میں اسرائیل کے ساتھ محاذ میں مصروف تھا برطانیہ اور فرانس نہر سویز پر ٹوٹ پڑے اور دونوں جانب سے بمباری شروع کر دی اور جب مصری فوج نہر سویز کی جانب متوجہ ہوئی تو سینا پر اسرائیل نے قبضہ کر لیا یہ جنگ صرف آٹھ دن تک جاری رہی جس میں اسرائیل نے غزا کی پٹی، خلیج عقبہ، اور شرم الشیخ کے علاوہ صحرائے سینا پر قبضہ کر ڈالا[۹] روس کی بھرپور دھمکی کے باعث آٹھ دن کے بعد جنگ بند کر دی گئی۔

The Russia declared support to Cairo against Israel and Anglo French's attack. (69)

اقوامِ متحدہ کی ایمرجنسی فورس (UNEF) کی زیرِ نگرانی ۲۲ دسمبر کو برطانوی اور فرانسیسی افواج مصری سرحدوں سے نکال دی گئیں۔

۱۹۶۰ء میں شام، مصر اور اردن کی سرحدوں پر فلسطینی گوریلا گروپوں کی جھڑپوں کے باعث ایک بار پھر عرب ممالک اور اسرائیل کی کشیدگی میں اضافہ ہو گیا چونکہ اسرائیل کا موقف تھا کہ ان گوریلا گروپوں کو شام سپورٹ کر رہا ہے چنانچہ شام و اسرائیل کے درمیان تلخی قائم ہوتی گئی۔ مئی ۱۹۶۷ء میں روس و مصر کی خفیہ ایجنسیوں نے عرب لیڈروں کو مطلع کیا کہ جلد ہی اسرائیل شام پر حملہ کا ارادہ رکھتا ہے۔ اسرائیل کی جانب سے بھی شام کو مسلسل متنبہ کیا جا رہا تھا کہ اگر شام کی سرحدوں سے اسرائیل کے خلاف گوریلا کاروائیاں نہ روکی گئیں تو اسرائیل شام پر حملہ کر دیگا۔ اس کے بعد شام میں اسرائیلی حملہ کا خوف پھیل گیا اور شام کو یہ یقین بھی تھا کہ اسرائیل کو امریکہ کی حمایت حاصل ہے وزیرِ دفاع حفیظ الاسد نے ۱۹ مئی کو ایک پریس کانفرس میں کہا کہ:

Israel would soon embark an expanded aggression or war, instigated by America. (70)

اسرائیل کی دھمکیوں کا جواب مصر کے صدر جمال عبدالناصر نے دھمکی کی صورت میں ہی دیا اور اسرائیل کو متنبہ کیا کہ شام پر کسی حملہ کی صورت میں مصر شام کے ساتھ ہوگا وہ کسی بھی صورت اسرائیلی جھنڈے کو خلیج عقبہ سے نہیں گزرنے دے گا *

ناصر نے سرحدوں پر تعین اقوامِ متحدہ کی امن افواج کو مصر کی سرحدوں اور صحرائے سینا سے نکالنے اور خلیج عقبہ کو اسرائیل کے لیے بند کرنے کا اعلان کر دیا۔

اس نے اپنی تقریروں کے ذریعے عوام میں جوش و جذبہ پیدا کیا اور اسرائیل سے مقابلہ کے لیے ہر راستہ ہموار کرنا شروع کر دیا اس نے اپنی تقریر میں کہا۔

---

* خلیج عقبہ مصری سینا اور سعودی عربیہ کے درمیان واقع ہے لیکن اردن اور اسرائیل دونوں کے پورٹ خلیج کے کنارے واقع ہیں اردنی پورٹ عقبہ میں اور اسرائیلی پورٹ ایلٹ میں۔

enter a battle with Israel, with God's help, we could triumph. On this basis, we decided to take actual steps."(71)

۵ جون تک اسرائیل اور مصر دونوں جانب سے دھمکیوں کا سلسلہ جاری رہا۔ اس دوران بیرونی جانب سے کی جانے والی مختلف ڈپلومیٹنگ کاوشیں بھی ناکام رہیں۔ مصر اقوامِ متحدہ کی امن افواج کو سینا میں رکھنے پر راضی نہ ہوا اور نہ ہی اسرائیل نے اقوامِ متحدہ کی جانب سے پیش کردہ تجاویز کو قبول کیا اسی رسہ کشی کے دوران ہی ۵ جون ۱۹۶۷ صبح سات بجے سو سے زائد جنگی طیاروں نے تین حصوں میں تقسیم ہو کر نہایت ہی منظم انداز میں نہ صرف مصر بلکہ شام و اردن پر بھی حملہ آور ہو کر فوراً ہی فوجی ٹھکانوں پر ہونے والی تمام جنگی تیاریاں تباہ کر ڈالیں۔ پہلے حملے کے فوراً بعد اسرائیل نے اقوامِ متحدہ کی نافذ کردہ افواج کے جنرل Odd Bull کو اسرائیلی دفتر خارجہ میں طلب کیا اور مصر و اسرائیل کشمکش سے آگاہ کرنے کے بعد جنرل کو اردن کے بادشاہ حسین تک پیغام پہنچانے کے لیے کہا گیا کہ اگر اس نے جنگ میں حصہ لیا تو اسرائیل اپنے تمام ذرائع اسے ختم کرنے میں صرف کر دے گا۔

جنرل Odd Bull خود رقمطراز ہیں:

This was a threat, pure and simple (72)

ان کے بقول یہ اقوامِ متحدہ کا منشور نہیں کہ ایک ملک کی جانب سے دوسرے کو دھمکی آمیز بیانات جاری کرے۔

'It is not the normal practice of the United Nations to pass on threats from one Govt to another. (73)

تاہم یہ پیغام پہنچنے سے قبل ہی اردنی افواج جنگ کے لیے تیار ہو چکی تھیں۔ ناصر کی افواج کی جانب سے دوسرے دن ہی اطلاع ملی کہ ہم بے بس ہو چکے ہیں بادشاہ حسین نے ناصر کو بتایا کہ ہم بغیر ائیر کرافٹ کے لڑ رہے ہیں اور ہر دس منٹ میں ہمارا ایک ٹینک ضائع ہو رہا ہے۔

اپنی مدد آپ کے تحت نہیں لڑ رہا بلکہ اسے امریکہ کی پشت پناہی حاصل ہے۔

Two Planes with American markings apparently coming from bases in Saudi Arabia flew over the Suez canal. (74)

چھ دن تک جاری رہنے والی اس جنگ میں اسرائیل غزا کی پٹی، یروشلم کے مغربی کنارے، سینا کے علاقے اور شرم الشیخ پر بھی قابو پا چکا تھا۔ عرب ممالک اب بے بس ہو چکے تھے اور ان کے پاس ہتھیار ڈالنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا پانچویں روز شام کے اصرار پر سلامتی کونسل کا اجلاس منعقد ہوا جس میں چھ روزہ عرب اسرائیل جنگ ختم کر دی گئی۔ اس جنگ کے نتیجے میں بیشتر افراد ایک بار پھر بے گھر ہو گئے۔

About 180,000 Palestinians who had not previously been refugees fled the West Bank and Gaza during the war. Most fled to Jordan, and they technically are known as displaced persons rather than refugees. (75)

کل نقصانات

	زخمی	اموات	ضائع ہونیوالے جہاز
اسرائیل	۶۸۹	۲،۵۶۳	۱۹
عرب ریاستیں	۱۵،۰۰۰	۲۷،۰۰۰	۱۳

عرب اسرائیل جنگ ۱۹۷۳ء

۱۹۶۷ء کی جنگ کے اختتام پر سلامتی کونسل نے عرب اسرائیل کشمکش کے خاتمے اور مشرق وسطیٰ میں قیامِ امن کے لیے اقرارداد ۲۴۲ پیش کی۔ عرب ریاستیں اس قرارداد کو مشرق وسطی کے تمام مسائل و جھگڑوں کا متفقہ حل سمجھتی تھیں جس کے مطابق حالیہ جنگ سے حاصل شدہ مقبوضات سے اسرائیل کو دستبردار ہونا تھا لیکن اسرائیل مفتوحہ علاقوں پر اپنا تسلّط برقرار رکھنے اور انھیں مستقل طور پر اسرائیل میں

معاملے کا کوئی مشترکہ حل پیش کریں جبکہ فرانس نے اقوام متحدہ کے سامنے Four-Power گفت و شنید کی تجویز پیش کی جسے اقوامِ متحدہ کے سیکریٹری جنرل نے پسند فرمایا لیکن تمام بین الاقوامی کاوشیں تقریباً بے سود ثابت ہوئیں کیونکہ دونوں جانب سے کسی قسم کی لچک کا کوئی مظاہرہ نہیں ہوا اسرائیل اپنے موقف پر قائم رہا کہ جب تک امن معائدوں کا باقائدہ نتیجہ منظر عام پر نہیں آجاتا وہ مقبوضہ علاقوں سے دستبردار ہونے کے لیے تیار نہیں جبکہ مصر اور اردن اس وقت تک کسی امن معائدے کے لیے راضی نہ تھے جب تک کہ اسرائیل مقبوضہ علاقوں سے دستبردار نہ ہو جائے اور ان کی مطلوبہ دستبرداری صرف ۱۹۶۷ اور ۵۶ کے مقبوضات تک محدود نہ تھی بلکہ اس میں پہلی جنگ کے مقبوضات بھی شامل تھے اور ان کا مطالبہ تھا کہ اسرائیل اقوامِ متحدہ کے تقسیم منصوبہ کے تحت اپنی حدود قائم کرے۔

دونوں جانب سے کشمکش جاری ہی تھی کہ مارچ ۱۹۶۹ میں مصری افوج اور صحرائے سینا کی سرحدوں پر موجود اسرائیلی افوج کے درمیان محدود جنگ چھڑ گئی اور ایک سال تک دونوں جانب سے کاروائیاں جاری رہیں۔اس جنگ میں سوویت یونین بھی مخل رہا اور مصر کو ہتھیار پہنچانے کے علاوہ جولائی ۱۹۷۰ء میں باقاعدہ اسرائیل وروس مقابلہ شروع ہو گیا جس کے بعد اگست ۱۹۷۰ء میں سیز فائر طے پائی۔اس محدود لڑائی میں بھی عربوں کا نقصان زیادہ رہا۔

The war cost Israel over 700 dead and 2700 wounded, but the Arab losses were three to five times greater. (76)

۱۹۷۰ء میں مصری صدر ناصر کی وفات کے بعد آنے والے صدر انور سادات نے پہلے پہل کافی لچک کا مظاہرہ کیا لیکن کوششیں بارآور ثابت نہ ہونے کے بعد ۱۹۷۲ء میں اس نے اپنے ملٹری لیڈرز کے ساتھ ایک میٹنگ میں اسرائیل کے ساتھ ایک محدود جنگ کی تجویز پیش کی جسے جنگ کے منسٹر جنرل صدیق نے یہ کہتے ہوئے مسترد کر دیا کہ مصر فی الحال اسرائیل سے مقابلے کی پوزیشن میں نہیں ہے۔لیکن دو دن بعد ہی جنرل صدیق کی جگہ جنرل اسمٰعیل نے سنبھال لی اور جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔

Ahmed Ismail who supported Sadat's plan for limited war. Sadat had decided to change the status quo by force. (77)

۶ اکتوبر ۱۹۷۳ء شام چھ بجے مصر کے سو کے قریب جنگی جہازوں نے جولان اور سینا کی جانب سے حملہ کا آغاز کر دیا مشرقی محاذ پر شام کے بمبار طیارے مقابلے کے لیے آن موجود ہوئے۔

This was the first Arab offensive since 1948 and the results of the first day astonished both the Arab population and leadership. (78)

مصری فوج چھ گھنٹے کی جدو جہد کے بعد سات میٹر دفاعی دیوار بارلو کو تباہ کر کے صحرائے سینا میں داخل ہوگئی۔ عراق، شام، اردن اور دیگر عرب ریاستیں بھی مصر و شام کی معاون و مددگار رہیں اور ابتداء میں اسرائیل کو خاصا بھاری نقصان برداشت کرنا پڑا، عربوں کا پلڑا بھاری رہا جوان کے لیے حوصلہ افزا ثابت ہوا اسرائیلی صدر اور تاریخ نویس Chaim, Herzog نے لکھا ہے:

The initial Arab success in the Yom Kippur War satisfied their feelings of national honor."(79)

اسرائیل کو نہر سویز کے مشرق میں خاصے حصے پر قابو پانے میں کامیاب ہوگیا گو اسرائیل کو اس مُہم میں کافی بھاری نقصان اُٹھانا پڑا۔

The Egyptians estimated the possibility of up to 10,000 killed in this operation-the cost was a mere 200 killed. (80)

دوسرے دن کے اختتام تک اسرائیل اس قدر شکست خوردہ اور فوج اس قدر بے بس ہو چکی تھی کہ ملٹری تاریخ نویس Trevor Dupuy نے اسے تاریخ بدترین دن قرار دیا۔

It was the worst defeat in their history. (81)

۸ اکتوبر تک صورتِ حال اسرائیل کے مخالف ہو چکی تھی اسرائیلی وزیر دفاع نے وزیر اعظم گولڈا میئر کو بتایا کہ اگر لڑائی کی موجودہ صورت برقرار رہی تو ریاست اسرائیل ان کے ہاتھ سے جا سکتی ہے۔ ۱۲ اکتوبر کو اسرائیلی وزیر اعظم نے امریکی صدر نکسن کو ایک خط روانہ کیا جس میں خطے کی کشیدہ صورت

موجود ہوئیں۔ ۲۵ اکتوبر کو جنگ بندی طے پائی۔

Years later, Henry Kissinger indicated to a trusted colleague that an implicit nuclear threat was involved over the arms resupply issue. (82)

روسی صدر Kosygin نے نہر کے مغربی کنارے پر موجود اسرائیلی فوج کی تعداد او سائز کی بابت سیٹلائٹ تصاویر مصر کو مہیا کیں اور اسے سیز فائر کے لیے راضی کیا۔ جس کے بعد ۲۲ اکتوبر کو مصر اور شام دونوں اقوامِ متحدہ کی قرارداد ۳۳۸ کے مطابق سیز فائر کے لیے راضی ہو گئے۔ اور یوں امریکہ و روس کی مداخلت سے سیز فائر طے کر دی گئی۔

نقصانات

عرب	اموات	زخمی	جنگی قیدی
مصر	۱۵۰۰۰	۴۵۰۰۰	۸۳۳۹
شام	۷۰۰۰	۲۱۰۰۰	۳۹۲
اردن	۲۷	۵۰	--
عراق	۱۲۵	۲۶۰	۱۳
	۲۲۱۵۲	۶۶۳۱۰	۸۷۴۴
اسرائیل	۲۴۰۴	۵۵۴۴	۳۰۹

Anthony H. Cordesman نے اپنی کتاب The lessons for modern war میں ان نقصانات کو یوں بیان کیا ہے:

Israel suffered over 11,000 total casualties (2,800 killed) and lost over 800 tanks (400 of which were later repaired) and over 100 aircraft. The Arabs combined suffered over 28,000 casualties

عربوں کی ناکامی کے اہم اسباب

۱۴ مئی ۱۹۴۸ء کو سرزمینِ فلسطین سے برطانیہ کے خروج کے ساتھ ہی عرب حکومتوں نے تقسیم فلسطین کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا اور پہلی عرب اسرایل جنگ چھڑ گئی اور اس جنگ میں لبنان، اردن، عراق، اور مصر کی کل ۴۰ ملین آبادی پر مشتمل اور باقاعدہ منظم افواج کی حامل مملکتیں ۵ء۷ ملین آبادی کی ایک نوتشکیل شدہ ریاست کے ہاتھوں شکست سے دوچار ہوئی۔ اس جنگ کے بعد عرب ممالک کے عوام میں بے چینی و اضطراب کی کیفیت پیدا ہوگئی اور مصر کے بادشاہ فاروق اور اردن کے بادشاہ عبداللہ کے خلاف لوگوں کے دلوں میں نفرت پیدا ہونا شروع ہوگئی یہاں تک کہ ۱۹۵۰ء میں فلسطینی مہاجروں نے عبداللہ کو گولی مار کر ہلاک کر دیا۔

۱۹۵۶ء میں ناصر جمال جیسا قومی ہیرو میسّر آنے پر عرب دنیا میں پر اعتمادی پیدا ہوگئی۔ اس دوران مصر کی فوجی تیاریاں اور سوشلسٹ ممالک کی حمایت مصر کو اسرائیل کے مقابلے میں کئی زیادہ مضبوط ظاہر کر رہی تھیں۔ کثیر جنگی ساز وسامان، روس کی پشت پناہی، اور قومیت پسند لیڈروں کی قیادت یہی وہ ہتھیار تھے جن پر فخر کرتے ہوئے عرب کامیابی کے پورے یقین اور بھرپور اعتماد کے ساتھ ۱۹۵۶ء کی جنگ میں کود پڑے لیکن نظر کا یہ دھوکا جنگ کے تیسرے ہی دن سامنے آ گیا جب اردن کے فوجی دستوں نے ہتھیار ڈال دیے اور اس کے دو ہی دن بعد مصر بھی سرنگوں ہو گیا۔ اسی طرح ۱۹۶۷ء کی جنگ میں بھی تین گنا زیادہ طاقت کے باوجود عرب شکست سے دوچار ہوئے۔

خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کو بہت طاقت بخشی اور انہوں نے یورپ سے ایشیا تک بے شمار فتوحات حاصل کیں لیکن اسی قوم نے جب قانونِ الٰہی کی خلاف ورزی شروع کر دی اور اس راستے کو ہی ترک کر دیا جو ان کے لیے رہنما تھا تو نتیجتاً ان کی وہ طاقت دم توڑ گئی اور دشمن کو ان پر مسلّط کر دیا گیا۔

قرآنِ کریم میں بنی اسرائیل کو مخاطب کیا گیا ہے:

عَسٰی رَبُّكُمْ اَنْ یَّرْحَمَكُمْ ج وَ اِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا ۘ

(حرکتیں) کرو گے تو ہم بھی وہی پہلا والا (سلوک) کریں گے۔"(۸۴)

یہ اُصول سزاو جزا محض بنی اسرائیل تک ہرگز محدود نہیں بلکہ نافرمانی کی مرتکب کوئی بھی قوم چاہے وہ مسلمان ہی ہوں اس دائرے میں آئے گی۔ مولانا شفیع نے معارف القرآن میں عربوں کی شکست کی بابت لکھا ہے:

"ضابطہ قدرت الٰہیہ سامنے آیا کہ کروڑوں عربوں پر چند لاکھ یہودی غالب آ گئے انہوں نے ان کی جان و مال کو بھی نقصان پہنچایا اور شریعت اسلامی کی رو سے دنیا کی تین عظیم الشان مسجدوں میں سے ایک جو تمام انبیاء کا قبلہ رہا ہے وہ ان سے چھین لیا گیا۔"(۸۵)

اس میں شبہ نہیں کہ ان جنگوں میں عربوں نے کلمہ طیبہ کے بجائے کلمہ قومیت کی صدا بلند کی، اور اسلام کی قوت، اُمت کی طاقت کو نظر انداز کرتے ہوئے عرب قومیت کے نظریہ کو بنیاد بنایا۔ وہ دینِ مصطفیٰ کے نام پر آگے نہیں بڑھے بلکہ ان کا نظریہ جنگ محض اس خطہ کے حصول تک محدود تھا جسے وہ اپنا حق سمجھتے تھے جب کہ ان کے مخالفین ایک نظریہ لے کر اپنے مذہب کے نام پر اکھٹے ہو رہے تھے وہ محض ایک زمین کے ٹکڑے کے لیے نہیں لڑ رہے تھے بلکہ وہ اس سرزمین کو اپنا حق سمجھتے تھے جہاں ساڑھے تین ہزار سال قبل حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون مصر سے نجات دلا کر انہیں آباد کیا تھا چنانچہ اس وقت وہ دینی جذبہ سے سرشار تھے، اسی جذبہ نے انہیں طاقت بخشی۔ اتحاد ملی و فتح کے لیے دین سے وابستگی بے حد ضروری ہے اللہ، رسول اور عقیدہ اسلام کی بقاء کے لیے لڑنا جہاد ہے لیکن سوشلزم، یا نیشنلزم پر جان دے دینا ہرگز جہاد کے زمرے میں نہیں آسکتا۔

یہ مسلم تاریخ کا سب سے افسوسناک دور کہلائے گا کہ اپنی کوتاہیوں اور نافرمانیوں کے باعث

کوتاہیاں کس حد تک پہنچ گئی ہے۔

عربوں کی ناکامی کا ایک اہم سبب عرب حکومتوں کے مابین اتحاد واتفاق کی کمی، اندرونی خلفشار اور باہم رابطوں کا فقدان تھا اوران کی یہ خامی اسرائیل کے لیے بہت مددگار ثابت ہوئی ہے اس بات کا اعتراف خود Chaim Harzog نے یوں کیا ہے:

"Always the Israel were able to take advantage of this lack of cohesion and unity between the Arab Armies." (86)

ایک دوسرے پر عدمِ اعتماد، سیاسی کھنچاؤ، باہم اعتقادات میں اختلافات یہ تمام عوامل عربوں کو کمزور کرنے کا باعث بنے اور وہ ہر طرح کی برتری کے باوجود اس کا افادہ نہ لے سکے جبکہ دوسری جانب پورے دنیا میں بکھرے ہوئے یہودی ایک لڑی میں سما گئے اور انہوں نے مل کر تمام ظاہری و پوشیدہ ذرائع اپنے مقصد کے حصول کے لیے صرف کر ڈالے۔ جنگوں کے دوران اسرائیل کو مضبوط کرنے میں امریکن یہودیوں کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔

انسائیکلوپیڈیا امریکن میں واضح ہے:

"On Israeli issues before the United Nations, American Jews worked to ensure United States support for Israel." (87)

پوری دنیا کے یہودی مختلف کلچر اور مختلف زبانوں کے باوجود اپنے نظریہ اور دین کے نام پر یکجا ہو گئے لیکن ہم زبان عرب ایک دین پر متحد نہ رہ سکے اور عقائد کی جنگ میں ایک دوسرے کا تختہ اُلٹنے میں مصروف رہے۔

امریکہ وروس کے درمیان سرد جنگ اور دونوں سپر پاورز کے شرق اوسط سے وابستہ مفادات بھی عرب اسرائیل تنازعے کی طوالت کا باعث بنے رہے بلاشبہ اسرائیل کی فتح اور عربوں کی شکست میں ان

شرق اوسط میں اپنے اثرات پھیلانے اور آزر بائیجان و ایران میں سوشلسٹ حکومتوں کے قیام کے لیے کمیونسٹ ورکروں کا باقاعدہ ایک نیٹ ورک مصر، عراق و شام میں کام کر رہا تھا۔

Soviet Union un the Middle East supported Arab Nationalism as opposed to Western imperialism and preached that Zionism was an Instrument of British imperial policy. (88)

امریکہ ایک جانب روس کے قریبی ممالک کے ساتھ فوجی معاہدوں کے ذریعے اس کے گرد گھیرا تنگ کر رہا تھا تو دوسری جانب اسرائیل کے ساتھ تعلق بڑھانے میں مصروفِ عمل تھا۔ قیامِ اسرائیل کے بعد سب سے پہلے امریکہ نے ہی نہ صرف اسرائیلی حکومت کو تسلیم کیا بلکہ اس کی مالی مدد بھی فراہم کی مئی ۱۹۴۸ء میں جب وائزمین نے Weizman نے واشنگٹن کا دورہ کیا تو اس $100,000,000 قرض دینے کا وعدہ کیا امریکہ ہی وہ مضبوط ہتھیار تھا جس نے اسرائیل کی چھوٹی سے ریاست کو یوں اُجاگر کیا اور تمام جنگوں میں اسرائیل کی فتح یابی میں بھی پس پردہ امریکہ کا ہی کردار رہا ہے۔

A U.S newspaper had quoted president Johnson as saying to his wife "We have a war on our hands" The use of the word 'we' and 'ours' convinced Nasser that there had been U.S Collusion. (89)

عربوں کی ناکامی کا ایک اہم سبب بلادِ اسلامیہ میں ان فوجی حکومتوں کا وجود تھا جو انقلاب اور سازشوں کے ذریعے سامنے آئیں ان حکومتوں میں غلط کو غلط کہنے کی جرت کوئی نہیں کر سکتا تھا، نہ صرف میڈیا بلکہ سوچوں پر بھی پہرا تھا اور حکمران فوجی تیاریوں سے زیادہ تقاریر اور اعلانات پر زور دینے میں مصروف رہتے۔ ان حکومتوں میں خشیتِ الٰہی اور انابت الی اللہ کا جذبہ جاتا رہا، اعترافات و تقصیرات کی رُوح جاتی رہی اور یہ خو جاتی رہی کہ قرآنِ کریم کا فوج کے لیے کیا حکم ہے۔

عرب اسرائیل جنگوں میں عربوں کی ناکامی کا ایک اہم فیکٹر ان کی تن آسانی کو بھی گردانا جائے گا انہوں نے قدرت کی جانب سے عطا کردہ دولت ترقیاتی منصوبوں کے لیے استعمال کرنے کی بجائے

قبل ہی قیامت خیز محنت کی عادی تھی اسی محنت کے بل بوتے اور اتحاد، یقین اور تنظیم کے رہنما اُصولوں پر عمل پیرا ہو کر ہی وہ میدانِ عمل میں اُترے اگر چہ حصّول مقصد کے لیے انہوں نے غلط وصحیح ہر حربہ جائز قرار دیا، سلامی نظریہ کی مانند یسے عمدہ اُصول وضوابط مقرر نہ کیے جن میں عمومی انسانیت کی حق تلفی کی ممانعت پائی جاتی تاہم انہوں نے منظم طریقے سے کام کیا جو ان کے لیے مفید رہا۔ جبکہ عربوں کا باہمی نفاق، انتشار، بدنظمی، عیاشی، سیاسی رقابت، اسلامی اقدار سے بعد خود انہی کی ہزیمت کا باعث بنا۔

سلطان احمد نقوی نے بجا فرمایا کہ:

> ''ستم یہ ہے کہ عرب جب تن آسانیوں اور عیش و طرب میں مصروف تھے اسرائیل قرآنِ کریم کی آیات اور انجیل کی روایات پر تحقیق کے ذریعے سربستہ معاون اور تیل کی دولت کا پتہ لگا رہے تھے۔''(۹۰)

ماحصل

انیسویں صدی تک یہودیوں کی ایک کثیر تعداد روس، پولینڈ، جرمنی، برطانیہ اور جرمنی و یورپ میں پھیلی ہوئی تھی اس کے علاوہ اسلامی ممالک میں عراق، مراکش، مصر، ترکی، یمن میں بھی ایک بڑی تعداد موجود تھی یورپ میں خصوصاً پولینڈ، روس و جرمنی میں یہودیوں کو تعصب کا سامنا تھا اور ان علاقوں میں انہیں شدید نفرت کا سامنا تھا۔

انیسویں صدی کے آخر میں جب ان یہودیوں کو پولینڈ و روس سے دھتکارا گیا تو تھیوڈ ہرزل نامی ایک یہودی نے یہودیوں کے لیے ایک علیحٰدہ ریاست کے قیام کا نظریہ پیش کیا اور اس مقصد کے لیے بین الاقوامی صیہونی تحریک شروع کر دی گئی۔ برطانیہ کا مشورہ تھا کہ مشرقی افریقہ کے ایک حصّہ پر یہودی اپنی سلطنت قائم کر لیں لیکن انہوں نے فلسطین سے اپنی رُوحانی وابستگی کی بناء پر دعویٰ کیا کہ یہ ہمارے آباؤ اجداد کی سرزمین ہے لہٰذا اس پر ہمارا ہی حق ہے۔ آہستہ آہستہ انہوں نے اس مشن کے لیے تگ و دو

فلسطین میں آباد کرنے میں مدد کی یہاں تک کہ ۱۹۱۴ء میں ان کی آبادی ۸۵،۰۰۰ تک پہنچ گئی۔

دوسری جنگِ آزادی کے بعد ہٹلر کی نازی تحریک نے یہودیوں کو ملک سے مار بھگایا تو وہاں سے بھی ان کی خاصی بڑی تعداد نے فلسطین کا رُخ کیا اور ۱۹۴۷ء تک فلسطین میں ان کی تعداد ۷،۵۰،۰۰۰ تک پہنچ گئی ۱۴ مئی ۱۹۴۸ میں قیامِ فلسطین کے وقت فلسطین کے اندر ۵۷ ملین یہودی اور ۱۴ ملین عرب آباد تھے۔ پھر گزرتے وقت کے ساتھ عربوں کی جگہ یہودی آباد ہونا شروع ہوگئے۔

سلطنتِ اسرائیل کے قیام کے وقت بھی یہودیوں کا دعوی تھا کہ یہ ان کے آباء کی سرزمین ہے جو ان سے چھین لی گئی تھی اور اب وہ اس کو واپس چھیننے کا حق رکھتے ہیں۔ یہودی دراصل حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش سے تین سو سال قبل دو ڈھائی سو سال کی مسلسل جدوجہد کے بعد فلسطین و بیت المقدس پر قابض ہوگئے تھے گویا وہ اس سرزمین کے اصل باشندے نہ تھے بلکہ قدیم باشندے دوسرے لوگ تھے جن کے قبائل و اقوام کے نام بائبل میں تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں اور بائبل کی تصریحات کے مطابق بنی اسرائیل نے ان قوموں کا قتلِ عام کر کہ اس سرزمین پر قبضہ کیا تھا۔ جبکہ جزیرہ عرب سے ہجرت شدہ کنعانی قبائل بنی اسرائیل کے داخلے سے قبل دو ہزار سال تک فلسطین میں آباد رہے۔ ۱۳۵ء میں جب رومیوں نے پورے فلسطین سے یہودیوں کو نکال باہر کیا اس کے بعد بھی عرب شمالی فلسطین میں ڈھائی ہزار سال اور جنوبی فلسطین میں تقریباً دو ہزار سال تک آباد رہے، اسلام کی آمد سے قبل یہ پورا علاقہ عرب قوموں آباد تھا، جبکہ یہودی ابتداً نسل کشی (Genocide) کے مرتب ہو کر فلسطین پر قابض ہوئے اور یہاں ان کا قیام بھی شمالی فلسطین میں پانچ سو سال اور جنوبی فلسطین میں صرف آٹھ سو سال تک رہا، اس کے باوجود یہودیوں کا دعوی ہے کہ فلسطین ہماری سرزمین ہے۔ اور اسی دعوے اور دو ہزار سالہ پُرانی تاریخ کی بنیاد پر انھوں نے دنیا جہاں میں بکھری یہودی آبادی کو فلسطین منتقل کرنے کے بعد مقامی عرب آبادی کو کیمپوں میں منتقل ہونے پر مجبور کر دیا۔

آخرالزمان ﷺ نے معراج سمٰوٰت کا عظیم سفر کیا تھا اور جس کی طرف رُخ کر کے مسلمان پندرہ سال تک نماز ادا کرتے رہے، اسی لیے اس کو قبلہ اوّل کہا جاتا ہے۔ تاریخ سے یہ بات ثابت ہے کہ ہیکلِ سلیمانی ۷۰ء میں بالکل مسمار کر دیا گیا تھا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جب بیت المقدس فتح ہوا، اس وقت وہاں یہودیوں کا کوئی بھی معبد باقی نہ تھا، بلکہ صرف کھنڈر پڑے تھے اس لیے کوئی یہودی یہ الزام نہیں لگا سکتا کہ ان کے معبد کو توڑ کر مسلمانوں نے وہاں اپنی مساجد (مسجد اقصیٰ اور قبۃ الصخر) تعمیر کی ہیں، تاریخ سے ثابت ہے کہ رومیوں کے زمانے میں فلسطین جب یہودیوں سے خالی کرالیا گیا تو بیت المقدس میں انکا داخلہ ممنوع تھا تادم کہ مسلمانوں نے انہیں دوبارہ وہاں رہنے بسنے کی اجازت دے دی۔

عرب قوم اپنے دین کی رسی کو مضبوطی سے نہ تھام سکی اور قومیت کا عارضی سہارا بھی ان کے لیے کوئی خاص سودمند نہ ثابت ہوسکا کسی ایک نقطہ پر متحد نہ ہونے کے باعث تیل کا مضبوط ہتھیار جس پر آج کے مشینی دور کا انحصار ہے بھی ان کے کام نہ آسکا آخری عرب اسرائیل جنگ تک تیل کے کل ذخائر کا ۶۰ فیصد عربوں کے پاس تھا اور معاشی ماہرین کا خیال ہے کہ بین الاقوامی معاشی بحران اور بیرونی کرنسیوں کی کی قیمت کے تعین کے سلسلے میں ہونے والی کسی بھی تحریک میں اگر عربوں کو شامل نہ کیا جائے تو عالمی معیشت تباہ ہو جائے۔ اس کے باوجود عرب میدانِ جنگ و میدانِ سیاست ہر جگہ ناکام ہوئے کیونکہ ان کے ہاں مقصدِ اعلیٰ کا فقدان اور عقیدے کا ضعف پایا جاتا ہے۔

(۱) اکبر شاہ خان نجیب آبادی، **تاریخ اسلام** : کراچی، نفیس اکیڈیمی، ۱۹۸۱ء، ص:۷، ج:۱

(۲) باری علیگ، **نظریات** :لاہور تخلیقات، ۱۹۹۹ء، ص:۵۲

(۳) سلمان ندوی، **تاریخ ارض القرآن** : اعظم گڑھ، مطبع المعارف، ۱۳۴۲ء، ص:۱۰۳، ج:۲

(۴) حبیب الحق ندوی، **فلسطین اور بین الاقوامی سیاسیات** : کراچی، مشرق پریس، ص:۳۵

(۵) احمد حسن الزیارت، **تاریخ الادب العربی** : مصر، مصبعۃ الاعتماد، ۱۹۳۵ء، ص:۴

(۶) حفظ الرحمٰن سیوہاروی، **قصص القرآن**، : کراچی، دارالاشاعت، ص:۹، ۲۷، ج:۱

(۷) القرآن ۳ : ۹۳

(8) ***The world Encyclopedia*** (London, world book International) 1992, P.112 Vol.11

(۹) الطبری، محمد بن جریر الطبری، **جامع البیان عن تاویل القرآن** :مصر، دارلمعارف، ۱۹۶۷ء، ص:۲۳۳، ج:۱

(۱۰) **القرآن** ۲۱ : ۵۲

(۱۱) **القرآن** ۲۶ : ۷۰۔۷۱

(۱۲) **القرآن** ۲۱ : ۲۹

(۱۳) **توریت**: پیدائش ۱۲ : ۲

(۱۴) حفظ الرحمٰن **قصص القرآن**، محولہ بالا، ص:۳۵۳

(۱۵) **توریت**، پیدائش ۲ : ۷۔۸

(۱۶) عین الحق، **قدیم مشرق** : کراچی، مکتبہ فریدی، ۱۹۵۸ء، ص:۳۳۷، ج:۱

(۱۸) ممتاز لیاقت، **تاریخ بیت المقدس** : لاہور، سنگ میل پبلیشرز ۱۹۷۲ء، ص:۲۳

(۱۹) **توریت**، پیدائش ۴۷ : ۱۱-۱۲

(۲۰) **توریت**، خروج ۱ :۸-۹

(۲۱) زبیری، ظفر عمر زبیری **قدیم تہذیبیں و مذاہب**: کراچی نیشنل اکیڈمی، ۱۹۵۸ء، ص:۳۵۴

(۲۲) **القرآن** ۲۸ :۲۹

(۲۳) **القرآن** ۲۸ : ۱۵

(۲۴) **القرآن** ۲۰ : ۷۸

(۲۵) سبط حسین، **ماضی کے مزار**، :لاہور، مکتبہ دانیال، ۱۹۶۹ء، ص:۱۲۷

(۲۶) **القرآن** ۵ : ۲۴

(۲۷) **اُردو انسائیکلوپیڈیا**، (مدیر) پروفیسر فضل الرحمٰن، نئی دہلی، کونسل برائے ترقی اُردو، ۱۹۹۶ء، ص:۴۴۲

(۲۸) **القرآن** ۱۷ : ۴

(۲۹) عین الحق **قدیم مشرق**، محولہ بالا، ص:۳۵۱

(۳۰) امین احسن اصلاحی، **تدبر قرآن** :لاہور، مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن، ۱۹۷۶ء، ص:۲۵

(۳۱) ایضاً

(32) ***Encyclopedia world book,*** opcit, P.113

(۳۳) ۱۷ : ۶

(۳۴) مودودی، ابوالاعلیٰ مودودیؒ **سیرت سرور عالم ﷺ** : لاہور، ادارہ ترجمان القرآن، ۱۹۷۸ء، ص:۵۵۸

(۳۵) ایضاً

(۳۶) ایضاً

(۳۷) **القرآن** ۱۷ : ۸

(۳۹) شیخ، محمد شفیع، *معارف القرآن*، ادارۃ المعارف، کراچی، ۱۹۷۲ء، ص:۴۳۸، ج:۵

(40) ***Encyclopedia Britannica,*** 1768, P.85, Vol.5

(41) ***www.mideastweb.org*** "The Balfour Declaration"

(۴۲) شیخ سجاد حسین، فلسطین ولبنان : کراچی، آزادی قدس پبلیشرز، ۲۰۰۱ء، ص:۲۵

(43) ***www.mideastweb.com***

(44) ***Encyclopedia Britannica,*** opcit P.83, Vol.5

(۴۵) شیخ سجاد حسین، فلسطین ولبنان، محولہ بالا، ص:۲۹

(46) ***www.mideastweb.com,*** "Brief history of Palestine"

(47) Hurewitz,J. C. The Struggle for Palestine, (New York: Norton, 1950) P.32

(48) Stein,Kenneth W,.***The Land Question in Palestine1917-1939*** (Chapel Hill: University of North Carolina Press)1984 P.3-4

(49) Mark Tessler, ***A history of the Israeli-Palestinian conflict*** (Bloomington, IN: Indiana University Press) 1994 P.43

(50) ibid

(51) ESSO foundation for Palestine, ***A study of Jewish Arab and British Policies,***(New Heaven, :Yale University Press)1949 P.1, Vol.1

(52) Islamabad Policy research center ,Sobia Haider, ***Palestine Crises,*** P.2

(53) Khouri,Fred J.,***The Arab-Israeli Dilemma,*** third edition (Syracuse, N.Y: Syracuse University Press) 1985 p. 54

(54) ESSO foundation for Palestine ,***A study of jewish Arab and British Policies*** ,opcit p 1

Cornell universisty Press) 1952 P.398

(57) Baily, Sydney D., *Four Arab Israel Wars and peace **proces***(London, Macmillan Press)1982 P.28

(58) George Lenczowsk, ***The Middle East in the worlds affairs,*** opcit, P. 398

(۵۹) آبادشاد پوری، بیت المقدس کا معرکہ ۱۹۴۸ء، محولہ بالا، ص: ۱۶۳

(60) Islamabad Policy research center ,***Palestine Crises,*** opcit P.3

(61) Issa Khalaf, Politics in Palestine: ***Arab Factionalism and Social Disintegration, 1939-1948***, *Suny Series in the Social and Economic History of the Middle East* (Albany: State University York Press, 1991) P.220

(62) George Lenczowski, ***The Middle East in the worlds affairs,*** opcit, P. 400

(63) Ibid

(64) ***Encyclopedia Britannica,*** opcit, P.82

(65) Islamabad Policy research center ,***Palestinian Crises,*** opcit, P.11

(66) Sydney D.baily, ***Four Arab Israel Wars and peace process,*** opcit P. 112

(67) Haikal, Muhammad Nasser, *The Cairo documents* (London, English library, 1975) P.102

(68) Murphy, robber, ***Diplomat among wars*** (N.Y, Collins 1964) P.382

(69) Ghulam Muhammad, ***The Middle East Crises,*** (Karachi,Chiragh-e-Rah publications) 1968 P.86

(71) Walter Laqueur and Barry Rubin, (editors) ***The Israel-Arab Reader***, (New York: Penguin Books,)1984 P.175-176

(72) Bull,odd, ***War and peace in the Middle East,*** The experience and views of a UN observer، (London, cooper)1976 P.113

(73) Ibid

(74) Haikal, Muhammad Nasser, ***The Cairo documents,*** opcit P.222

(75) ***"Palestinian Refugees***:www.arts.mcgill. Palestinian Refugee Research (maintained by the Inter-University Consortium for Arab and Middle Eastern Studies-Montreal), April 7,2005.

(76) Herzog,Chaim, ***The War of Atonement,*** October 1973 (Boston: Little, Brown and Co) 1975 P.8-9

(77) Anwar el-Sadat, ***In Search of Identity*** (New York: Harper & Row, 1978), 234-7

(78) Sydney D. baily, ***Four Arab Israel Wars and peace process,*** opcit P. 287

(79) Herzog, Chaim , ***The Arab-Israeli Wars,*** (Steimatzy, Arm and Armor Press 1982) P.323

(80) Chaim Herzog, ***The War of Atonement,*** opcit, P.37

(81) Dupuy,Trevor N., ***Elusive Victory: The Arab-Israeli Wars, 1947-1974*** (New York: Harper and Row) 1978 .P.333

(82) Hersh, Seymour M.,***The Samson Option: Israel's Nuclear Arsenal & American Foreign Policy*** (New York: Random House) 1991,P.2309

Arab-Israeli Conflicts,1973–1989(Boulder CO: Westview Press,

1990),p 18. Volume 1

(۸۴) *القرآن* ۱۷ : ۸

(۸۵) مفتی محمد شفیع *معارف القرآن*، محولہ بالا، ص:۴۳۸، ج:۵

(86) Herzog, Chaim Herzog, ***The Arab-Israeli Wars,*** opcit P.217

(87) Ghulam Muhammad, ***The Middle East Crises,*** opcit P.12

(88) Ghulam Muhammad, ***The Middle East Crises,*** opcit P.80

(89) ***www.mideastweb.com***

(۹۰) *الجامعات*، سلطان احمد نقوی ، جامعہ محمدی شریف، جھنگ، جولائی ۱۹۷۳ء، ص:۵۲

باب پنجم

خلیجی جنگ ۱۹۹۱ء

خلیجی جنگ ۱۹۹۱ء

۲ اگست ۱۹۹۰ء رات کے پچھلے پہر عراق نے اپنے چھوٹے سے ہمسایہ عرب ملک کویت ہر حملہ کیا اور صرف چھ گھنٹے کی فوجی کاروائی کے بعد پورے کویت پر قابض ہو گیا اور اسے اپنا انیسواں صوبہ قرار دے دیا۔ عراق کے اس فعل کی عالمی سطح پر تردید کی گئی اور اقوامِ متحدہ کی جانب سے عراق کو فوراً کویت خالی کر دینے کے احکامات جاری کیے گئے اور ساتھ ہی مختلف قسم کی معاشی پابندیاں بھی عائد کر دی گئیں لیکن اس کے باوجود عراق کی جانب سے مثبت ردِّ عمل سامنے نہ آیا جس سے ثابت ہو گیا کہ عراق کویت سے غیر مشروط اخراج کے لیے راضی نہ ہو گا بلکہ سعودی عرب کو بھی عراق کی جانب سے خطرہ درپیش ہو گیا لہٰذا سعودی عرب کے شاہ فہد کی درخواست پر سعودی، کویت سرحد پر بین الاقوامی افواج متعین کر دی گئیں، ان افوج میں بڑی تعداد امریکی فوج کی تھی۔

اقوام متحدی نے عراق کو ۱۵ جنوری ۱۹۹۱ء تک کویت خالی کرنے کا الٹی میٹم دے دیا جسے عراقی صدر صدام نے مسترد کر دیا ڈیڈ لائن ختم ہو جانے کے ۲۴ گھنٹے بعد امریکہ اور اتحادیوں نے عراق پر ہلہ بول دیا۔ اس اتحادی مہم کو Operation Desert Sheild کا نام دیا گیا۔ اس آپریشن کے لیے بین الاقوامی فوج پہلے سے ہی مشرق وسطی میں موجود تھی۔

By January 1991 the Allied coalition against Hussein had reached strength of 700,000 troops, including 540,000 US personals and smaller number of British, French, Egyptians, Saudis, Syrians and several other international continents (1)

پہلے حملے میں کثیر الملکی فوجی طیاروں نے اٹھارہ ہزار دھماکہ خیز مواد اور بارود بغداد پر انڈیل دیا امریکی، برطانوی اور فرانسیسی جنگی طیاروں نے عراق کے ۶۰ مقامات پر ۴۵۰ فضائی حملے کیے۔ عراق کے

جوابی کاروائی کے طور پر عراق نے اسرائیل کے شہر تل ابیب و حیفہ کو نشانہ بنایا دوسری جانب ریاض پر بھی میزائل پھینکے نیز بحرین اور تل ابیب کو بھی نشانہ بنایا۔ خلیج میں ایک آتش فشاں پھٹ پڑا تھا لیکن ۲۴ فروری ۱۹۹۱ء کو جب زمینی جنگ شروع ہوئی تو تین دن کے اندر ہی عراقی افواج گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو گئیں اور عراق کویت خالی کرنے پر مجبور ہو گیا۔ ۲۸ فروری کو باقاعدہ عراق کویت سرحد پر سیز فائر طے کر دیا گیا عراق کے خلاف پابندیاں مزید سخت کر دی گئیں اب عراق مکمل طور پر شکست سے دوچار ہو چکا تھا۔

کویت پر قبضہ کا عراقی جواز

عراق بطور مملکت ۱۹۲۱ء میں دنیا کے نقشے پر نمودار ہوا اس سے قبل یہ سلطنت عثمانیہ کا حصہ تھا عراق اپنے قیام کے ساتھ ہی کویت کو اپنے ساتھ شامل کرنے کا خواہاں تھا لیکن اس خواب کی تکمیل کا ذمہ ۱۹۹۰ء میں عراقی صدر صدام حسین نے لیا اور اگست ۱۹۹۰ء کویت پر قابض کر دیا۔ اس قبضہ میں ملک سے تاریخی دلچسپی کے علاوہ دیگر سیاسی و معاشی ضروریات و خواہشات بھی شامل تھیں۔ تاہم قبضہ کے وقت عراق کا اوّلین دعویٰ یہی تھا کہ کویت سلطنت عثمانیہ کے دور سے ہی بصرہ کا حصّہ تھا لہٰذا اب عراق اسے ایک بار پھر اپنے ساتھ شامل کر کہ ملک کو ایک وسیع اور مضبوط سلطنت میں تبدیل کرنا چاہتا ہے۔ عراق کی طاقت اور سرحدوں کو بڑھانے کا دعویٰ کرنے سے حکومت کا مقصد حبّ الوطنی کا ثبوت مہیا کر کہ عوام کو اپنا ہم خیال بنانا تھا۔ کویت پر حملہ سے قبل عراقی صدر و وزراء نے عوام کے سامنے اپنی تقاریر میں کویت پر اپنے حق ملکیت کا دعویٰ کرتے ہوئے اسے اپنا تاریخی حصّہ قرار دیا۔ عراقی وزیر خارجہ طارق عزیز کی تقریر ۸ فروری ۱۹۹۱ء کے Dawn میں شائع کی گئی۔

Right up to world war-1, it was an Iraqi qadha (district) under the Ottomans and formal part of the Basra province. (2)

ان کا کہنا تھا کہ ۱۸۹۷ء میں ترکی سلطان نے کویت کے شیخ مبارک الصباح کو قائم مقام منتظم مقرر کیا اور مبارک الصباح نے اپنے اختیارات کا غلط استعمال کرتے ہوئے برطانیہ کے ساتھ ایک خفیہ

شروع کر دیے اور فرانس سے کیے گئے سائیکو پیکٹ معاہدے کے مطابق کویت کو عراق سے الگ کر دیا۔

Under the Sykes- Picot Agreement with France, Britain carved Kuwait out of Iraq denying the latter access to the Gulf for the first time in history. (3)

پروفیسر رضوان علی ندوی نے ایک مقالہ میں عراق کے اس دعوے کی بابت لکھا ہے کہ:

''قدیم جغرافیائی کتابوں میں اسے جزیرہ عرب کے مشرقی ساحل کا علاقہ کہا گیا ہے جس کو قدیم اسلامی زمانہ میں ''بحرین'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور یہ موجودہ ابوظہبی و دبئی وغیرہ کے ساحلی علاقوں سے عراق کی حدود تک واقع تھا۔ موجودہ جزیرہ بحرین کا نام اس قدیم زمانہ میں ''اوال'' تھا اور یہ بھی اس قدیمی بحرین یا سعودی عرب کے مشرقی ساحل کا حصہ تھا، اب قدیمی نام کا اطلاق صرف اسی جزیرہ پر ہوتا ہے یہ سعودی ساحل سے اس قدر قریب ہے کہ الخبر سے نظر آتا ہے اور اب اس سعودی ساحلی شہر سے بحرین کو ایک سمندری سڑک جاتی ہے جس کی تکمیل چار سال قبل ہوئی ہے۔ اس جغرافیائی حقیقت کے پیشِ نظر یہ موجودہ سعودی عرب کا علاقہ تھا اور اس پر عراق کا دعویٰ صحیح نہیں۔'' (۴)

اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ کویت سعودی عرب کی نسبت عراق کے شہر بصرہ کے قریب واقع ہے گو اس وقت تک کویت میں تیل کی دریافت نہیں ہوئی تھی لیکن عراق کو کھلے سمندر میں اپنے لیے اس پورٹ کی سخت ضرورت تھی جو کہ بصرہ شط العرب (دریا) پر واقع تھا۔ لہٰذا ۱۹۲۱ سے ہی عراق کی نظریں کویت پر رہی ہیں اور وہ کویت کے علیٰحدہ وجود کو تسلیم کرنے کو تیار نہ ہوا تاہم ۱۹۲۳ء میں عراقی حکومت نے برطانوی دباؤ کے تحت کویتی سرحدوں کو تسلیم کر لیا۔ اس کے بعد ۱۹۳۲ء میں لیگ آف نیشن میں شمولیت

عراق نے پھر کویت سے الحاق کا مطالبہ شروع کر دیا بلکہ اس وقت کے عراقی بادشاہ نے کویت سے درخواست کی کہ وہ خود کو عراق میں ضم کر دے لیکن دونوں ریاستوں کے درمیان برطانیہ حائل تھا لہٰذا اس تجویز کے کوئی نتائج برآمد نہ ہو سکے۔

انگریزوں کے بھی اس خطے میں اپنے مفادات تھے۔ یہاں کا نوے فیصد علاقہ شمال، جنوب و مغرب میں بے آب و گیاہ ریگستان ہے جہاں آبادی نہ ہونے کے برابر ہے لیکن ۱۹۳۶ء میں تیل کی دریافت سے اس سارے صحرائی علاقے کی اہمیت انتہائی بڑھ گئی اور یہاں موجود کویتی برٹش آئل کمپنی تیل کی صنعت پر قابض ہو گئی۔ ۱۹۶۱ء میں جیسے ہی کویت کو آزادی ملی عراق کے جنرل حکمران عبدالکریم قاسم ٹینکوں کے ساتھ کویتی سرحد پر آ گیا اس وقت بھی انگریز مشترکہ فوجی معاہدہ کے تحت وہاں پہنچ گئے اور عبدالکریم قاسم کو واپسی پر مجبور کر دیا چونکہ یہاں ان کے تیل سے متعلق مفادات موجود تھے لہٰذا برطانوی حکومت اس خطے کے مسائل میں براہِ راست مخل رہی۔ ۷۰ کی دہائی میں عراق و کویت کے معاملات نسبتاً نارمل رہے ان دنوں عراق گلف کے ساتھ اپنے تعلقات بہتر کرنے کی کاوش میں تھا لیکن اسی دہائی کے آخر میں ایران سے تعلقات کشیدہ ہو گئے اور عراق ایران جنگ چھڑ گئی جس نے گلف کے حالات مزید بگاڑ دیے۔ شط العرب کے چھوٹے سے علاقہ کے دعویٰ کی بنیاد پر شروع ہونے والی یہ جنگ نو سال جاری رہنے کے بعد بغیر کسی نتیجہ کے اختتام پزیر ہو گئی۔ نو سال کی تباہی کے بعد عراق اپنے مطلوبہ اہداف بھی حاصل نہ کر سکا۔

ملک الطاف حسین نے لکھا ہے کہ:

> ''جب جنگ ختم ہوئی تو ایران کی ایک انچ زمین پر بھی عراق قبضہ نہ کر سکا۔ ستر ہزار عراقی قیدی ایران میں رہ گئے جب کہ ایران کے صرف تیس ہزار قیدی عراق کے پاس گئے۔ پندرہ لاکھ مسلمان دونوں طرف سے قتل ہوئے اور اقتصادی لحاظ سے دونوں ملکوں کو زبردست نقصان پہنچا۔''(۵)

اسے دولت کی سپلائی جاری رکھی اور تقریباً ۱۰ بلین ڈالر مدد فراہم کی، یقیناً اس جنگ میں سعودی عرب اور کویت کے اپنے تحفظات موجود تھے ورنہ ان دونوں ممالک کی جانب سے اتنا زرکثیر مہیا کرنے کا کوئی جواز نہ تھا۔ جنگ سے عراق کو مطلوبہ اہداف تو حاصل نہ ہو سکے بلکہ ملک معاشی طور پر ایک بہت بڑے بحران کا شکار ہو گیا۔

Saddam himself admitted owing US$40 million, excluding aid given to Iraq , but still recorded as loans by some Arab countries. (6)

جنگ کے بعد ملک شدید خلفشار کا شکار ہو گیا، افراطِ زر کی شرح ۱۰۰ فیصد بڑھ گئی اور بے روزگاری عام ہو گئی، خطے کے دولت مند ترین اور مضبوط ترین ملک کا ڈھانچہ تباہ ہو چکا تھا اور اب وہ معاشی طور پر عرب کویت اور دوسری عرب ریاستوں کا محتاج ہو چکا تھا۔

Iraqi sources estimated the economic loss from oil revenue and higher arms purchases (excluding war related destruction) at $ 208 billion. (7)

جنگ کے نتیجے میں عراق کو اسّی (۸۰) ارب ڈالر کے قرضوں کا بوجھ برداشت کرنا پڑ رہا تھا جن میں سے ۱۰ ارب ڈالر کویت کا قرض تھا باقی خلیجی عرب ممالک کو ۴۰$ بلین تک قرض ادا کرنا تھا اور اتنے ہی قرضہ جات مشرق و مغرب کے غیر عرب ممالک کی جانب سے تھے اب ان قرضوں کی ادائیگی ایک مسئلہ بن چکی تھی، کیونکہ ملک کا انحصار صرف تیل کی آمدن پر تھا، گویا عراق کو اس جنگ سے سود تو کچھ نہ ہو سکا صرف ضیاع ہی ضیاع ہوا اس صورتِ حال نے عراق کی ساکھ پر بھی گہرے اثرات مرتب کیے نیز اس کے بعد مختلف معاملات پر عراق کرائسس کا شکار ہی رہا۔ جن میں عراقی، کویتی سرحدوں کا جھگڑا، فلسطین اسرائیل مسئلہ، امریکہ کی خلیج میں موجودگی، سویت یونین کی مشرق میں مداخلت، تیل کی پیداوار اور قیمتوں کی کمی پر جھگڑا نیز عراق کی خلیجی ممالک سے قرضوں کی معافی کی درخواست وغیرہ شامل ہیں۔

موقف تھا کہ امیر کویت نے تیل کی پیداوار میں اضافہ کر کہ عالمی منڈی میں تیل کی قیمتیں گھٹادی ہیں اور اس طرح عراق کو شدید مالی نقصان اُٹھانا پڑ رہا ہے۔حملہ سے کچھ عرصہ قبل عراق نے کویت پر الزام عائد کیا کہ اس نے عراق کا چوبیس ارب ڈالر کا تیل چوری کیا ہے۔عراق کے مطابق کویت یہ تیل کویت اور عراق کے درمیان واقع رومیلہ کے تیل کے کنوؤں سے نکال رہا تھا اور اپنی پیداوار بڑھانے کے لیے کھدائی ترچھے طریقے سے کر رہا تھا تا کہ عراق کے حصے کا تیل بھی بہہ کر کویت کے علاقہ میں چلا جائے پھر عراق کا یہ کہنا بھی تھا کہ عراق جب ایران کے ساتھ جنگ میں اُلجھا ہوا تھا تب کویت نے چپکے ہی چپکے اپنی حدود عراقی علاقہ میں پچاس میل دور تک بڑھادی تھیں۔ان الزامات کے عوض عراق کا مطالبہ تھا کہ کویت ۱۳ تا ۱۵ ارب ڈالر بطورِ تاوان ادا کرے نیز اپنے دو جزیرے وربہ اور بوبیان طویل پٹہ پر عراق کے حوالے کر دے اس کے علاوہ ایران عراق جنگ کے دوران دیے گئے ۱۰ ارب ڈالر کے قرض بھی معاف کر دے۔

عراقی صدر نے ملک میں بڑھتی ہوئی افراتفری و بے چینی کے باعث لوگوں کی توجہ ان مسائل سے ہٹانے کی خاطر امریکہ و اسرائیل کے خلاف پر جوش تقاریر بھی شروع کر دیں تا کہ مسئلہ فلسطین کی بنیاد پر عوام کی ہمدردیاں حاصل کی جاسکیں۔فروری ۱۹۹۰ء میں منعقدہ عرب کوآپریشن کونسل کے سربراہوں کی میٹنگ میں صدام حسین نے امریکہ پر براہِ راست تنقید کرتے ہوئے خلیج سے امریکی بحری افوج کو نکالنے اور عرب ممالک کو ایک پلیٹ فارم پر متحد ہونے کی تجویز پیش کی۔

Saddam warned that for the next five years there was a great danger of U.S and Zionist machinations and urged Arabs to unite against America. (8)

سعودی عرب کے شاہ فہد نے مستقبل کے خطرات کو محسوس کرتے ہوئے عراق و کویت کے سربراہوں کی براہِ راست ملاقات کا اہتمام کیا اور سعودی عرب کے شہر طائف میں وزاراتی سطح پر مذاکرات کا اہتمام کیا یہ مذاکرات تین روز جاری رہے مذاکرات میں عراق نے دو جزیروں کے علاوہ رملہ آئل فیلڈ کے شمالی کنارہ کا مطالبہ بھی کیا تا کہ عراق اپنے معاشی مسائل حل کر سکے اور جنگی قرضوں کی

چلا گیا جس کی دوسری صبح ہی عراق نے کویت پر حملہ کر ڈالا جس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ صدام کو کویت کی جانب سے کوئی اُمید نہ تھی اور وہ حملے کی مکمل تیاری کر چکے تھے۔

The fact that invasion had been fully prepared before the meeting was even convened, however indicates that Saddam suspected that Kuwait would not accept his demand. (9)

خلیجی بحران کے اہم محرکات

خلیجی بحران اور جنگ کا ایک اہم سبب عالمی سطح پر طاقت کا عدم توازن گردانا جائے گا۔ یہ عدم توازن ۱۹۷۹ء میں روس کی افغانستان پر فوج کشی اور اس کے نتیجے میں روس کا شیرازہ بکھرنے کے بعد سامنے آیا۔ اس دور میں عراق، ایران اختلافات عروج پر تھے دونوں جگہوں پر امریکہ نے اپنا کردار ادا کیا افغانستان میں مجاہدین کو اسلحہ فراہم کرنے کے ساتھ ہی صدام حسین کی بھی فراخدلی سے مدد کرتا رہا ہے بلکہ خفیہ سیاروں کے ذریعہ عراق کو اہم جنگی معلومات پہنچانے کا فریضہ بھی امریکہ نے ہی انجام دیا۔ یہ وہ دور تھا جب دو عالمی طاقتیں پاور گیم کھیل رہیں تھیں اور اس گیم میں روس شکست خوردہ رہا۔ ۱۹۸۸ء کے وسط میں ایران عراق جنگ بھی رک چکی تھی اور روس بھی افغانستان سے نکل چکا تھا۔

آٹھ دس سال کی مسلسل جنگ اور خون ریزی نے روس کو اقتصادی اور سیاسی اعتبار سے بالکل کھوکھلا کر دیا اور مشرق یورپ اس کے دائرہ اثر سے یک لخت باہر نکل آیا جس کے باعث سوویت یونین کی عالمی حیثیت بُری طرح متاثر ہوئی بلکہ سوویت یونین ٹوٹ گیا اور اب دنیا میں صرف ایک عالمی باقی طاقت رہ گئی۔ اگر اس کے مقابل کوئی دوسری طاقت بھی موجود ہوتی تو یقیناً ڈپلومیسی کے لیے میدان کھلا رہتا اور اقوامِ متحدہ وسلامتی کونسل کا طرزِ عمل بھی مختلف ہوتا۔ سوویت یونین کے منظر سے ہٹ جانے کے باعث دنیا کی تنہا بڑی طاقت نے بھرپور طاقت کا مظاہرہ کیا اقوامِ متحدہ کی کارکردگی بھی خلیجی جنگ میں برائے نام ہی رہی اوزیادہ تر واحد عالمی طاقت کے فیصلے ہی غالب رہے خلیجی جنگ کے دوران الطاف

جنگ کے اعلان اور اس کی تلاش کی ذمہ داری سلامتی کونسل پر عائد ہوتی ہے جب کہ سارے فیصلے امریکی صدر صادر فرما رہے ہیں اور صدر صدام کے اس اعلان کے باوجود کہ عراقی فوجیں کویت سے نکل رہی ہیں، اتحادی جنگ بندی کے لیے تیار نہیں اور ان کی فوجیں عراق میں تباہی مچا رہی ہیں۔ عالمی امن قائم کرنے کی غرض سے جو عالمی ادارہ دوسری جنگِ عظیم کے اختتام پر وجود میں آیا تھا وہ دنیا کی واحد عالمی طاقت کا آلہ کار بن جانے سے اپنے بنیادی مقاصد کی تکمیل میں بُری طرح ناکام رہا اور اس کا اعتبار شدید طور پر مجروع ہوا۔(۱۰)

عالمی سطح پر طاقت میں عدم توازن قائم ہونے کے ساتھ ہی شرق اوسط میں یہ عدم توازن خوفناک حد تک بڑھ گیا۔ خطے میں عراق ایک مضبوط ملک گردانا جاتا تھا اور تمام عرب ریاستوں کی مشترکہ فوجی قوت بھی عراق کے مقابلے میں کم تھی۔ ایران عراق جنگ کے دوران امریکہ و یورپ کی جانب سے ملنے والی بے تحاشا جنگی مشینری کے باعث عراق عسکری سطح پر مزید طاقتور ہو چکا تھا اور خطے میں منی سپر پاور کے طور پر اُبھر رہا تھا اور اسی طاقت کے زعم میں کویت پر تیل چوری کرنے کا الزام عائد کرتے ہی حملہ بھی کر ڈالا۔ مشرق وسطی کا کوئی ایسا ملک عراق کی نظر میں نہیں تھا جو اس کے ہاتھ روک سکتا، کویت ایک امیر ملک ہونے کے باوجود کسی قسم کی فوجی طاقت کا حامل نہ تھا نہ ہی گلف کوآپریشن کونسل کے پاس کسی مضبوط مشترکہ فوجی قوت کا انتظام تھا، اگر ایسا ہوتا تو حملہ سے قبل صدام ضرور سوچتا، عرب لیگ بھی کوئی موثر کردار نہیں رہا۔ جب کہ عراق کو ایک عسکری طاقت بنانے میں جہاں امریکہ و یورپ کا ہاتھ تھا وہاں ساتھ ہی عرب ممالک کا بھی عمل دخل رہا ہے ایران سے نپٹنے کے لیے اسے عرب ممالک کی جانب سے اربوں ڈالر کے فنڈز مہیا کیے گئے۔

محمد بن علی کے بقول:

> ''۱۹۸۰ء کی دہائی میں کمیونسٹ ملکوں کے آمروں، عرب ملکوں کے مطلق العنان حکمرانوں، جنوبی امریکہ کے جرنیلوں اور مغربی

صدام حسین کی جھولی بھر رہے تھے اسلحہ کا اس قدر وافر ذخیرہ عراق
کے پاس اکٹھا ہو جانے کے بعد فوجی طاقت کی حیثیت سے اب اس
نے دنیا کی چوتھی بڑی طاقت کی حیثیت اختیار کر لی تھی۔''(۱۱)

گویا دونوں طاقتیں چاہے وہ عراق ہو یا امریکہ طاقت کے بل پر جارحیت کا مرتب اسی لیے ہوئی ہیں کہ ان کی طاقت کا ان کی اپنی حدود میں کوئی مقابل موجود نہ تھا۔ خلیجی جنگ شروع ہونے کے ٹھیک ایک ماہ بعد عراق کی فضائی اور بحری قوت کو ناقابل تلافی نقصان پہنچ چکا تھا اور زمینی لڑائی کے امکانات بڑھ رہے تھے تب ہی عراقی صدر نے کویت سے فوجوں کے انخلاء اور سلامتی کونسل کی قرارداد ۶۶۰ قبول کرنے کا مشروط اعلان کیا۔ پہلی شرط یہ رکھی کہ امریکہ اور تمام ممالک جنہوں نے خلیج میں اپنی افواج بھجوائی ہیں ایک ماہ کے اندر اپنی افوج، اسلحہ اور فوجی ساز وسامان اس علاقے سے ہٹالیں اور دوسرا بڑا مطالبہ لبنان، فلسطین اور عربوں کے دیگر مقبوضہ علاقوں اور گولان کی پہاڑیوں سے اسرائیلی فوج کا انخلاء کا تھا صدام کا مطالبہ تھا کہ اس ذیل میں جنرل اسمبلی اور سلامتی کونسل کی جملہ قراردادوں پر عمل درآمد کرایا جائے لیکن یہ تمام شرائط امریکہ نے مسترد کر ڈالیں۔ امریکہ کا اصرار رہا کہ یہاں امن صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ عراق کویت سے مکمل غیر مشروط انخلاء کرے۔

بلاشبہ عراق کی پیش کردہ شرائط بظاہر خاصی مشکل تھیں لیکن عمیق نظر سے دیکھا جائے تو کوئی بھی شرط انصاف سے متجاوز نہیں۔ اقوام عالم کی اکثریت نے عراق کے اس مطالبے کی حمایت وتائید کی کہ اس کی فوجوں کے کویت سے انخلاء کو فلسطین اور دوسرے عرب علاقوں کی بابت سلامتی کونسل کی اور جنرل اسمبلی کی قراردادوں پر عمل درآمد سے منسلک کیا جائے۔ اس لیے کہ فلسطین ومقبوضہ عرب علاقوں کے بارے میں سلامتی کونسل و جنرل اسمبلی کی قراردادیں بھی اتنی ہی اہم اور مقدس ومحترم ہیں جتنی کہ کویت کے بارے میں سلامتی کونسل کی قراردادیں، اور ان قراردادوں کو بھی امریکی ومغربی اقوام قبول کر چکی ہیں۔

خلیجی جنگ کا آغاز عراق کی جانب سے کویت پر جارحیت کے ارتکاب سے ہوا۔ عراق کے اس فعل کی اُمتِ مسلمہ پوری اور دنیا شدید مزمت کی ۔سعودی عرب نے اپنی حفاظت کے پیشِ نظر امریکہ سے مدد کی اپیل کی جس کے بعد صورتِ حال مزید گھمبیر ہوتی چلی گئی اور آناً فاناً یہ علاقائی جھگڑا بین الاقوامی بحران کی شکل اختیار کر گیا۔

عراق کے پاس کویت پر قبضہ کی کوئی ایسی معقول دلیل موجود نہ تھی جسے دلیلِ محکم کہا جا سکتا ہو یہی وجہ ہے کہ اقوامِ متحدہ کی جانب سے جب عراق کو کویت سے انخلاء کے احکامات نافذ ہوئے تو اس وقت کوئی عراق کے ساتھ نہ تھا، اس کے دوست ممالک کو بھی اس فیصلے کی حمایت کرنی پڑی یہاں تک کہ روس جیسے حمایتی ملک نے بھی عراق کے خلاف ووٹ دیا۔ جب عراق کی جانب سے کسی قسم کی لچک کا مظاہرہ نہ ہوا تو امریکہ اپنی پوری قوت کے ساتھ سعودی عرب کی حفاظت اور کویت کی مدد کے لیے میدان میں اُتر آیا۔ اس کے طیارہ بردار بیڑے حرکت میں آ گئے اور امریکہ کو اس کاروائی کے لیے نہ صرف اقوامِ متحدہ بلکہ عرب لیگ کی بھی تائید حاصل تھی۔

بنیادی سوال یہ ہے کہ عراق کویت پر اس جارحیت کا مرتب کیوں ہوا؟ آیا صرف تیل کے دو کنوؤں کو معاملہ اتنا سنگین تھا کہ اس کی بنیاد پر ایک آزاد ملک پر قبضہ کر دیا جائے، اور اس سلسلے میں افہام و تفہیم کی تمام کوششوں کو نظر انداز کر دیا گیا کیوں کہ جدہ مذاکرات کی ناکامی کے بعد بھی ابھی بہت سے فورم باقی تھے، ابھی سربراہی ملاقات باقی تھی، مسئلہ کو عرب لیگ و اسلامی سربراہی کانفرس تک پہنچائے بغیر ہی جارحیت پر اُتر آنے اور حملہ آور ہو جانے کا واضح مطلب یہی ہے کہ عراق نے پہلے سے ٹھان رکھا تھا کہ کویت پر قابض ہونا ہے اور اس ضمن میں وہ کسی قسم کے سمجھوتے کے لیے تیار ہی نہیں تھا۔

عراق کے غیر دانشمندانہ اقدام کے ساتھ ہی سعودی ردِّ عمل بھی کوئی خاص قابلِ ستائش نہیں تھا، کیونکہ سعودی عرب امریکی فوجی مدد کے علاوہ کوئی دوسرا حل بھی تو نکال سکتا تھا گو اس بابت عام رائے دی جاتی یہی ہے کہ عراق جیسی مضبوط فوجی قوت کا مقابلہ کرنے کے لیے سعودی عرب کے پاس دوسرا کوئی

ملک الطاف حسین راقم طراز ہیں کہ:

''عراق کی باقاعدہ فوج چھ لاکھ جوانوں پر مشتمل ہے جس کے پاس چار ہزار ٹینک اور سات سو لڑاکا مگ، انتیس براج طیارے ہیں جبکہ سعودی عرب کی قوت ساٹھ ہزار رضا کاروں اور چند سو لڑاکا طیاروں پر مشتمل ہے۔''(۱۲)

یہ حقیقت ہے کہ سعودی عرب عسکری میدان میں عراق سے بہت پیچھے ہے اور اس کے پاس فوج بھی نہیں لیکن، ہتھیاروں اور فوج کی ضرورت تو میدانِ جنگ میں ہوتی ہے جبکہ یہ مسئلہ عالمی پلیٹ فارم پر بغیر جنگ کے بھی تو حل کیا جاسکتا تھا۔ یہ بھی ممکن تھا کہ سعودی عرب امریکہ کو پکارنے کے بجائے اُمتِ مسلمہ کو آواز دیتا اور اُمت کے تمام سربراہ عراق کویت سرحد پر جمع ہو جاتے اور عالم اسلام کے تمام رہنما دونوں مسلم ممالک کے تنازع کا ختم کروانے اور فریقین میں صلح کروانے کے لیے اُٹھ کھڑے ہوتے۔ یہی قرآن کا حکم بھی ہے کہ دو مسلمان آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کروادو۔

چنانچہ یہ ذمہ داری اُمتِ مسلمہ پر عائد ہوتی تھی کہ وہ مسلم ممالک کے درمیان دیوار بن کر کھڑی ہو جاتی لیکن اُمت اپنا یہ کردار ادا نہ کر سکی آٹھ سال تک دو مسلم ممالک آپس میں دست و گریبان رہے اس دوران بھی مسلم ممالک کی کارکردگی صفر رہی بلکہ سعودی عرب جیسا اہم اسلامی ملک اپنے ذاتی مفادات کی خاطر اس جنگ کی حوصلہ افزائی کرتا رہا۔

صدام حسین نے ایران پر حملہ کرنے سے پہلے مرحوم شاہ خالد سے ملاقات کی تھی اور ان کی طرف سے سبز روشنی کے بعد ہی انہوں نے یہ غلط اور تباہ کن قدم اُٹھایا تھا جس کے نتیجے میں برسوں یہ دونوں مسلمان ملک ایک دوسرے کو تباہ و برباد کرتے رہے۔(۱۳)

سعودی عرب آٹھ سال تک جس ملک کی پالیسیوں پر متفق رہا اور اس کو سپورٹ کرتا رہا اُصولاً اس کے دیوالیہ ہو جانے کے بعد بھی اس کی مدد و رہنمائی کرنی چاہیے تھی، اسے چاہیے تھا کہ عراق کویت

کی کوشش کرتا لیکن کویت کی جانب سے جو غلط اقدامات ہو رہے تھے انہیں روکنے کے لیے بھی سعودی عرب کوئی کردار ادا نہ کر سکا۔

پروفیسر محمد منور مرزا کے بقول:

> ''شاہد کویت پہلے گمراہ ہوا، امریکی انگیخت پر کویت نے بار بار تیل ضرورت سے زیادہ اور تیل نکالنے والے ممالک کی نسبت تناسب سے زیادہ نکالا۔ اس کے باعث عالمی منڈیوں میں تیل کی قیمت بار بار گری، عراق کو یہ نقصان بہت زیادہ محسوس ہوتا اس لیے کہ وہ لمبی جنگ لڑ چکا تھا۔''(۱۴)

پروفیسر کا کہنا ہے کہ:

> ''عراق نے جو طویل جنگ لڑی اس میں صرف عراق کے مفادات نہیں تھے بلکہ بالواسطہ کویت و سعودی عرب کے تحفظات بھی موجود تھے۔ سچ یہ ہے کہ عراق نے جو جنگ ایران سے لڑی تھی وہ بالواسطہ کویت اور سعودی عرب کے تحفظ کی جنگ بھی تھی ورنہ یہ دونوں ملک اتنا زرکثیر عراق کو نہ مہیا کرتے۔''(۱۵)

اس جنگ کے اختتام تک صدام حسین کی شہرت منفی رُخ اختیار کر چکی تھی اور وہ پورے علاقے میں ہدفِ تنقید بن رہا تھا۔ عراق کے قرض ۱۰۰ بلین ڈالر تک پہنچ چکے تھے اور ملک کی تعمیر نو کے لیے فنڈز میسّر نہ تھے، تمام انفراسٹرکچر تباہ ہونے کے باعث اخراجات میں کئی گنا اضافہ ہو چکا تھا صرف غذا و خوراک کی درآمد پر تین بلین ڈالر اُٹھ رہے تھے اور آمدن کا واحد ذریعہ تیل ہی رہ گیا تھا جس سے اب ۱۲، ۱۳ ارب ڈالر آمدن ہی حاصل ہو پا رہی تھی اور ملک چلانے کے لیے اس آمدن سے ہٹ کر ۷ ارب ڈالر سالانہ قرض لینا پڑ رہا تھا۔ ان حالات میں عراق خود کو معاشی طور پر زندہ رکھنے کی آخری جدوجہد میں

نہ دی بلکہ کویت نے تیل کی مقدار بڑھا دی جس سے عالمی منڈی میں تیل کی قیمت گر گئی اس کے منفی اثرات عراق کی معیشت پر پڑنے شروع ہو گئے کیونکہ تیل کے ایک بیرل کی قیمت ایک ڈالر کم ہونے سے عراق سالانہ ایک عرب ڈالر سے محروم ہو رہا تھا اور ظاہر ہے یہ جنگ کے ہاتھوں تباہ حال ملک کے لیے خطرناک صورتِ حال تھی۔

فروری ۱۹۹۰ء کو کویت اور عرب امارات نے فوراً ہی بغیر کسی پیشگی اطلاع کے ۱۱ ڈالر فی بیرل کے حساب سے تیل سپلائی کرنا شروع کر دیا۔ 8 فروری 1991ء کے روزنامہ Dawn میں اس بابت لکھا ہے:

This meant a reduction of several billion dollars in Iraq's income at a time when the country was under the very heavy economic burden left by the cost of war. (16)

جو ممالک اپنے مفادات کی تکمیل تک مسلسل عراق کی حوصلہ افزائی کرتے رہے ان پر ذمہ داری عائد ہوتی تھی کہ اس کی بحالی میں بھی اپنی طرف سے بھرپور تعاون اور لچک کا مظاہرہ کرتے۔ گویا مجموعی طور پر عربوں کی منفی اور غیر دانشمندانہ پالیسی تھی جو خطے میں اضطراب کا باعث بنی اور دوسری طاقتوں کو یہاں آنے کا موقع ملا۔

جہاں تک عراق کا تعلق ہے تو اس نے ایک جانب کویت پر غاصبانہ قبضہ کرتے ہی مسلسل یہ اعلان کیا کہ کویت عراق کا ہی ایک حصہ ہے جسے سازش کے تحت الگ کر دیا گیا تھا لہٰذا وہ اب اس سے قطعاً بے دخل نہ ہوگا اس کے ساتھ ہی رائے عامہ کو ہموار کرنے کے لیے عراقی صدر نے اسرائیل فلسطین مسئلہ کو بھی اس مسئلہ میں شامل کر دیا اور اعلان کیا کہ اب جو بھی بات چیت ہوگی اس میں اسرائیل کی جارحیت ختم کرنے کا فیصلہ بھی ہوگا۔ حالانکہ کویت کے ساتھ مسئلہ فلسطین یکجا کرنے کا بظاہر کوئی جواز نہیں بنتا تھا کیونکہ یہ مسئلہ کویت کا پیدا کردہ تو نہیں تھا بلکہ کویت تو فلسطینیوں کی مدد کرتا رہا ہے اور نہ ہی حملہ سے قبل عراق نے اس قسم کی کوئی شرط رکھی تھی اور اگر وہ ایسا کرتا بھی تو یہ قطعی غیر منطقی دلیل گردانی جاتی۔ مسئلہ فلسطین حل نہ ہونے کا بڑا سبب بھی عربوں کا عدم اتحاد ہی تھا اگر عرب یک جان ہو کر ایک پلیٹ فارم پر جمع

عراق نے مسئلہ فلسطین کا راگ الاپنا شروع کر دیا اور جمال عبدالناصر کا لہجہ اختیار کرتے ہوئے عوام کے سامنے جوشیلی تقاریر شروع کر دیں کہ اب ہم جدید کیمیائی ہتھیاروں سے لیس ہو چکے ہیں للہذا اسرائیل کو نیست ونابود کر کے رکھ دیں گے۔

'I swear to God that we should burn half of Israel if it tries to wage every thing against Israel. (17)

صدام حسین عربوں میں جذبہ قومیت جگا کر خود اس کی لہروں پر سوار ہو کر ان کے قائد بن جانا چاہتے تھے دوسری جانب بیشتر مسلم ممالک میں خلیجی جنگ کو اسلام اور کفر کی جنگ قرار دیا جانے لگا حالانکہ اس جنگ کا آغاز دو مسلم ممالک کے ٹکراؤ سے ہوا تھا اور یہ تمام تر مادّی اور معاشی مفادات کی جنگ تھی جس میں دین ومذہب کا کوئی عمل دخل ہی نہ تھا۔

خلیجی جنگ کے دوران ایک اسکالر یوں رقمطراز ہے:

The fact is that this is basically a war between Muslim countries a fratricidal inter Arab Muslim war. (18)

فلسطین سے کسی کو لگاؤ تھا، نہ کویت سے ہمدردی اور نہ ہی کسی مذہبی جذبے کا کوئی عمل دخل پایا جاتا تھا یہ سب کے اپنے اپنے مفادات تھے جن کو ہر کوئی اپنے انداز میں حاصل کرنے کی جدوجہد میں مشغول تھا۔ گوکہ بعض حلقوں نے صدام حسین کو صلاح الدین ایوبی کا لقب تک دے دیا اور اس جنگ کو اسلام وکفر کی جنگ کہا۔ جب کہ صدام حسین ایک ایسی مشہور سیاسی پارٹی کے لیڈر تھے جو مذہب کو سیاست میں مخل نہیں کرتی۔

بقول رضوان علی ندوی:

''وہ اپنے منشور کے مطابق ایک لادین سوشلسٹ پارٹی ہے یعنی ''حزب البعث العربی الاشتراکی'' جو ۱۹۴۳ء میں دمشق میں ایک عیسائی اسکول ماسٹر میشیل نے قائم کی تھی۔''(۱۹)

ہمدردیاں حاصل کی جائیں اور اسے پروپیگنڈہ کا ایک ذریعہ بنایا جائے۔

Religion is no more important enough for the Christians to wage war .neither it is for the Muslim but the Muslim rulers still prefer to use the name of Islam to benefit from the religion's immense appeal with the Muslim masse (20)

تیسری اہم قابلِ غور بات امریکہ اور اتحادیوں کا کردار ہے اور ان کی بابت بھی سوال یہی سامنے آتا ہے کہ کیا اتحادیوں کے پاس جنگ کے علاوہ اس مسئلے کا کوئی حل نہ تھا اور کیا کویت کی آزادی کے لیے لاکھوں انسانوں کی ہلاکت ناگزیر تھی، جب کہ بروقت مداخلت کی صورت میں بغیر جنگ کے بھی مسئلہ حل ہوسکتا تھا۔صدام حسین کے ارادوں کا سگنل کئی ہفتے بلکہ مہینے قبل مل چکا تھا اس کے باوجود تمام عالم خاموش کیوں رہا؟ امریکہ نے معاملہ بگڑنے سے قبل مداخلت کیوں نہیں کی، جبکہ حملہ سے قبل صدام حسین نے کویت سے اپنے مطالبات امریکہ کے ذریعہ ہی منوانے کی کوشش کی تھی، جس کا درحقیقت یہی مقصد تھا کہ وہ امریکہ کا ردّعمل جان سکے۔ ان مذاکرات کے بعد بھی صدام حسین کی توجہ اس جانب رہی کہ آیا کویت پر حملہ کی صورت میں واشنگٹن سے کس قسم کا ردّعمل سامنے آسکتا ہے۔ بلکہ صدام نے تیل کے معاملے میں امریکہ کو یقین دہانی کرواتے ہوئے عراق کویت معاملہ میں غیر جانب دار رہنے کی تلقین بھی کی بی بی سی لندن نے جنگ سے قبل عراق امریکہ تعلقات کی وضاحت یوں کی ہے:

"October 1989, President George w. bush signed secret National security Directive 26, which begins friendly states in the area is vital to U.S National security." (21)

۱۷ جولائی کو یوم انقلاب کے موقع پر صدام حسین نے واضح اعلان کیا کہ عراق کے پاس وافر مقدار میں اسلحہ جمع ہو چکا ہے لہٰذا اب عرب ممالک پر حملہ کی کوئی جرأت نہ کر سکے گا ساتھ ہی کویت اور امارات کو ہدف تنقید بنایا اور انہیں استعماری اور صہیونی طاقتوں کا ایجنٹ قرار دیا۔اس تقریر سے ایک دن

ارزاں نرخوں فروخت کرنے کا الزام بھی عائد کیا تھا۔عرب لیگ کو پیش کی جانے والی یادداشت اس بات کی غمازی کرنے کے لیے کافی تھی کہ صدام کا اگلا قدم کیا ہو گا عالمی طاقتوں کو وہیں سے اپنی سفارتی کوششیں شروع کر دینی چاہیں تھیں برعکس اس کے اقوام عالم آنکھیں بند کیے خاموش بیٹھی رہیں۔جولائی کے آخر میں جب آخری مذاکرات شروع ہوئے تو عراق اپنی افواج کویتی سرحدوں پر متعین کر چکا تھا اور یہ بات امریکہ کے علم میں تھی، ۲۴ جولائی کو افواج کویتی سرحدوں کی جانب بڑھنا شروع ہو گئیں تھی اور ۲۵ جولائی کو امریکی سفیر April Glaspie کی صدر صدام سے خفیہ میٹنگ طے پائی جس میں امریکی سفیر نے تسلیم کیا کہ عراق کی پوزیشن کے پیشِ نظر تیل کی قیمتوں میں اضافہ ضروری ہے نیز انہوں نے اس بات کا بھی اقرار کیا کہ امریکہ عراق سے بہتر تعلقات کا خواہ ہے۔

Normal relations between the United States and Iraq would sever our larger term interests and promote stability in both Persian Gulf and Middle East. (22)

امریکی سفیر نے عراق کو یقین دہانی کروئی کہ کویت کے سرحدی تنازع میں امریکہ بالکل غیر جانبدار رہے گا انہوں نے کہا:

We have no opinion on the Arab Arab conflicts like your border disagreement with Kuwait. (23)

امریکی سفیر نے صدر کو مشورہ دیا کہ آپ اس مسئلہ کو عرب لیگ کے جنرل سیکریٹری یا پھر صدر حسنی مبارک کے ذریعے حل کروائیں تو زیادہ مناسب ہوگا یہ بات ان کے علم میں تھی کہ ایک روز پہلے ہی صدر حسن مبارک بغداد پہنچے تھے لیکن انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ اکتوبر ۸۹ء کو عراق نے کویت کی سرحد کے ساتھ ۳۰۰ میل لمبی سڑک بنائی تھی اور ساتھ ہی تیزی سے اپنے ٹینک کویتی سرحدوں کی جانب بڑھانا شروع کر دیے تھے۔

امریکی سفیر سے ملاقات کے بعد صدر صدام مطمئن ہو گئے بلکہ جدہ میٹنگ کے بعد جب عراق

خطرہ دکھائی نہ دے رہا تھا کیونکہ اوپیک سے تعاون نہ کرنے اور انیس فیصد زیادہ تیل نکالنے کی بناء پر عرب ممالک تو کویت سے خائف ہی تھے اور دیگر ممالک کی جانب سے کوئی ممکنہ خطرہ نہ تھا اور امریکہ کی جانب سے تو گرین سگنل مل ہی چکا تھا لہٰذا عراق آنکھیں بند کر کہ حملہ آور ہو گیا۔

Many believes that Saddam`s expectations may have been influenced by a perception that the US was not interested in the issue. (24)

امریکہ نے آگاہی کے باوجود تمام معاملات سے دانستہ پہلو تہی اختیار کی اور غیر جانبداری کا مظاہرہ کرتا رہا لیکن کویت پر قبضہ ہوتے ہی براہِ راست مخل ہو کر جوابی کاروائی کر ڈالی حالانکہ ۱۹۶۷ء میں جب اسرائیل نے اردن، شام اور مصر کے بعض علاقوں پر قبضہ کر لیا تھا اور آج تک ان بیشتر علاقوں پر قابض ہے مگر وہاں امریکہ حرکت میں آیا اور نہ یورپی افواج ہی اسرائیل کے خلاف جمع ہو سکیں اور نہ ہی اسرائیل کے خلاف کسی قسم کا ایکشن لیا گیا۔

No one called for an invasion when genpinoched involved Chile, No one asked even for economic sanctions against the stream of evil Guatemalan years with American support. (25)

کویت پر قبضہ کے بعد صدام کو ڈکٹیٹر قرار دیتے ہوئے اس پر حیاتیاتی اور کیمیائی ہتھیاروں کا الزام عائد کرتے ہوئے امریکہ نے عالمی طاقتوں کو اپنے ساتھ شامل کیا اور عراق پر جوابی حملہ کر ڈالا اور یہی عراق کچھ ہی عرصہ قبل اپنے کیمیائی ہتھیار ایران کے خلاف استعمال کر رکھا تھا تو نہ صرف امریکہ بلکہ اقوام عالم نے اپنی آنکھیں بند کر رکھی تھیں بلکہ اس دوران امریکہ اسی ڈکٹیٹر کو ہتھیار فراہم کرتا رہا ہے۔

From 1983 to 1990, the US government approved around $200million in Arms sales to Iraq, according to the stock International and peace Institute(SIPR).(26)

آواز بلند ہوئی عرب دنیا میں امریکی پالیسی کی مخالفت میں عوامی قوت اُبھرنا شروع ہوگئی۔ واشنگٹن نے محض تیسری دنیا کے آمر کی جارحیت کو روکنے کی خاطر اس قدر کثیر فوج عراق میں متعین نہیں کی بلکہ اس خطے میں دنیا کی واحد سپر پاور کے اپنے مفادات تھے جنہیں حاصل کرنے کے لیے اس نے یہ قدم اُٹھایا۔ اتحادی اپنی افواج کو خلیج روانہ کرنے پر ہرگز آمادہ نہ ہوتے اگر تیل کا مسئلہ درمیان میں نہ ہوتا، یہ تیل ہی تھا جس کی خاطر امریکہ نے سعودی عرب سے خصوصی تعلقات قائم کر رکھے تھے برطانیہ کے مفاد بھی عمان اور خلیج کی دوسری چھوٹی چھوٹی ریاستوں سے وابستہ تھے اس لیے وہ بھی امریکہ کے شانہ بشانہ اُٹھ کھڑا ہوا۔ امریکہ کہ آبادی کل دنیا کی آبادی کا صرف دو فیصد ہے مگر وہ تیل کے ذخائر کا پچپن فیصد استعمال کرتا ہے اسی سے ثابت ہوتا ہے کہ اس سپر پاور کا تیل پر کس قدر انحصار ہے لہٰذا تیل پیدا کرنے والے ممالک میں اس کی دلچسپیاں بھی پوشیدہ بات نہیں۔

America and west know fully that withdrawal from the Gulf would mean almost complete cut off of their oil-life line. (27)

گویا یہ صرف مادّی فوائد اور آسائشات تھیں جو دونوں جانب سے لاکھوں افراد کی تباہی کا سبب بنیں۔

It is a pure simple and a struggle for the control of oil resources of middle East. (28)

امریکی سیکریٹری آف سٹیٹ جیمز بیکر نے خلیجی جنگ کی بنیاد کی بابت بیان دیا تھا کی اس کی وجہ ہے ''جابز، جابز، جابز'' بعد میں جب ان سے پوچھا گیا کہ اس سے آپ کی کیا مراد ہے تو انہوں نے جواب دیا۔

"The fact of the matter is it would have boiled down to jobs if Saddam Hussein had been able to control the flow of oil from the Persian Gulf or to, by controlling his own oil and Kuwaiti's oil, act in a way to influence prices." (29)

Secretary Baker was really saying that the reason for the war was "oil, oil, oil."(30)

The Gulf war and new world order میں لکھا ہے:

خلیج کے بحران کا بڑھانے میں امریکہ کی دوہری پالیسی نے اہم کردار ادا کیا ہے۔

The US was infect encouraging both Iraq and Saudi Arabia to raise the price of oil while encouraging Kuwait and UAE to increase production. (31)

اسی طرح عراق کے کویت پر حملہ کا سبب بھی تیل ہی تھا لیکن اس کا اعلان نہیں کیا گیا حملہ کرنے سے قبل صدام نے شبہ کی گنجائش نہیں چھوڑی تھی کہ وہ عالمی منڈی میں تیل کی قیمت اس قدر بڑھانا چاہتا ہے کہ اس کا ملک دیوالیہ ہونے سے بچ جائے بلکہ وہ بار بار یہی کہتا رہا کہ کویت اپنے مقررہ کوٹے سے زائد تیل نکال رہا ہے جس کے نتیجے میں تیل کی قیمت گر رہی ہے۔ صدام نے اس صورتِ حال سے نمٹنے کی خاطر کویت پر حملہ تو کر دیا لیکن اپنے مقصد کے حصول میں اسے بُری طرح ناکامی ہوئی اور صدام کو فوجی محاذ پر شکست کے علاوہ معاشی محاذ پر بھی شکست کا سامنا کرنا پڑا۔

غرض یہ کہ تیل کی سیاست کو اس پورے بحران میں مرکزی حیثیت رہی ہے اگر چہ بڑی تباہی کے بعد عراق حکومت ہتھیار ڈالنے پر مجبور تو ہو گیا لیکن یہ کوئی فیصلہ کن اقدام نہ تھا جس سے ثابت یہی ہوتا ہے کہ آج کی جنگیں فیصلہ کن نہیں ہوتیں صرف تباہی و بربادی لاتی ہیں، اس صدی کی جنگیں اب تک لاکھوں انسانوں کو نگل چکی ہیں مگر مسئلے کا کوئی پائیدار حل دینے میں ناکام رہی ہیں۔

خلیجی جنگ کے خطے پر اثرات

عراق ابھی ایران کے ساتھ لڑی جنگ کے اثرات سے ہی نہیں نکلا تھا کہ ایک اور زبردست جنگ نے خطے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا جس نے عراق کو بے پناہ جانی اور مالی نقصان سے دوچار کیا تقریباً ۵۰،۰۰۰ سے ۱۰۰،۰۰۰ تک ماری جانے والی فوج کے ساتھ تقریباً ۹۰۰۰ گھر مکمل تباہ ہو گئے جن میں بے

The civilian death toll in 1991after the massive bombing campaign was stopped rose to 11,000 people. Shortages of medicine and damaged health facilities contributed to this high rate of"delayed mortality."(32)

ان ۱۱،۰۰۰ اموات میں سے ۷۰،۰۰۰ پندرہ سال سے کم عمر بچے تھے اور یہ تمام اموات عراق کے مختلف شہروں میں گرائے جانے والے تباہ کن بموں اور اس کے نتیجے میں پھیلنے والی بیماریوں کے باعث واقع ہوئیں۔

جنگ اور اس کے بعد اقوامِ متحدہ کی جانب سے عائد کردہ پابندیوں کے باعث عراق میں پانچ سال کی عمر تک کے بچوں کی شرح اموات میں تیزی سے اضافہ ہوا ہے جنوری ۱۹۹۱ء سے اگست ۱۹۹۱ء تک کل ۶۴،۹۰۰ بچوں کی اموات واقع ہو چکی تھیں۔

We estimate that an excess of more that 46,900 children died between January and August 1991. (33)

یونیسف نے ۱۹۹۹ء میں رپورٹ پیش کی کہ عراق میں اب تک ان پابندیوں کے باعث ۵۰۰،۰۰۰ زائد بچوں کی اموات واقع ہو چکی ہیں۔

An additional half a million children died between 1991 and 1998 compared to the case if mortality rates had continued to decline on the same trend as in the 1980(34)

خواتین میں بھی اموات کی شرح میں تیزی سے اضافہ ہوا ہے اور ۷۰ فیصد خواتین انیمیا میں مبتلا ہو چکی ہیں اور نصف سے زائد آبادی پینے کے صاف پانی سے محروم ہو گئی جس کے باعث پھیلنے والی مختلف بیماریوں ہیضہ، ملیریا، پولیو اور ہیپاٹائٹس نے عوام کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ ہزاروں افراد عمر بھر کے لیے معذور ہو گئے۔ بے شمار لوگ خصوصاً بچے نفسیاتی بیماریوں میں مبتلا ہو گئے۔

and the postwar intifadah through some combination of sanctions and internal repressions. (35)

خلیج میں لڑی گئی یہ جنگ دراصل ایک الیکٹرونک جنگ تھی جو جنگی ٹیکنالوجی کی بالادستی اور برتری کے ذریعے لڑی گئی ایک طرف امریکہ اور اس کے اتحادی الیکٹرونک آلات کے ذریعے فضا سے عراق کو نشانہ بنا رہے تھے دوسری جانب وہ سمندر سے عراقی افوج کے خلاف کاروائی کر رہے تھے نیز مصنوعی خلائی سیاروں کو فوجی مقاصد کے لیے استعمال کیا گیا یوں عراق کا ہر ٹارگٹ اتحادیوں کی زد میں تھا جبکہ عراقی افواج ہوا میں ہاتھ پاوں چلا رہی تھیں یہی وجہ ہے کہ امریکہ اور اتحادیوں کی اموات اور زخمیوں کی شرح کم ہے۔ڈیپارٹمنٹ آف ڈیفنس کے مطابق کل ۱۴۷ امریکی بیڑے مقابلے میں متاثر ہوئے۔ جن میں ۳۵ فوجی مارے گئے۔

Of them 35 were killed accidentally by friendly fire about 500 additional Americans were wounded. (36)

اتحادیوں کا مجموعی جانی نقصان ہزاروں میں نہیں ہوا:

The coalition suffered about 240 combat deaths, 500 deaths over the course of the entire operation from all causes, and about 1,500 casualties including killed and wounded. (37)

جبکہ عراقی ملٹری اموات ۱۰،۰۰۰ سے ۳۰،۰۰۰ تک بتائی شمار کی گئی ہیں۔

The Gulf War initiated by Saddam "probably caused no more than 10,000 to 30,000 Iraqi military casualties. (38)

خلیج کی جنگ کے نتیجے میں انسانیت کو من حیثیت المجموعی جن آفات کا شکار ہونا پڑا اس کی کوئی حد وانتہا نہیں بالخصوص نہتے شہری جو اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے یا بے گھر ہو گئے نقل مکانی کرنے والوں کی تعداد ریڈ کراس کے مطابق تین لاکھ تک ہے سچ تو یہ ہے کہ اس جنگ نے تیسری دنیا کے مسائل ومشکلات میں کئی گنا اضافہ کیا ہے۔اس جنگ میں استعمال ہونے والے اسلحہ پر آنے والی لاگت کا موازنہ تیسری

ضروریات کی تکمیل ہوسکتی تھی۔

White House officials were quoted on December 31, 2002 as predicting a cost closer to the $61.1 billion spent during the Gulf War of 1990-1991.(38)

ایک تخمینہ کے مطابق جنگ پر کل ۷۵ بلین ڈالر کے اخراجات آئے۔

The expenses of the 1990-1991 Gulf War were touted as "covered" by the US$75 billion in contributions promised by coalition partners.(39)

اس جنگ میں اخراجات کا تمام بوجھ امریکہ پر ہرگز نہیں پڑا بلکہ ۵۳ بلین ڈالر کی ادائیگی عرب اور دیگر اتحادی ممالک نے بھی کی۔ جہاں تک عراق کا تعلق ہے تو وہ پہلے ہی ایران کے ساتھ لڑی گئی طویل جنگ میں اپنی معیشت برباد کرچکا تھا باقی ماندہ معیشت اتحادیوں سے مقابلے میں صرف ہوگئی۔

The total cost to Iraq was $450 billion (in current dollars), which amounts to about eight years of Iraq's GDP at that time (40)

ایک تجزیہ کار عباس الناصروائی کا بیان ہے کہ:

The war destroyed about $230 billion of infrastructure (41)

(1) ***Encyclopedia Birtannica,*** 1996 Vo.l 9, P 139

(2) ***Daily Dawan,*** 8 Feb 1991

(3) Ibid

(۴) ***روزنامہ جنگ***، رضوان علی ندوی ،صدام حسین اور کویت ایک فکری ،تاریخی اور جغرافیائی جائزہ، ۲۰ فروری ۱۹۹۱ء

(۵) ***روزنامہ جنگ***، ۷ فروری ۱۹۹۱ء، ملک الطاف حسین ،خلیجی جنگ میں پاکستانی کرادار پر تنقید، ۲۵ فروری ۱۹۹۱ء

(6) Haim Bresheeth & Nira Yuval- Davis, ***The Gulf War and the new world order*** (London, Zed Book Ltd) 1991, P.53

(7) Amatzia Baram,&Barry Robin, ***Iraq's road to war,*** (Hound mils, Macmillan Press Ltd, 1994) P.6

(8) Amatzia Baram, & Barry Robin, ***Iraq's road to war,*** opcit, P.10

(9) Amatzia Baram, & Barry Robin, ***Iraq's road to war,*** opcit P.23

(۱۰) ***اُردو ڈائجسٹ***، الطاف حسین قریشی ،خلیج میں آنے والی تبدیلیاں، مارچ ۱۹۹۱ء، ص:۳۶

(۱۱) محمد بن علی وہاب ،***کیا جنگ ناگزیر تھی؟***، کراچی، یونائیٹڈ بک کارپوریشن، ۱۹۹۱ء، ص:۶۱

(۱۲) ***روزنامہ جنگ***، ملک الطاف حسین ،محولہ بالا ۷ فروری ۱۹۹۱ء

(۱۳) ***روزنامہ جنگ***، رضوان علی ندوی، محولہ بالا ۲۰ فروری ۱۹۹۱ء

(۱۴) ***ماہنامہ ضیائے حرم***، منور رمز ،***خلیج کی صورتِ حال***، لاہور، فروری ۱۹۹۱ء ص:۱۸

(۱۵) ایضاً

(16) ***Daily Dawn,***Feb 8,1991

1991

(۱۹) *روزنامہ جنگ*، رضوان علی ندوی، ۲۰ فروری ۱۹۹۱ء

(20) ***Daily Dawn***,Zia-ul-Islam 13 Feb 1991

(21) ***www.news.bbc.co.uk***

(22) ***www.news.bbc.co.uk***

(23) ***The New York Time,*** 23 Sep 1991

(24) www.gulfwar.com ***,"Wikipedia, the free Encyclopedia"***

(25) ***The Nation,*** 13 Feb 1991

(26) ***www.gulfwar.com***

(27) ***DailyDawn*** ,Zia-ul-Islam,13 Feb 1991

(28) Ibid

(29) ***www.pbs.org "BBC 'Oral History'*** January 1996"

(30) Ibid

(31) Haim Bresheeth & Nira Yuval, ***The Gulf war and new world order,*** opcit P.58

(32) www.ippnw.org.***International Physicians for the Prevention of Nuclear War***, "The Human Costs of the Gulf War",

(33) ***New England Journal of Medicine***, Ascherio A., Chase R., Cote ***"Effect of the Gulf War on Infant and Child Mortality in Iraq",***September, 1992, Vol.327, P.931

(34) ***UNICEF,***www.unicef.org ,***"Iraq surveys show 'humanitarian emergency"*** 12 Aug 1999,

(35) Pollack, Kenneth M ,***The Threatening Storm :The Case for invading Iraq(***New York, Random House)2002. P.138-139

(37) Lawrence Freedmana and Efraim Karsh, ***The Gulf Conflict, 1990-1991, Diplomacy and war in the New World order*** (Princetn, N.J Princeton Unversity Press)1993, P.409

(38) Pollack, Kenneth M. ***The Threatening Storm*: *The Case for Invadg Iraq,*** (New York:Random House) 2002. P.139

(39) Schubert, Frank N. and Theresa L. Kraus (Ed.) ***The Whirlwind War, The United States Army in Operations Desert Shield and Desert Storm.*** (Washington: Center of Military History), 2000.175

(40) Kamran Mofid, ***The Economic Consequences of the Gulf War,*** (London :Routledge) 1990 ,p 88

(41) Abbas Alnasrawi, ***The Economy of Iraq,*** (Westport, CT:Greenwood Press) 1994 p 55

باب ششم

افغانستان و عراق پر امریکی حملے

افغانستان اور عراق پر امریکی حملے

افغانستان جنگ۔پسِ منظر

اس جنگ کی بنیاد ۱۱ستمبر ۲۰۰۱ء کو امریکہ کے ورلڈ ٹریڈ سنٹر اور پینٹا گون پر نامعلوم افراد کے حملوں کے بعد پڑی۔ امریکی انتظامیہ کے مطابق اندرونِ ملک پرواز پر محیط چار ائیر کرافٹ اغوا کر دیے گئے تھے جن میں سے دو نیو یارک کی بلند ترین عمارت ورلڈ ٹریڈ سنٹر کے جڑواں ٹاور سے ٹکرائے اس عمارت کے اندر چالیس ہزار تک شہری کام کرتے ہیں۔ چند لمحوں کے بعد تیسرا جہاز امریکہ کی سطوت و جبروت کی مظہر پینٹا گون کی عمارت سے ٹکرایا جس سے یہ پوری عمارت شعلوں کی لپیٹ میں آ گئی، یہ عمارت ٹیکنالوجی کی مدد سے دنیا کے کونے کونے میں ہونے والی ہر حرکت کو کنٹرول کرنے کا زعم رکھتی تھی۔ عمارت کے اندر چوبیس ہزار ماہرین اور کارکن مصروفِ عمل تھے۔ حملوں کے نتیجے میں دنیا کے ساٹھ یا اسّی ملکوں سے تعلق رکھنے والے تقریباً سات ہزار افراد لقمہ اجل بن گئے۔

The latest estimates of number of deaths from attacks on world trade center vary between 4,620 and 5,756.(1)

اکیسویں صدی کا طاقتور ترین ملک اور دنیا کی واحد سپر پاور ۱۱ستمبر ۲۰۰۱ کو جس ہولناک تباہی سے دوچار ہوا اس سے انسانی تدابیر کے ضعف کا غیر معمولی مظاہرہ ہوتا ہے۔ امریکہ جیسے مستحکم ملک کے طاقتور ادارے اور اعلیٰ تربیت یافتہ ماہرین قبل از وقت اس واقعے کی معلومات لینے اور بروقت تدراک کرنے میں ناکام رہے حالانکہ امریکہ میں دہشت گردی کی روک تھام کے لیے خصوصی شعبے قائم ہیں جن پر لاکھوں ڈالر سالانہ خرچ کیے جاتے ہیں۔

ان حملوں کے بعد نہ صرف امریکہ میں بلکہ پوری دنیا میں شدید بے چینی اور افراتفری کی کیفیت

بھی اختلافات سامنے آنے لگے، اس سلسلے میں ہفتہ وار رسالے CQWeekly میں مختلف رپورٹیں آتی رہی ہیں۔

Some members expressed frustration at the lack of information from the bush administration and intelligence agencies.Some spoke of a failure of American intelligence and demanded accounting. (2)

اس بڑھتی ہوئی گھمبیر صورتِ حال کے پیشِ نظر حادثے کے فوراً بعد ہی بغیر کسی واضح تحقیق کے امریکی صدر نے ان حملوں کا ذمہ دار القائدہ کے رہنما اسامہ بن لادن کو ٹھہراتے ہوئے عوام کو اس کے خلاف کاروائی کی یقین دہانی کروائی۔ امریکی صدر نے دعویٰ کیا کہ القائدہ کے خلاف شواہد مل چکے ہیں لیکن ان شواہد کو ظاہر کرنا مصلحت کے خلاف قرار دیا۔ لہٰذا یہ ثبوت کہاں کہاں سے موصول ہوئے اور اس سلسلے میں کس نوعیت کی تحقیقات کی گئی ہیں اس بات کو صیغہ راز میں رکھتے ہوئے القائدہ اور اسامہ بن لادن کے خلاف جوابی کاروائی کی تیاریاں شروع کر دی گئیں۔ جلد ہی امریکی حکومت نے دہشت گردی کے خلاف ایک قومی کمیشن تشکیل دیا جو ۹/۱۱ کمیشن کہلایا۔

It released its report on july 22,2004, concluding the attacks were conceived and implemented by members of Al. Qaeda. (3)

امریکی رپورٹ کے مطابق حملے القائدہ کی جانب سے ہوئے تھے جس کے سرکردہ لیڈر اسامہ بن لادن افغانستان میں مقیم تھے اور وہاں کی طالبان حکومت نے اسامہ کا ساتھ نبھایا گویا اسامہ بن لادن کی سرکوبی کے باعث پوری افغان قوم نے سزا بھگتی جو پہلے ہی بیس سال جنگ کی چکی میں پسنے کے بعد نیم بسمل اور زبوں حال تھی۔ چونکہ بش انتظامیہ پر یہ ایک کڑا وقت تھا اور اسے اپنی صدارت اور عوام میں اپنی ساکھ کو قائم رکھنا تھا لہٰذا وہ جلد از جلد کسی کاروائی سے اپنے عوام کو مطمئن کرنا چاہتا تھا۔

Bush`s ability to inspire, console, and mobilize the public-and his skill at conducting the war he has declared on terrorism-now becomes the gauge fo measuring his successas president. (4)

اسامہ بن لادن ۱۹۹۶ سے افغانستان میں طلبان حکومت کے پاس بطورِ مہمان مقیم تھے۔ بش انتظامیہ نے افغانستان کی طالبان حکومت کے سامنے چند دیگر شرائط کے ساتھ ایک بنیادی شرط رکھی کہ اسامہ کو امریکہ کے حوالہ کر دیا جائے بصورت دیگر افغانستان پر حملہ کر دیا جائے گا اور اس غرض کے لیے طالبان حکومت کو ۲۱ ستمبر ۲۰۰۱ کی ڈیڈ لائن دے دی گئی۔ طالبان نے یہ الٹی میٹم مسترد کرتے ہوئے اپنے مہمان کو امریکہ کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا۔

The Taliban rejected the ultimatium on september 21,2001 saying there was no evidence in their possession linking bin Ladin to the Sept 11 attacks. (5)

طالبان کا زور اس بات پر رہا کہ اگر امریکہ محض قیاس آرائی کے بجائے ان حملوں میں اسامہ کی شمولیت کا واضح ثبوت مہیا کرے تو ہم اسامہ کو سپریم کورٹ میں پیش کرنے کے لیے تیار ہیں۔ طالبان حکومت نے براہِ راست امریکہ سے بات چیت سے انکار کرتے ہوئے پاکستانی سفیر عبدالسلیم کے توسط سے اپنا یہ موقف امریکہ کے سامنے پیش کیا کہ:

Our position is that if America has evidence and proof, they should produce it, we are ready for the trial of Osama bin Laden in the light of evidence. (6)

امریکی صدر بش نے طالبان کے موقف کو رد کیا اور کانگرس سے اپنے خطاب میں اس بات کا کھل کر اظہار کیا کہ حملہ آور وہی لوگ ہیں جن کی انتظامیہ نے نشاندہی کی ہے صدر بش نے برملا کہا کہ ہم جانتے ہیں حملہ آور کون ہیں، ان کے محرکات کیا ہیں اور اور کون سی حکومتیں انہیں سپورٹ کر رہی ہیں

پر حملے کو چھ سال گزر جانے کے بعد آج تک ورلڈ ٹریڈ سنٹر کے حملہ آوروں کے بارے میں شکوک وشبہات پائے جاتے ہیں۔

نیوز چینل CNN کے مطابق:

In 2006, it has been reported that the FBI has 'no hard evidence implicating bin Laden in the attacks of september 11th.(7)

تاہم ۲۰۰۴ء میں امریکہ میں صدارتی الیکشن سے کچھ عرصہ پہلے ہی عرب ٹی وی چینل الجزیرہ نے القائدہ کے سربراہ اسامہ کا ایک بیان جاری کیا جس میں انہوں نے حملوں میں القائدہ کی شرکت کا اقرار کیا یہ بیان آڈیو ٹیپ میں ایک ویب سائٹ کو پوسٹ کیا گیا تھا۔ جس میں اسامہ کا اعترافِ جرم بیان کیا گیا ہے۔

Bin Laden said he had personally directed the 19 hijackers(8)

۱۴ستمبر ۲۰۰۱ کو امریکی سینٹ اور کانگرس نے دہشت گردی کے خاتمے کے لیے طاقت کے استعمال کی ایک متفقہ قرارداد پیش کی۔ اس قرارداد کے مطابق بش حکومت کو اختیارات دیے گئے کہ گیارہ ستمبر کے واقعہ میں ملوث تمام افراد، اقوام، حکومتوں اور تنظیموں کے خلاف طاقت کا بھرپور استعمال کرے سینیٹ نے یہ قرارداد ۹۸ ووٹ سے اور ہاوس نے ۱۔۴۲۰ ووٹ سے منظور کی۔

اس قرارداد پر اتفاقِ رائے ہونے کے باوجود جو خدشات پائے جاتے تھے ان کی بابت ہفتہ وار رسالہ CQ weekly نے یوں رپورٹ درج کی ہے کہ:

Discussions behind the scenes about the wording of the resolution also revealed divisions about how to fight an unanticipated war that most lawmakers acknowledged would be a long term, if notpermanent, compaign against a largely faceless and stateless enemy. (9)

ساتھ ہر طرح کے مالی لین دین کے مقاطع کا عام کا علان کر دیا اور عملی طور پر سب سے پہلے اسامہ بن لادن اوران کی تنظیم القائدہ پر یہ قانون لاگو کیا گیا۔

اسامہ بن لادن اور القائد

بن لادن خاندان گزشتہ کئی سالوں سے سعودی عرب کے کنسٹریکشن گروپ میں ایک بڑے نام کے طور پر جانا جاتا ہے۔اسامہ بن لادن وہ شخص ہے جسے بے شمار دولت وجائیداد ورثے میں ملی اور اس نے اس دولت کو افغانستان و روس جنگ کے دوران افغان مجاہدین کی مدد کیلئے بے دریغ خرچ کیا گویا روس کو افغانستان سے باہر نکالنے میں اسامہ بن لادن نے ایک اہم کردار ادا کیا اور اسی سلسلہ میں اسامہ سعودی شاہی خاندان اور سعودی انٹیلی جنیس محکمے سے قریب ہوتا گیا اور ساتھ ہی CIA کے ساتھ اس کے تعلقات قائم ہونا شروع ہوئے کیونکہ CIA کا محکمہ بھی روس مخالف سرگرمیوں میں افغانوں کا حامی تھا اور CIA کی جانب سے بھی افغانوں کو مالی اور ملٹری سپورٹ مہیا کی جارہی تھی۔گو کہ یہ معاملہ اب بحث بن چکا ہے کہ آیا اسامہ اور CIA کے درمیان کبھی کوئی رابطہ رہا ہے اور امریکی اس بات کی نفی کرتے ہیں۔

The Economist کے مطابق:

The extent of the contacts between the CIA and Mr. bin Laden at this time is the subject of some debate, although US officials deny that any privileged relationship existed. (10)

افغان روس جنگ کے دوران اسامہ نے ایک گروہ قائم کیا جسے القائدہ کا نام دیا گیا۔اسلامی مجاہدین پر مشتمل اس گروہ کی سربراہ کے فرائض اسامہ بن لادن نے خود انجام دیے اور دنیا بھر سے مسلمان نوجوانوں کو اس گروپ میں شامل کیا جانے لگا۔

امریکہ اور سعودی عرب کے ساتھ بن لادن کے تعلقات اس وقت کھٹائی میں پڑ گئے جب ۱۹۹۰ء میں عراق کی کویت پر چڑھائی کے وقت سعودی عرب نے امریکہ سے دفاعی خدمات حاصل کرنا

لیے اسلامی فوج تیار کرنے کا مطالبہ شروع کر دیا نیز اس بات پر زور دیا کہ افغانوں پر مشتمل مجاہدین کو بھی عراق کے خلاف جنگ میں شامل کیا جائے جب کہ سعودی شاہ فہد نے اس کے برعکس امریکہ سے مدد طلب کی اور امریکہ کے فوجی سپاہی تقریباً پندرہ لاکھ چالیس ہزار کی تعداد میں سعودی عرب پہنچ گئے اس پر برہم ہو کر اسامہ نے کھلم کھلا شاہی خاندان پر تنقید شروع کر دی اور سعودی علماء سے مطالبہ شروع کر دیا کہ وہ ملک میں غیر مسلموں کی موجودگی کے خلاف شرعی فتوی اور احکامات صادر کریں۔ یوں اسامہ اور سعودی حکومت کے اختلافات کھل کے سامنے آنے لگے۔

۱۹۹۲ء میں اسامہ سوڈان کے لیڈر حسن ترابی کی قیادت میں جاری اسلامی انقلاب کی تحریک میں حصہ لینے کی غرض سے سوڈان منتقل ہو گئے یہاں بھی سعودی شاہی خاندان کے خلاف ان کی مہم جاری رہی۔ اسامہ کی مسلسل نکتہ چینی اور تنقید نے شاہی خاندان کو برہم کر دیا اور ۱۹۹۴ء میں ان کی سعودی شہریت منسوخ کر دی گئی اور ان کے تمام سعودی بینک اکاونٹ منجمند کر دیے گئے۔ اس کے بعد اسامہ نے سوڈان میں ہی مستقل سکونت اختیار کر لی اور یہاں مختلف کمپنیاں، بینک، ایگریکلچر اور کنسٹریکشن فرموں کی تعمیر میں مشغول ہو کر مالی لحاظ سے خود کو مضبوط رکھا۔ سوڈان میں قیام کے دوران ہی اسامہ نے اپنے تعلقات اور دولت کی بناء پر ان افغان جنگجوؤں کو اپنے اِرد گرد اکٹھا کر دیا جو حالات سے انتہائی بے زار تھے اور عراق پر امریکی فتح کے باعث امریکہ اور عرب حکمرانوں سے بھی بدظن تھے۔

اسامہ کی ان سرگرمیوں کے باعث امریکہ اور سعودی عرب نے سوڈان پر دباؤ ڈالنا شروع کر دیا جس کے نتیجے میں اسے سوڈان سے بھی نکال دیا گیا۔

چنانچہ مئی ۱۹۹۶ء میں اسامہ سوڈان سے ایک چارٹرڈ جٹ طیارے میں درجنوں عرب مجاہدین، اپنے باڈی گارڈز، تین بیویوں، اور تیرہ بچوں کے ہمراہ جلال آباد (افغانستان) پہنچ گئے جہاں وہ ستمبر ۱۹۹۶ء میں طالبان کے کابل اور جلال آباد پر قبضے تک مقیم رہے۔ (۱۱)

افغانستان پہنچنے کے بعد اسامہ نے القائدہ اور طالبان سے مل کر باقاعدہ مجاہدین کی ٹریننگ

حاصل تھا اس مدت میں سی آئی اے بھی اسامہ کی سرگرمیوں پر نظر رکھنے کے لیے ایک خصوصی سیل قائم کر چکی تھی۔

اگست ۱۹۹۶ء میں امریکی اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کی ایک رپورٹ کے مطابق اسامہ دنیا بھر میں اسلامی انتہا پسندوں کو مالی امداد فراہم کرنے والے لوگوں میں سرِ فہرست تھے۔ اس رپورٹ کے مطابق اسامہ صومالیہ، مصر، سوڈان، یمن اور افغانستان میں قائم دہشت گردی کے کیمپوں کو مالی امداد فراہم کر رہے تھے۔(۱۲)

۱۹۹۸ء میں القائدہ تنظیم سے تعلق رکھنے والے تمام گروہوں نے بین الاقوامی اسلامی محاذ کے پرچم تلے متحد ہو کر یہودیوں اور عیسائیوں کے خلاف جہاد کا منشور جاری کر دیا جس میں اس بات کو بنیاد بنایا گیا کہ امریکہ اسلام کی مقدس سرزمین پر قابض ہو کر وہاں کے حکمرانوں کو اپنے اشاروں پر نچا رہا ہے اس بات سے وہاں کے عوام ناخوش ہیں اور ذلت کے احساس میں مبتلا ہیں اس اجلاس میں فتویٰ جاری کیا گیا جس کے مطابق ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ امریکیوں کو جہاں پائیں مار ڈالیں۔

۱۹۹۸ء میں کینیا اور اور تنزانیہ میں امریکی سفارت خانے پر بم دھماکے میں ہونے والے دوسو بیس افراد کی ہلاکت کا ذمہ دار بھی اسامہ بن لادن اور القائدہ کو گردانا گیا اس واقعے کے بعد امریکہ نے جلال آباد اور خوست کے اِردگرد واقع اسامہ کے ٹھکانوں پر کروز میزائل برسائے نیز اسی سال امریکہ نے اسامہ کی گرفتاری کے لیے پندرہ ملین ڈالر کا اعلان بھی کیا۔ تاہم اسامہ پر گرفت ممکن نہ ہو سکی یہاں تک کہ ۲۰۰۱ء میں امریکہ میں ورلڈ ٹریڈ سنٹر اور پینٹاگون میں ہونے والے بم دھماکوں کا ذمہ دار بش انتظامیہ کی جانب سے اسامہ اور القائدہ کو ٹھہرایا گیا۔

بی بی سی کی رپورٹ کے مطابق:

On 2 October presented NATO with a dossier of evidence, which was described by the NATO Secretary General, Lord Robertson,as "clear and compelling"(13)

میں کہا کہ:

I want to reiterate that the United States of America can rely on the full support of its 18 NATO Allies in the campaign against terrorism. (14)

۷ اکتوبر ۲۰۰۱ء کو دہشت گردی کے خلاف جنگ کا پہلا ہدف گردانتے ہوئے افغانستان پر حملہ کر دیا گیا۔

افغانستان: جغرافیہ

آج کا افغانستان ۲۵۰،۰۰۰ مربع میل پر مشتمل علاقہ ہے جس میں ۱۵ فیصد زمین قابلِ کاشت ہے یہ ملک معدنیات کی دولت سے مالا مال ہے جس کی دریافت وقت کی منتظر ہے۔ افغانستان کا دارالحکومت کابل ہے جب کہ دیگر اہم شہروں میں قندھار، ہرات، جلال باد، گردیز اور مزار شریف ہیں جو پہاڑی سلسلوں سے گھرے ہوئے ہیں۔ اس کے مشرق میں کوہ ہندوکش، کوہ بابا اور کوہ سفید کے سلسلے واقع ہیں میدانی علاقے سطح سمندر سے چھ ہزار فٹ تک بلند ہیں جو سطح مرتفع کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ملک میں چار بڑے دریا بہتے ہیں۔ افغانستان انتظامی طور پر کابل، قندھار، سیستان، ہرات، ہزارستان، ترکستان، بدخشاں اور نورستان کے صوبوں پر مشتمل ہے۔ کل آبادی تقریباً تیئس اور چھبیس ملین کے درمیان کاونٹ کی جاتی ہے تاہم گزشتہ دو دہائیوں کے دوران ملک میں ہونے والی جنگوں اور ان کے نتیجے میں واقع ہونے والی لاتعداد اموات کے باعث یہاں کی آبادی کا کوئی حتمی فیگر تیار نہ ہوسکا۔ کل آبادی کا ۲۵ فیصد تاجک، ۱۹ فیصد ہزارہ قبائل، ۶ فیصد ازبک جبکہ ۳۸ فیصد پشتون پٹھانوں پر مشتمل ہے۔

ماضی میں یہ ملک مشرق و مغرب کی تجارت کے لیے ایک اہم گزرگاہ گردانا جاتا تھا نیز اس کے پہاڑی سلسلے فتح یاب ہونے والے شہنشاہوں کی افواج کی گزرگاہ کے طور پر استعمال ہوتے رہے ہیں۔ انیسویں صدی میں یہ ملک برصغیر میں موجود برٹش حکومت اور حکومت روس کے درمیان وجہ رقابت بنا رہا۔

ظاہر شاہ کو اس کے بہنوئی داود نے تخت چھوڑنے پر مجبور کر دیا اور ظاہر شاہ افغانستان سے روم منتقل ہو گیا اس کے بعد افغانستان داود کی زیرِ صدارت ایک ریپبلک ریاست کے طور پر سامنے آیا لیکن کچھ ہی عرصہ میں یہاں موجود مختلف قبائل میں اختلافات کے باعث خانہ جنگی کی کیفیت پیدا ہو گئی۔ ۱۹۷۸ء میں سردار داؤد کو خلق گروپ کے سپاہیوں نے قتل کر ڈالا اور اس کی جگہ نور محمد ترکئی حکمران بنا مگر قبائل کے درمیان رسہ کشی جاری رہی جس کے نتیجے میں کچھ ہی عرصہ میں اسے بھی قتل کر دیا گیا اور یوں یکے بعد دیگرے مختلف حکمرانوں کے موت کے گھاٹ اُتر جانے اور مختلف حکومتوں کی تبدیلی کے باعث ملک کا انتظامی ڈھانچہ غیر مستحکم ہوتے ہوتے غیر مؤثر ہو گیا اور اسی دور میں روس نے اپنی حمایت یافتہ حکومت کو بچانے کے لیے افغانستان میں مداخلت شروع کر دی۔

افغانستان پر روسی جارحیت

دسمبر ۱۹۷۹ء کو سابق سویت یونین ایک لاکھ چالیس ہزار فوجیوں کے ساتھ افغانستان پر حملہ آور ہوا اور دس سال تک وہاں قابض رہا اس مدت میں پندرہ لاکھ افغانی موت کے گھاٹ اُتر گئے مزید دس لاکھ جسمانی طور پر معذور ہو گئے اور ۶۰ لاکھ کی آبادی ہجرت پر مجبور ہو گئی۔

An estimated 1.3 million Afghans had been killed and 4.5 million had fleabroad.(15)

افغانستان کے جن سات بڑے مزاحمتی گروپوں نے افغانستان کی کٹھ پتلی حکومت اور روس کی افواج کے خلاف گوریلا جنگ کی انہیں نہ صرف امریکہ اور پاکستان کی حمایت حاصل تھی بلکہ برطانیہ، فرانس اور دیگر ممالک نے بھی ان انقلابیوں کی بھرپور حمایت کی اور انہیں مجاہد قرار دیا ان انقلابیوں کو امریکہ کی جانب سے وافر مقدار میں اسلحہ اور مالی امداد ملتی رہی جس کے بل بوتے پر وہ ۱۹۸۹ء میں سویت افواج کو مکمل طور پر ملک سے نکالنے میں کامیاب ہو گئے۔ روس کے رُخصت ہونے کے بعد سب جہادی جماعتیں افغانستان میں داخل ہو گئیں لیکن ان جہادی تنظیموں کی فوجی حکومت افغانستان میں پائے جانے

گئی اقتدار کی جنگ نے انارکی شکل اختیار کر لی اور ایک مربوط و مرکزی حکومت بنانے کے بجائے یہ جماعتیں آپس میں لڑنا شروع ہو گئیں اور اس لڑائی نے بعض مقامات پر روسیوں سے بھی بڑھ کر خون ریزی اور تباہی پھیلائی۔

جنگ میگزین کی ایک رپورٹ کے مطابق:

> صرف کابل میں ترسٹھ ہزار افراد مارے گئے اور دس لاکھ افراد اس بدامنی میں ترک وطن پر مجبور ہو گئے۔(۱۶)

۱۹۹۴ء کے آخر میں شمال کی جانب سے ایک نئی طاقت طالبان کے نام سے اُبھری اور دیکھتے ہی دیکھتے افغانستان کے نوے فیصد علاقے پر قبضہ کر کے اپنی حکومت قائم کر لی انہوں نے ملک سے تشدد، کرپشن اور فحاشی وغیرہ ختم کرنے کا دعویٰ کیا مگر شمالی اتحاد اور طالبان کے درمیان نہ ختم ہونے والا خانہ جنگی کا سلسلہ شروع ہو گیا یہاں تک کہ اسامہ بن لادن کے افغانستان میں داخل ہونے سے دہشت گردی کی فہرست میں اس ملک کا نام بھی شامل ہو گیا اور ۱۱ستمبر کے واقعے کے بعد جب امریکہ نے طالبان سے اسامہ کا مطالبہ کیا تو انہوں نے انکار کر دیا جس کے نتیجہ میں ایک بار پھر یہ ملک ایک بڑی جنگ کی لپیٹ میں آ گیا۔

افغانستان پر امریکی حملہ

۱۱ستمبر ۲۰۰۱ء کے حملوں کے بعد اقوام متحدہ کی سیکریٹری کونسل نے قرارداد ۱۳۶۸[۱۳] پیش کی جس میں دہشت گردی کے خلاف کاروائی کا اعادہ کیا گیا اس قرارداد کی بنیاد پر بش انتظامیہ نے بین الاقوامی دہشت گردی کے خلاف ایک طویل المیعاد مُہم شروع کرنے کا ارادہ ظاہر کیا اس سلسلے میں صدر بش نے اپنے عوام کو مطمئن کرنے اور عالمی رائے عامہ کو ہموار کرنے کے لیے خطابات شروع کر دیے ۱۵ستمبر ۲۰۰۱ء کو اپنے خطاب میں صدر بش نے کہا۔

kind of enemy. This is a conflict without battlefields or beachheads, a conflict with opponents who believe they are invisible. Yet, they are mistaken. They will be exposed, and they will discover what others in the past have learned: Those who make war against the United States have chosen their own destruction. Victory against terrorisf will not take place in a single battle, but in a series of decisive actions against terrorist organization and those who har bour and support them.(17)

۲۰ ستمبر کو کانگرس سے اپنے خطاب میں انہوں نے کہا:

We are planning a broad and sustained campaign to secure our country and eradicate the evil of terrorism. And we are determined to see this conflictthrough Americans of every faith and background are committed to this goal.(18)

صدر بش نے اعلان کیا کہ دہشت گردی کے خلاف یہ جنگ صرف القائدہ تک ہی محدود نہیں رہی ہے بلکہ اس وقت تک جاری رہے گی جب تک کہ آخری دہشت گرد کا خاتمہ نہیں ہو جاتا۔

Our war on terror begins with al-Qaeda, but it does not end there. It will not end until every terrorist group of global reach has been found, stopped and defeated.(19)

اپنے اس مشن کو عملی جامع پہنانے کے لیے بش انتظامیہ نے ۱۷ اکتوبر شام ساڑھے آٹھ بجے افغانستان پر پہلا ہوئی حملہ کیا تمام رات امریکی، برطانوی اور نیٹو کی افواج نے قندھار شہر پر بمباری شروع کی اور اس آپریشن کو Operation Enduring freedom کا نام دیا گیا۔ طالبان حکومت کے پاس امریکہ کے جدید ہتھیاروں کا مقابلہ کرنے کے لیے نہ ہتھیار موجود تھے اور نہ جدید ٹیکنالوجی لہٰذا وہ صرف ایک ماہ تک ہی اس آتش آہن کا مقابلہ کر سکے اور ۱۸ نومبر ۲۰۰۱ء کو طالبان افواج دم توڑ گئیں۔

جس کے تصرف میں دنیا کے ۸۰ فیصد وسائل ہیں اور دوسری جانب ۲۸ سال کی خانہ جنگیوں سے تباہ حال غریب ترین ملک، اتنے واضح عدمِ توازن کے بعد معجزانہ نتائج کی اُمید رکھنا محض خام خیالی ہی ہوسکتی ہے بلکہ اس جنگ کا تو آج تک کوئی نتیجہ ہی برآمد نہ ہوسکا کیونکہ اوّل تو یہ جنگ ہی نہیں بلکہ یکطرفہ حملہ تھا جسے فریقِ ثانی کا سامنا ہی نہیں کرنا پڑا، صرف ۳۶ دن کے مقابلہ کے بعد دشمن ہی روپوش ہوگیا لہٰذا اب میدان میں دشمن ہی موجود نہیں جس پر فتح وشکست کا فیصلہ ہوسکے۔

اس میں شک نہیں کہ جنگیں جذبے سے جیتی جاتی ہیں لیکن جنگ میں ہتھیاروں کی اہمیت مسلمہ ہے خصوصاً دورِ جدید میں جذبوں کو اگر بارود کی طاقت عطا کردی جائے تو جنگوں کے نتیجے تبدیل ہو جایا کرتے ہیں۔ گو کہ افغانوں نے پہلے بھی ایک سپر پاور سے مقابلہ کرتے ہوئے گوریلا جنگ کا شاندار مظاہرہ کیا اور فتح حاصل کی لیکن یہ ایک ٹھوس حقیقت ہے کہ سپر پاور سے ٹکراؤ میں اسے دوسری سپر پاور کی نہ صرف حمایت بلکہ فوجی اور، مالی مدد بھی حاصل رہی اگر ایسا نہیں ہوتا تو عین ممکن ہے وہاں بھی نتائج مختلف ہوتے کیونکہ جنگ میں کامیابی کے لیے پلاننگ، طویل اور محتاط حکمت عملی، منصوبہ بندی کے ساتھ ساتھ سامانِ جنگ بھی درکار ہوتا ہے جبکہ اس جنگ میں افغانوں کا زادِ راہ صرف مہمان عرب مجاہد کی قیادت، بوسیدہ ہتھیار، بھوک، عالم اسلام کی ہمدردی کے دو بول اور میدانِ جنگ سے سینکڑوں، ہزاروں میل دور لگائے جانے والے فلک شگاف نعرے تھے تاکہ لڑنے والوں کا لہو گرم رکھنے کے لیے اس یکطرفہ جنگ کو اسلام اور کفر کا ٹکراؤ قرار دیا جاسکے۔

دہشت گردی کے خلاف مہم کا دوسرا بڑا محور

افغانستان پر حملہ کے دو سال بعد ۱۹ مارچ ۲۰۰۳ کو ۱۰۰،۰۰۰ تک امریکی افواج کویت میں اُتار دی گئی اور چالیس سے زائد ممالک کے اتحاد نے عراق کو دہشت گردی کے خلاف جنگ کا اگلا ہدف عراق کو بنایا۔ اس حملے کا مقصد عراق سے انسانی تباہی والے جراثیمی ہتھیاروں کا خاتمہ، دہشت گرد تنظیم القائدہ کے حامی اور عراقی عوام پر جابرانہ حکومت کرنے والے ڈکٹیٹر صدام سے عوام کو نجات دلانا قرار دیا

۱۹۹۰ء میں امریکہ نے جب اقوامِ متحدہ سمیت دیگر پچیس اتحادیوں کے ساتھ مل کر عراق پر حملہ کیا تو عراق کے تمام ظاہری اور خفیہ ایٹمی گھروں کو تباہ کر دیا تھا نیز عراقی حکومت باقی ماندہ اسلحہ اور اسکڈ میزائل وغیرہ ضائع کرنے کے لیے راضی ہو گئی تھی، معائنہ کے لیے اقوامِ متحدہ کے اسلحہ انسپکٹر بھی بھیجے لیکن امریکہ اور عراق میں کشیدگی بڑھتی ہی گئی کیونکہ امریکہ نے شمالی اور جنوبی عراق میں صدام حسین کی مخالف اقلیتوں کی حفاظت کے لیے دو نوفلائی زون بھی قائم کیے گئے تھے ان نوفلائی زون پر اتحادیوں کے ائیر کرافٹ ایستادہ کیے گئے تا کہ صدام کے کسی حملہ کے خلاف جنوبی کرد اور شیعہ اقلیت کا دفاع کیا جا سکے اس معاملہ پر عراق اور امریکہ کے درمیان اختلافات بدستور قائم رہے۔ ۱۹۹۸ء میں اس نوفلائی زون علاقہ میں امریکہ اور عراق کے درمیان بمباری کا تبادلہ ہوتا رہا اتحادیوں نے عراق کے خفیہ ایٹمی ٹھکانوں کو تباہ کرنے کے لیے کم و بیش پانچ سو طیاروں سے فضائی حملے کیے جس پر مشتعل ہو کر عراق نے اقوامِ متحدہ کے معائنہ کاروں کو بغداد سے نکال دیا۔

۱۱ستمبر ۲۰۰۱ء کے حملہ کے بعد امریکی صدر جارج بش نے دعوی کیا کہ عراق کا دہشت گرد تنظیم القائدہ سے رابطہ ہے اور چونکہ عراق کے پاس وسیع پیمانے پر انسانی تباہی والے ہتھیار موجود ہیں جو کسی بھی وقت دہشت گرد گروپ کے ہاتھ جا سکتے ہیں لہٰذا عراق کو مکمل طور پر ہتھیاروں سے دستبردار کیا جائے اقوامِ متحدہ اور یورپی دباؤ کے باعث عراق ۲۰۰۲ء میں ایک بار پھر اسلحہ کی تحقیق پر تعاون کے لیے آمادہ ہو گیا لیکن امریکہ اسلحہ کی تحقیق کی اس کاروائی سے مطمئن نہ ہوا۔

The U.S. and British governments claimed that Iraq was not cooperating fully with the UN inspectors. (20)

۱۷ مارچ ۲۰۰۳ء کو امریکی صدر بش نے صدر صدام اور اس کے بیٹوں کو ہتھیاروں سے دستبردار ہونے کے لیے ۴۸ گھنٹوں کا الٹی میٹم دیتے ہوئے فوجی کاروائی کی دھمکی دے ڈالی اور ۲۰ مارچ کو حملہ کر لیا عراقی افواج بمشکل ایک ماہ تک ہی اپنا دفاع کر سکیں اور ۱۹ اپریل کو اتحادیوں نے بغداد فتح کر لیا۔

Prior to invention, the United States` official position was

regarding weapons of mass destruction and had to be disarmed by force. (21)

امریکہ اور برطانیہ نے اقوامِ متحدہ کی سلامتی کونسل سے فوجی کاروائی کے لیے قرارداد منظور کروانا چاہی لیکن یہ کاروائی مکمل نہ ہوسکی کیونکہ فرانس، روس اور چین کی جانب سے سگنل مل رہے تھے کہ وہ عراق کے خلاف طاقت کے استعمال کی کسی بھی قرارداد کو ویٹو کر دیں گے یہی وجہ ہے کہ اس حملے کو بین الاقوامی قانون سے مبرا خیال کیا جاتا ہے۔

This was claimed by some to be a violation of international law, breaking the UN charter. (22)

اقوامِ متحدہ کی جانب سے واضع طور پر حملہ کی اجازت نہیں دی گئی تھی اس سلسلے میں بین الاقوامی قانون دانوں میں اختلافات پائے جاتے ہیں کہ آیا یہ حملہ قانونی ہے یا غیر قانونی ایڈمنسٹریشن کی ڈیفنس پالیسی بورڈ ایڈوائزری کمیٹی کے ایک سینئر ممبر رچرڈ پرل نے نومبر ۲۰۰۳ میں دلیل پیش کی کہ:

The invasion was against international law, but still justified.(23)

۲۰۰۲ء میں امریکی کانگرس نے ایک قرارداد منظور کی تھی جس کے مطابق عراق کی جان لیوا ہتھیاروں سے دستبردار نہ ہونے اور اقوامِ متحدہ کی انسانی حقوق کے تحفظ کے لیے پیش کردہ گزشتہ قراردادوں پر عمل پیرا نہ ہونے کی صورت میں امریکہ کو اختیار ہوگا کہ وہ اپنے دفاع کی غرض سے عراق کے خلاف فوجی کاروائی کرے۔اسی سال امریکہ کی دلیل پر ہی اقوامِ متحدہ کی سیکیورٹی کونسل نے قرارداد ۱۴۴۱ پیش کی جس میں عراق کو دستبرداری کا آخری موقع مہیا کیا گیا قرارداد میں عراق کو متنبہ کیا گیا کہ وہ اقوامِ متحدہ کے معائنہ کاروں کو مکمل اور غیر مشروط انسپکشن کا موقع فراہم کرے اگرچہ قرارداد میں حملے کے واضح احکامات جاری نہیں کیے گئے لیکن عراق کو یہ تنبیہ بھی کی گئی کہ اگر اس نے اپنے ایٹمی پروگرام اور اسلحہ کے بارے میں تفصیلات فراہم نہ کیں تو امریکہ اپنے اتحادیوں کے ساتھ عراق پر حملہ کرنے میں حق

کمپیوٹر ڈسک پر مہیا کیا جس میں عراق کے ایمی پروگرام کی وضاحت درج تھی لیکن صدر بش نے ان تفصیلات کو ناکافی اور غیر حقیقی قرار دے کر عراق پر حملہ کر دیا۔

The US government claimed that the report was false for not recognizing having the WMDs. (24)

اقوامِ متحدہ کی اسلحہ انسپکشن ٹیم کے سربراہ سربراہ ہینس بلکس نے کہہ دیا تھا کہ عراق نے اقوامِ متحدہ کو جو تفصیلات فراہم کی ہیں ان کی جانچ پڑتال میں کئی ماہ لگ سکتے ہیں لہٰذا مکمل تحقیقات کیے بغیر امریکہ کو حملہ نہیں کرنا چاہیے حملے کے وقت تک ٹیم کو عراق میں چار ماہ ہو چکے تھے اور ابھی تک انہیں کسی قسم کا کوئی اور سراغ نہ مل سکا تھا۔ حملے کے لیے نئی قرارداد پاس ہونے کی امریکی اور برطانوی کوشش اس وقت دم توڑ گئی جب فرانس نے اس قرارداد کو ویٹو کرنے کی دھمکی دی لہٰذا امریکہ نے عجلت میں اقوامِ متحدہ کی منظوری کے بغیر ہی حملہ کر ڈالا۔

The Coalition invasion began without the approval of the United Nations Security Council, which United Nations Secretary-General Kofi Annan regarded as a violition of the UN charter.(25)

اقوامِ متحدہ کے سیکریٹری جنرل مسٹر کوفی عنان نے ۲۰۰۴ء میں اس بات کا برملا اعترف کیا کہ یہ حملہ غلط تھا کوفی عنان نے کہا۔

From our point of view and UN Charter point of view ,it was illegal. (26)

امریکی صدر بش نے دعویٰ کیا کہ عراق نے اکتوبر یا نومبر میں القائدہ کو کیمیائی ہتھیار دیے تھے جنہیں ترکی کے ذریعے پورے جزیرے میں اسمگل کیا گیا تھا صدر بش نے یہ دھمکی بھی دی کہ اگر القائدہ کے دہشت گردوں نے امریکہ پر حملہ کیا تو امریکہ عراق کے خلاف ایٹم بم استعمال کرے گا انہیں وجوہات

میں عراقی صدر صدام کی شمولیت کا دعویٰ بھی کیا گیا ۲۰۰۴ میں 9/11 کمیشن پر دوبارہ تحقیق کے بعد یہ نتائج سامنے آئے۔

Bush and his cabinet repeatedly linked the Hussein Government to the September 11th attacks, despite the fact that there was no convincing evidence of Hussein's involvement. (27)

امریکہ و عراق کی جنگی قوت

اس حملے میں امریکن بری و بحری افوج کی تعداد ۱۰۰،۰۰۰ سپاہیوں پر مشتمل تھی جبکہ ۳۰،۰۰۰ کی فوج برطانیہ کی تھی اسکے علاوہ دیگر ممالک سے بھی افواج بھیجی گئیں۔ بری، بحری، ہوائی اور انٹیلی جینس پر مشتمل کل امریکی فوجی طاقت ۲۱۴،۰۰۰، برطانوی ۴۵،۰۰۰، ۲،۰۰۰ آسٹریلوی، ۲،۴۰۰ پولیش افواج تھیں۔

انٹرنیشنل انسٹیٹیوٹ فار اسٹریٹیجک اسٹڈی کے اندازے کے مطابق عراقی فوج کی تعداد ۹۸۳،۰۰۰ جو ۳۵۰،۰۰۰ آرمی، ۲،۰۰۰ نیوی، ۲۰،۰۰۰ ایئر فورس ۱۷،۰۰۰ ایئر ڈیفنس پر مشتمل تھی۔

The paramilitary Fedayeen Saddam 44,000, and reserves 650,000 (28)

جبکہ دیگر اندازوں کے مطابق عراقی فوج کی تعدا کچھ یوں ہے۔

At between 280,000 to 350,000 and 50,000 to 80,000, respectively. (29)

افغانستان پر امریکی حملہ اور سویلین اموات

۷ اکتوبر ۲۰۰۳ء کو افغانستان پر حملے کے وقت سویلین اموات کے اعداد و شمار حاصل کرنے کی جانب خصوصی توجہ ضروری نہیں سمجھی گئی اور عوام کو یقین دہانی کروائی گئی کہ ان حملوں کے نتیجے میں کم سے کم نقصان ہونے کا اندیشہ ہے کیونکہ یہ ملٹری کاروائی زیادہ تر آبادی سے ہٹ کر دور دراز علاقوں میں ہوگی۔

تحقیق کے بعد رپورٹ تیار کرنے والے انتظامیہ کے ایک اہم شخص ولیم آرکن نے ۲۱ اکتوبر ۲۰۰۱ء کو امریکی عوام کو یقین دہانی کروائی کہ یہ حملے شہری آبادی پر نہیں کیے جا رہے لہٰذا حملوں کے نتیجے میں کم سے کم اموات کا خدشہ ہے۔ لیکن عین اسی دن اور اس کے بعد کے ایام کے حقائق نے اس دعوے کو رد کر دیا۔

On october 21, between 60-80 innocent Afghan civilians were killed by U.S bombs dropped in five provinces during six bombing incidents. (30)

کم سے کم اموات کے تمام دعوے گزرتے وقت کے ساتھ دم توڑتے گئے کہ سات ہفتے بعد los AngelesTime میں بغیر کسی شرمندگی کے یہ بیان شائع ہوا۔

"Although estimates are still largely guesses, some experts believe that more than 1,000 Taliban and opposition troops have probably died in thefighting, along with at least dozens of civilians.(31)

پروفیسر Marc W Harold نے افغان جنگ کے نتیجے میں واقع ہونے والی اموات پر تحقیق کی۔ ان کا تیار کردہ ڈیٹا جس میں ۷ اکتوبر ۲۰۰۱ء سے جولائی ۲۰۰۲ء تک امریکی بمباری کے نتیجے میں ہلاک ہونے والی اموات کا خاکہ موجود ہے[۱۴] اس تحقیق کے بعد پروفیسر کا بیان ہے کہ:

There is no difference between the attacks upon the WTC whose primary goal was the destruction of a symbol, and the U.S-U.K revenge coalition bombing of military targets located in populated urban areas. Both are criminal. Slaughter is slaughter. Killing civilians even if unintentional is criminal.(32)

پروفیسر نے اپنی ریسرچ رپورٹ میں بتایا کہ امریکہ بمباری کے نتیجے میں واقع پذیر نہتی شہری اموات کو صیغہ راز میں رکھنا چاہتا تھا تاکہ اس حملے کو انصاف پر مبنی ثابت کیا جا سکے۔

becomes imperative to completely block out access to information on the true human costs of this war.(33)

عام پبلک تک رسائی کے تمام نیٹ ورکس کو کسی نہ کسی طرح سے پابند رکھا گیا تھا یہاں تک کہ الجزیرہ نیوز چینل کو بمباری کے نتیجے میں وفات پانے والے نہتے شہریوں کی تصاویر شائع کرنے سے روکنے کے لیے امریکی وزیرِ دفاع رمسفیلڈ خود قطر گئے لیکن وہاں سے تعاون حاصل نہ ہونے کے بعد اس نیوز نیٹ ورک پر باقاعدہ میزائل گرائے گئے۔ الجزیرہ نیوز نیٹ ورک نے بمباری کے بعد کے حالات کو یوں واضح کیا ہے۔

We shall document how Afghanistan has been subjected to a barbarous air bombardment which has killed an average of 62 civilians per day since that fateful evening of Sunday, October 7th.(34)

بی بی سی کی ایک رپورٹ کے مطابق:

Since the American bombing started a lot of people died. Bombs were hitting people's houses. They damaged lots of houses and they injured and killed lots of innocent people.(35)

جنوری ۲۰۰۲ء کو کرسچن پیس میکر کے ڈائریکٹر Gone Stolzfus نے ایک ماہ تک افغانستان میں قیام کے بعد اپنی رپورٹ میں بتایا کہ وہاں پانچ ہزار گھروں میں سے دو ہزار مکمل تباہ ہو چکے ہیں اور صرف کابل کے چار اضلاع میں اس ایک ماہ کے دوران امریکی بمباری سے ۲،۵۰۰ افراد موت کے گھاٹ اُتر گئے جنوری ۲۰۰۲ء کے وسط میں ہی Projec of defence alternative نے سروے کے بعد رپورٹ دی کہ افغانستان میں بمباری کے نتیجے میں واقع ہونے والی عام شہری اموات ۱۹۹۹ء میں یوگوسلاویہ میں نیٹو افواج کی بمباری سے ہونے والی اموات سے بھی دگنی ہیں اس رپورٹ کے مطابق صرف جنوری ۲۰۰۲ء میں ۱۰۰۰ سے ۳۰۰،۱ تک عام افراد موت کے گھاٹ اُتر گئے۔

shadid نے افغانستان میں امریکی بمباری سے متاثر ۱۴ مقامات کے گہرے سروے کے بعد رپورٹ دی مطالعہ نگاروں نے ہر سائٹ سے الگ الگ تفصیلات حاصل کیں۔

They note that "Because the 14 sites represent only a small fraction of the total sites targeted...since October, the total is estimated at 1,000 or more."(36)

کابل میں موجود گلوبل ایکسچینج کے ایک سٹاف ممبر نے گیارہ سائٹس کی کاؤنٹنگ کے بعد اپنی رپورٹ میں بتایا۔

"At least 812 deaths in the first three months of the U.S. bombing campaign."(37)

پروفیسر Marc W, Herold نے اکتوبر ۲۰۰۲ء کے دوران صرف پانچ واقعات کے تجزیے کے بعد ایک فیگر تیار کیا ان کے مطابق ان پانچ حملوں میں ہلاک ہونے والوں کی تعداد ۲۳۹ تک ہے۔
افغانستان میں ہونے والی کل اموات کا اندازہ مختلف ذرائع نے اپنی تحقیق کے مطابق پیش کیا ہے۔

عراق جنگ۔کل اموات

۲۰۰۳ء کے حملے کے بعد کل عراقی اموات کے درست اعداد و شمار حاصل کرنا انتہائی دقت طلب پروسیس ہے۔اموات کی تحقیق کے لیے زیادہ تر ہسپتالوں سے ہلاک اور زخمی ہونے والوں کی تفصیلات اکھٹی کی جاتی ہیں لیکن یہاں بیشتر لوگوں کو ہسپتال پہنچائے اور آگاہی میں لائے بغیر ہی دفن کر دیا گیا ہے، تاہم مختلف ذرائع نے درست اموات و زخمیوں کے اعداد و شمار حاصل کرنے کے لیے عراق میں موجود ڈاکٹرز، صحافیوں، مرنے والوں کے فیملی ممبرز، ہمسایوں، کی خدمات حاصل کرنے کی کوشش کی گئی ہے اس کے علاوہ روزانہ نشر ہونے والی میڈیا رپورٹس اور خبروں کے ذریعے مرنے والوں کے اعداد و شمار متعین کرنے کی کوشش کی گئی ہے، تاہم افغانستان کی طرح عراق میں بھی سو فیصد درست ریکارڈ حاصل کرنا

معلومات حاصل ہو پاتی ہیں لہٰذا اس سلسلے میں زیادہ تر یورپی ذرائع پر ہی انحصار ہے۔ مغربی ممالک کی بعض انسانی حقوق کی تنظیموں کا خیال ہے کہ ہلاک ہونے والے عراقی شہریوں کی تعداد ۴۷ ہزار سے زیادہ نہیں لیکن ساتھ ہی یہ تنظیمیں اس بات کا اعتراف کرتی ہیں کہ بے شمار ہلاکتیں ایسی ہیں جنہیں کہیں رپورٹ نہیں کیا جاتا۔ عراق اور افغانستان میں US سنٹرل کمانڈر کے ٹاپ آفیسر جنرل ٹومی فرینک نے افغان مہم کے دوران برملا اس بات کا اعتراف کیا کہ۔

We don,t do body count. (38)

۲۰۰۴ء کے آخر میں برطانوی وزیرِ خارجہ جیک اسٹرا نے ایک تحریری سٹیٹ منٹ میں اس بات کا اعتراف کیا کہ اموات کی درست شرح حاصل نہیں کی جاسکتی۔

In many cases it would be impossible to make reliably accurate assessment either of the civilian causalities resulting from any particular attacks or of the overall civilian causalities of a conflict (39)

مختلف ذرائع کے مطابق امریکی حملے کے بعد اب تک عراق میں جہاں ۶ لاکھ ۵۵ ہزار شہری ہلاک ہو چکے ہیں وہاں حملہ آور افواج کے تین ہزار سے زائد فوجی بھی ہلاک ہو چکے ہیں جن میں زیادہ تر امریکی ہیں گو امریکہ و برطانیہ نے وفات پانے والے فوجیوں اعداد وشما کو ریکارڈ میں رکھا ہے لیکن اس سلسلے میں یہ احتیاط روا رکھی جا رہی ہے کہ اسے عوام کے سامنے عام نہ کیا جائے۔

عراق میں یکم جنوری ۲۰۰۲ء تا ۲۰۰۶ء تک کی شرح اموات جاننے کے لیے ہیلتھ ریسرچ سنٹر نے مئی سے جولائی ۲۰۰۶ء میں ایک نیشنل کلسٹر سروے کیا۔ یہ اطلاعات ۱،۸۴۹ مکانوں میں موجود ۱۲،۸۰۱ افراد سے حاصل کی گئیں۔ ڈیٹا حاصل کرنے کے لیے آٹھ عراقی ڈاکٹروں کی مدد حاصل کی گئی جنہوں نے گھر گھر جا کر وہاں کے مکینوں سے تفصیلات حاصل کیں۔ سروے کے لیے آبادی، سائز اور جغرافیائی اہمیت کے حساب سے پچاس مقامات کا انتخاب کیا گیا [۱۵] ہر سائٹ میں چالیس مکینوں سے انٹرویو لیا گیا۔

سامنے آئی کہ ۲۰۰۲ء سے ۲۰۰۳ء تک عراق میں شرح اموات ۵.۵ فی گھنٹہ فی ہزار فی سال تھی جو بڑھ کر امریکی حملہ کے بعد ۱۳.۳ تک پہنچ گئی۔

Our best estimate is the 654,965 persons have died as a consequence of the conflict. Of these, 601,027 have died from violence.(40)

ہر گزرتے وقت کے ساتھ حملوں کے نتیجے میں ہونے والی اموات کی شرح بڑھتی ہی رہی یہاں تک کہ ۲۰۰۵ء تک جب بظاہر جنگ اختتام پذیر ہو چکی تھی اور عراق میں موجود غیر ملکی فوجوں کا مقصد صرف امن و امان کا قیام بتایا جاتا تھا، ان اموات میں سب سے زیادہ اضافہ ہوا۔

The percentage of the deaths that were attributed to coalition forces varied from year to year. However the absolute numbers of deaths attributed by households to coalition forces rose through 2005.(41)

اس سے قبل شرح اموات جاننے کے لیے ۲۰۰۴ء میں ایک سروے ہوا تھا جس کے مطابق عراق پر حملے کے وقت سے اگست ۲۰۰۴ء تک ۱۰۰،۰۰۰ افراد کی ہلاکت ہو چکی تھی۔ اس کے بعد ۲۰۰۶ء میں سروے ہوا۔

Using data from the 2006 survey to look at the time included in the 2004 survey, we estimate that the number of excess deaths during that time were about 112,000. (42)

دونوں سروے الگ الگ مقامات اور دو سال کے وقفے سے کیے گئے مگر رزلٹ تقریباً ملتے جلتے نظر آتے ہیں۔ پہلے اور دوسرے سروے کے مطابق طبعی اور حادثاتی موت سے ہٹ کر صرف حملوں اور لڑائی کے باعث ہلاکت شدگان کی تعداد ۶۹ ۳،۲۲۶،۴ اور ۶۶۳،۷۹۳ کاونٹ کی گئی ہے۔

That means that we are 95% certain that the correct number

probable number.(43)

تجزیہ کو موئثر انداز مین سمجھنے کے لیے چودہ ماہ کے ڈیٹا تین یکساں دورانیے میں تقسیم کر دیا گیا، مارچ ۲۰۰۳ء سے اپریل ۲۰۰۴ء پھر مئی ۲۰۰۴ء تا مئی ۲۰۰۵ء اور جون ۲۰۰۵ء سے جون ۲۰۰۶ء ہر سال حملوں کے نتیجے واقع ہلاکتوں کی شرح میں اضافہ ہی ہوتا گیا۔

- Pre-invasion: 5.5 deaths/1,000/year
- March 2003-April 2004: 7.5 deaths/1,000/year
- May 2004-May 2005: 10.9 deaths/1,000/year
- June 2005-June 2006: 19.8 deaths/1,000/year

Overall post-invasion: 13.2 deaths/1,000/year (44)

UK اور US کے شہریوں پر مشتمل ایک گروپ نے عراق میں واقع پزیر اموات پر تحقیق کا کام شروع کیا اور اس پروجیکٹ کو عراقی باڈی کاونٹ کا نام دیا گیا عراق باڈی کاونٹ کا کہنا ہے کہ اگر چہ ہلاک ہونے والے شہریوں کی تعداد سرکاری طور پر ۴۷ ہزار بتائی جاتی ہے لیکن یہ اعداد وشمار غیر مصدقہ ہیں۔ عراق میں موجود امریکی فوجی حکام ان شہریوں کی تعداد کا کوئی ریکارڈ نہیں رکھتے جو ان کی افواج کے ہاتھوں ہلاک ہوئے اس کے علاوہ ملک میں موجود سیکیورٹی کی صورتِ حال اور سرکاری بدانتظامی کے نتیجے میں ہلاک ہونے والوں کی تعداد کا کسی کو علم نہیں ہوسکتا عراقی باڈی کاونٹ کا کہنا ہے کہ کسی بھی جنگ میں شہری ہلاکتیں سب سے زیادہ نا قابلِ قبول ہیں لہٰذا ان کا حساب رکھا جانا چاہیے۔ تاہم خود عراق باڈی کاونٹ کی تحقیق کا زیادہ تر انحصار میڈیا پر ہے اور بہت سی ہلاکتوں کی رپورٹ میڈیا تک بھی پہنچ نہیں پاتی خصوصاً دور دراز اور عام رسائی سے ہٹ کر علاقوں کے بابت میڈیا کے لیے بھی اطلاعات کا حصول مشکل ہوتا ہے حملے کے وقت سے ۲۰۰۴ء تک یومیہ شرح اموات کچھ یوں رہی ہے۔ خود IBC ٹیم کے ایک ماہرِ معاشیات Marc Herold کا کہنا ہے:

The count is likely too low because thousands of deaths may go unreported due to lack of media coverage.(45)

اموات کی نشاندہی کرتا ہے یو۔ این ڈیولپمنٹ پروگرام (UNDP) سے وابستہ ناروے کے ایک ریسرچر Jon Pederson کے مطابق جنگ کے پہلے سال ۱۸،۰۰۰ سے ۲۹،۰۰۰ تک اموات واقع ہوئیں تھیں۔ انسانی حقوق کی ایک تنظیم ''عراقیان'' نے مارے جانے والے افراد کے ورثاء اور رشتہ داروں سے براہِ راست ملاقات کے بعد جو رزلٹ حاصل کیے ان کے مطابق ستائیس ماہ میں ٹوٹل ۱۱۲۸،۰۰۰ اموات واقع ہوئیں، عراقی وزاراتِ صحت نے ڈیتھ سرٹیفیکیٹ کی بنیاد پر مواد کیونکہ عراق میں ایک عرصے سے ڈیتھ رجسٹریشن کا اُصول چلا آ رہا ہے۔

ذرائع	تاریخِ اطلاع	اموات فی یوم
عراق باڈی کاؤنٹ	۳۔۱۔۲۰۰۳ء تا ۲۔۱۔۲۰۰۵ء	۳۲
عراقی وزاراتِ صحت	۴۔۵۔۲۰۰۴ء تا ۵۔۵۔۲۰۰۵ء	۲۲
این جی اوز، (غیر شائع شدہ)	۲۰۰۴ء	۵۰
لانسٹ ریسرچ جرنل	۳۔۱۔۲۰۰۲ء تا ۵۔۳۰۔۲۰۰۴ء	۵۶
مینٹل ہیلتھ اسٹڈی	۳۔۲۰۰۳ تا ۹۔۲۱۔۲۰۰۴ء	۱۰۱
عراقی ذرائع	۲۰۰۳ تا ۲۰۰۴ء	۱۳۳

عراقی دفاعی فوج کے بابت آزادانہ تجزیہ نگاروں کا تجزیہ ہے ہے کہ جنگ کے فوراً بعد ہی ۱۰،۰۰۰ سے ۳۰،۰۰۰ تک فوج ماری گئی تھی جبکہ امریکی ذرائع کے مطابق صرف زمینی سطح پر ماری جانے والی عراقی آرمی کی تعداد دس سے بارہ ہزار ہے تاہم اس بابت ابھی تک زیادہ قابلِ قبول نتائج سامنے نہیں آئے کہ آیا ماری جانے والی آرمی کی کل تعداد کتنی ہے لہٰذا وثوق کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ جبکہ ہلاک ہونے والے امریکی فوجیوں کی تعداد ۲،۰۰۷ تک کاؤنٹ کی گئی ہے۔ ۱۲۰،۰۰۰ امریکی فوج زخمی حالت میں پائے گئے۔[۱۶]

3.3 deaths/1,000, the lowest in American military history.(46)

ہر تین زخمیوں میں سے ایک دو کی حالت خطرناک حد تک خراب اور ایک نسبتاً بہتر حالت میں پایا گیا ہے، زیادہ تر امریکی فوجی ذہنی ونفسیاتی دباو کا شکار ہو چکے ہیں JAMA کی ایک تازہ ترین رپورٹ کے مطابق ایسے افراد کی تعداد انیس فیصد تک ہے۔

19.1% of returning Iraq war veterans suffer from psychiatric conditions, which most often include depression, anxiety, substance abuse, and Post Traumatic StressDisorder (PTSD).(47)

ان فوجیوں کو نئے سرے سے سماجی زندگی کے آغاز میں مشکلات پیش آرہی ہیں مسلسل دھماکوں کا شور شرابہ برداشت کرنا، طویل مدت تک زخمی حالت میں رہنا، بے تحاشا انسانی اموات کو اپنے سامنے واقع ہوتے دیکھنا، قریبی ساتھیوں اور رشتہ داروں کی اموات، معصوم اور بے گناہ شہریوں کی وفات اور اس کے بعد احساسِ جرم، ان تمام فیکٹرز نے ان فوجیوں کو نفسیاتی کشمکش کا شکار بنا رکھا ہے اور وہ دوبارہ سے نارمل شہری کی طرح زندگی گزارنے سے قاصر نظر آتے ہیں۔ ان فوجیوں کے مسائل کی بابت ایک سروے کے بعد New England journal of Medicine میں ایک آرٹیکل شائع ہوا جس کے مطابق زیدہ تر وہ لوگ ذہنی دباو کا شکار ہیں جو براہِ راست میدانِ جنگ میں موجود رہے ہیں۔

The rate of mental disturbance, especially PTSD, was directly proportional to the number of direct firefights encountered while deployed.(48)

جنیوا کنونشن و جنگی قیدی

جنگی قوانین کی تعبیر وتشریح کا بین الاقوامی خاکہ جسے ۱۸۸۴ء میں متحارب ممالک کے رویّوں کو دیکھتے ہوئے تیار کیا گیا تھا اور تمام یورپی طاقتوں نے اس معائدے پر دستخط کیے۔ یہ معائدہ ہلال احمر کے بانی ہنری ڈونٹ کے ذہن کی اختراع ہے جس میں دورانِ جنگ دوسرے ممالک کے ہاتھ جانے والے

فراہم کرنے پر زور دیا گیا ہے۔

۱۸۹۹ء اور ۱۹۰۷ء کی ہیگ کانفرس میں بھی جنگی قوانین کی وضاحت کی گئی اس کے بعد جنگِ عظیم اوّل کے اختتام پر ۲۷ جولائی ۱۹۲۹ء کو باقاعدہ ۹۷ دفعات پر مشتمل جنگی قوانین وحقوق کا مسوّدہ تیار کیا گیا پھر دوسری جنگِ عظیم کے بعد ۱۹۴۹ء میں اسی کنونشن کو دوبارہ غور وغوض کے بعد مفصل انداز میں پیش کیا گیا۔ ۸۵،۰۰۰ الفاظ پر مشتمل یہ کنونشن چار آرٹیکلز پر مشتمل ہے جس کا پہلا اور دوسرا آرٹیکل میدانِ جنگ میں زخمی اور علیل فوجیوں کے حقوق سے متعلق ہے تیسرا آرٹیکل جنگی قیدیوں سے سلوک اور چوتھا عام شہریوں کے حقوق سے متعلق ہے۔

جنیوا کنونشن میں بیسوی صدی کی جنگی ضروریات کے پیشِ نظر جامع ضوبط مقرر کیے گئے اور متحارب قوتوں کو سختی سے متنبہ کیا گیا کہ قیدیوں سے انسانی سلوک رواں رکھیں، قیدیوں کے مرتبے کی خلاف ورزی پر بھی پابندی عائد کی گئی نیز غیر انسانی اور ظالمانہ سلوک کو ممنوع قرار دے دیا گیا۔

۱۱ستمبر ۲۰۰۱ء سے آج تک کی تمام کاروائی کو عالمی میڈیا میں War against terrorism کے نام سے بیان کیا جارہا ہے۔ افغانستان پر حملہ سے قبل صدر بش نے باقاعدہ اعلانِ جنگ کیا اور اسے دہشت گردی کے خلاف جنگ کہا لیکن اس جنگ کے دوران امریکی تحویل میں جانے والے قیدیوں کو جنگی قیدی تسلیم کرنے سے ہی انکار کردیا اور ۱۹۴۹ء کے جنیوا کنونشن کی خلاف ورزی کرتے ہوئے قیدیوں سے ناروا سلوک رواں رکھا گیا۔ افغانستان پر حملے کے بعد سینکڑوں کی تعداد میں طالبان اور القائدہ کے اراکین امریکی قید میں گئے جن میں سے ۱۵۰ سے ائد قیدی کیوبا میں امریکی بحری اڈے گوانتاناموبے (Bay of Guantanamo) میں غیر انسانی سلوک سہہ رہے ہیں۔

جنگ میگزین میں جناب عرفان احمد لکھتے ہیں:

"ان قیدیوں کو پاؤں میں زنجیریں باندھ کر، ان کی داڑھیاں مونڈ کر، انکے ہاتھ پاؤں باندھ کر آنکھوں پر پٹیاں اور سیاہ عینک لگا کر،

پنجرے میں رکھا گیا جو جنیوا کنونشن کی صریحاً خلاف ورزی ہے۔'' (۴۹)

دہشت گردی اور اس کا تدراک

امریکہ نے افغانستان میں دہشت گردی کے خاتمے کے لیے جو مُہم شروع کی تھی اس کو چھ سال گزر چکے ہیں لیکن اس کے مثبت نتائج اب تک سامنے نہیں آ سکے، دہشت گردجوں کے توں اپنی کاروائیوں میں مصروف ہیں دوسری جانب عالمی اتحاد ان کے تدراک کے لیے اپنی کاروائیاں جاری رکھے ہے اولادِ آدم کا خون پانی کی طرح بہہ رہا ہے، انسانی خون و جان کی ارزانی اپنی انتہا کو پہنچ گئی ہے۔

دہشت گردی کے خلاف اس مُہم کو طویل عرصہ بیت گیا لیکن ابھی تک دہشت گردی کی تعریف پر اتفاقِ رائے قائم نہ ہو سکا جبکہ دہشت گردی کے واقعتاً خاتمے کے لیے انٹرنیشنل کمیونٹی کا اس کی کسی ایک تعریف پر متفق ہونا ضروری ہے نیز اس بات پر تحقیق کی ضرورت ہے کہ آخر دہشت گردی کیا ہے؟ کیوں ہے؟ وہ کون سی وجوہات اور کیا تعلیمات ہیں جن کی بدولت انسان دوسروں کے ساتھ ساتھ اپنی جان لینے سے بھی گریز نہیں کرتا، کسی بھی مذہب میں بے گناہ انسانی جانیں لینے کی تعلیمات ہرگز نہیں ہو سکتیں۔ موجودہ وقت میں دہشت گردی کے ساتھ اسلامی دہشت گردی کا لفظ عام استعمال کیا جاتا ہے اور یہ صورتِ حال عالمِ اسلام اور دیگر دنیا کے درمیان وجہ کشیدگی بنی ہوئی ہے اور مغربی میڈیا میں اسامہ کو پکارا ہی ''اسلامی دہشت گرد'' کے نام سے جاتا ہے جب کہ اس سے قبل کسی بھی مذہب سے اس طرح اُبھرنے والی تنظیم اور اس کے سربراہ کو مذہب سے وابستہ کیے بغیر ''کلٹ'' قرار دے دیا جاتا رہا ہے۔ دوسری جانب اسامہ بن لادن نے اس محاذ آرائی کو کفر و اسلام کی جنگ قرار دے کر اپنے نیٹ ورک کو مضبوط کرنے اور مسلمانوں کی ہمدردیاں حاصل کرنے کی کوشش کی ہے حالانکہ اس میں مسلمانوں کی فلاح کا کوئی پہلو دکھائی نہیں دے رہا تہذیبوں کے تصادم اور معرکہ حق و باطل کے نام پر دنیا کے پسماندہ، غریب

بحیثیت مذہب ملوث کرنا بعید از انصاف ہوگا۔ تحقیق و تفتیش کے اداروں نے دہشت گردوں کی مدد و معاونت کے سلسلے میں جتنے لوگوں پر گرفت حاصل کی وہ سب مسلمان ہیں۔ لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ مسلمان گر اتنی تعداد میں دنیا کے اندر افراتفری کا باعث بنے ہوئے ہیں تو ان عوامل کی دریافت ضروری ہے جو مسلمانوں میں فرسٹریشن کا باعث ہیں۔ اگر وہ مذہب سے انسپائریشن کے باعث ایسا کر رہے ہیں تو اس انسپائریشن کو طاقت کے بل پر ختم نہیں کیا جا سکتا کیونکہ طاقت کے زور سے صرف افراد کو مٹایا جا سکتا ہے نظریات کو نہیں، بلکہ ضرورت اس امر کی ہے کہ ان تک درست تعلیماتِ اسلام پہنچائی جائیں وہ مذہب سے عدمِ واقفیت کی بناء پر اس ڈگر پر جا رہے ہیں تو مذہب کے آثارات (جیسا کہ آج کل ہو رہا ہے) مٹانے کے بجائے انہیں درست تعلیماتِ اسلام سے آشنا کیا جائے۔

اس وقت دنیا میں فرسٹریشن کا ایک بڑا سبب عدمِ مساوات ہے، دہشت گردی کی وجوہات صرف سیاسی نہیں بلکہ اس میں معاشی وجوہات ایک اہم باب کی حیثیت رکھتی ہیں۔ یہ دنیا میں بڑھتا ہوا معاشی عدمِ استحکام اور عدمِ مساوات ہی ہے جس نے بے چینی و اضطراب کی فضا قائم کر رکھی ہے۔ دہشت گردی کے خلاف جنگوں میں یہ ذرائع مزید ضائع ہو رہے ہیں اور غربت میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔

Between 1995 and 2001 the number of poor people in the world increased by 20% from 1 billion to 1.2 billion. This is certainly more then the percentagr increase in world population indicating that the proportation of the world population that is poor is incraesing. (50)

افغانستان میں موجودہ وقت کے لحاظ سے صنعتی اور زرعی ترقی نہ ہونے کے برابر ہے گزشتہ کئی دہائیوں کی مسلسل جنگوں اور خانہ جنگیوں نے ملک کا معاشی ڈھانچہ ختم کر رکھا ہے ملک کی ۴.۵ فیصد آباد ہجرت کر چکی ہے اور باقی ماندہ بھوک و غربت کا شکار ہے اندازاً ۵.۱ملین تک کی آبادی خوراک کی قلت کا

سے خبردار کیا تھا کہ اس سال کے آخر میں ایک ملین تک افغان خوراک کی کمی کا شکار ہونے کا خدشہ ہے۔

300,000 Afghans are expected to run out of food by the end of [September] and one million more by the end of the year."(51)

۱۹۹۱ء کی عراق امریکہ جنگ اور اس کے بعد عراق پر عائد پابندیوں کے باعث 40% آبادی خوراک کی قلت کا شکار ہے ابھی اس جنگ کے بعد سماجی اور معاشی ڈھانچہ کھڑا ابھی نہ ہونے پایا تھا کہ ۲۰۰۳ء میں ایک بار پھر یہاں جنگ کے شعلے اُمڈ آئے۔ ۲۰۰۳ء میں ہی ورلڈ فوڈ پروگرام کے ایک سروے نے بتایا کہ عراق میں خوراک کی کمی کے باعث بچوں کی نشونما رک گئی ہے۔

17% of children were found to be underweight and 32% chronically malnourished or stunted.(52)

عین اسی وقت جب کہ یہ علاقے بھوک اور فاقہ کا شکار ہیں یہاں ملٹری کاروائی پر بیرونی دنیا کا غیر محدود سرمایہ استعمال ہو رہا ہے موجودہ وقت میں صرف عراق پر امریکہ کل ۶.۴ بلین ڈالر ایک ماہ میں خرچ کر رہا ہے۔ ستمبر ۲۰۰۶ء میں امریکی کانگریس نے ۳۷۹ بلین ڈالر کے فنڈ عراق ملٹری کاروائی کے لیے مختص کیے۔

ورلڈ بینک کے سابق چیف اکنامکسٹ Joseph Stiglitz کے مطابق:

Total costs of the Iraq War on the U.S. economy will be $1 trillion in a conservative scenario and could top $2 trillion in a moderate one. (53)

کانگریس کی ریسرچ سروس کے اندازے کے مطابق عراق میں اب تک ایک ٹریلین تک کا سرمایہ لگ چکا ہے۔

The Congressional Research Service recently estimated weekly spending at almost $2 billion per week, and that total expenditures have now topped $1 trillion. (54)

پانچ سال سے زائد عرصہ گزر جانے کے بعد آج بھی نیٹو اور امریکہ کی افوج افغانستان کے اندر موجود ہیں۔ لیکن اس ساری کاروائی کا حاصل کیا ہے، آج تک وہاں امن کا وجود قائم نہیں ہو سکا بلکہ افراتفری بڑھ گئی ہے اور نیٹو کی اموات چار گنا بڑھ گئی ہیں۔ نیٹو ارکان میں امریکہ کی افغان پالیسی پر انتہائی بے اطمینانی پیدا ہو چکی ہے خود سیکریٹری جنرل نے س بات کا اعتراف کیا ہے کہ محض فوجی طاقت سے یہ جنگ جیتنا ناممکن ہے اس سال امریکہ اور نیٹو کی چالیس ہزار افوج وہاں قیامِ امن کے لیے بھیجی گئیں لیکن وہ حالات کو قابو کرنے سے قاصر رہیں۔ جنگجو طالبان جو افغانستان کے غاروں اور آس پاس کے پہاڑوں میں روپوش تھے آہستہ آہستہ دوبارہ حرکت میں آنا شروع ہو چکے ہیں۔

Large areas of southern and eastern provinces near the Pakistan border are under Taliban control. (55)

چھاپہ مار گروپس کی جانب سے امریکہ کو ابھی بھی شدید مزاحمت کا سامنا ہے بلکہ یہ کاروائیاں پہلے سے بھی زیادہ بڑھ گئی ہیں۔

That's almost triple the number of deaths in 2003 or 2004 of the 280 U.S. troops killed in Afghanistan since 2001, 69 have died in nine months this year.(56)

یہاں تک کہ اس حملے کے اہم ہدف اسامہ بن لادن کے بابت بھی قوی امکان یہی پایا جاتا ہے کہ وہ پاک افغان بارڈر کی پہاڑیوں میں روپوش ہے اور امریکہ کے خیال کے مطابق طالبان کو دوبارہ متحد کرنے والا القائدہ کا لیڈر اسامہ ہی ہے۔ گویا سب کچھ اسی طرح ہو رہا ہے، سب مسائل وہیں موجود ہیں تو پھر اتنی بڑی مہم جوئی اور اتنی ہلاکتوں کا حصول کیا رہا، یہ ایک سوالیہ نشان ہے۔

عراق کی لڑائی کو عراقی فریڈم موومنٹ کا نام دیا گیا تھا جس کا مقصد ہی خطے کو خطرناک ہتھیاروں سے پاک کرنے کے ساتھ ساتھ عراقی عوام کو جابر حکمرانوں سے نجات دلانا تھا، لیکن تین سال سے صدام حکومت کا تختہ اُلٹ جانے کے باوجود آج تک عراق میں امن مفقود ہے بظاہر جمہوری حکومت قائم ہو

Hamourtziadou کا کہنا ہے کہ:

This war had nothing to do with democracy, but was about the US securing imperial interests in the Middle East, including installing a regime more favorable to US oil interests. And Iraq's oil reserves, the third largest in the world, are a prize worth having.(57)

تیل سے متعلق جو نئے قوانین کابینہ میں پیش کیے جانے والے ہیں ان کے مطابق تیل کی آمدنی کا تیسرا حصہ ہر سال یورپی کمپنیوں کو جائے گا اور بعد میں یہ شرح ۲۰ فیصد تک کر دی جائے گی گویا اگلے تیس سالوں میں اس کا زیادہ فائدہ مغربی ممالک کو ہی ہوگا اور ظاہر ہے کہ عراقی عوام کی اکثریت کے لیے یہ صورتِ حال قابلِ قبول نہیں باوجود اس کے اس بات کے کوئی آثارات دکھائی نہیں دے رہے کہ ان کی رائے کو اہمیت دی جائے گی۔

The overwhelming majority of Iraqis will be opposed to this, as oil accounts for 70% of Iraq's GDP and 95% of government revenue. But the wishes of the Iraqi people have never been less important. (58)

اگر یہ جنگ برائے امن تھی تو امن قائم ہونے تک ابھی کتنی جانوں کی قربانی لگ جائے گی اس کا جواب کسی کے پاس نہیں، عراق میں بغاوت، شورش اور دہشت گردی جیسے مسائل بدستور موجود ہیں گویا حالات اسی جانب اشارہ کر رہے ہیں کہ بظاہر جیت کے باوجود اتحادی یہ جنگ ہار رہے ہیں کیونکہ لڑائی میں وقتی طور پر جدید ہتھیاروں کی بدولت حاصل کردہ جیت، فتح نہیں کہلائی جا سکتی۔ اصل جیت تو مقاصد کا حصول ہے اور فتح تو وہ ہے جس میں بغیر خون ریزی کے فاتح یہ اعلان کر دے "**لا تثریب علیکم الیوم**" اور ہر کس و ناکس آگے بڑھ کر سلامتی و امان کی بیعت لے۔

جب کہ اس لڑائی کے بعد آج امریکہ کی سولہ انٹیلی جینس ایجنسیاں اس بات کا اعلانیہ اقرار کر رہی ہیں کہ دہشت گردی کا سنگین خطرہ روز بروز بڑھ رہا ہے اور اس میں بجائے کمی کے شدت آتی جا رہی

وافادیت کھو رہے ہیں اور مسلمانوں میں یہ احساس بڑھ رہا ہے کہ امریکہ صرف وصرف اپنے مفادات سے دلچسپی رکھتا ہے کیونکہ امریکہ نے دونوں جگہ جو پالیسی اختیار کی ہے اس سے مسلمانوں میں یہی تاثر پایا جاتا ہے کہ وہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف برسرپیکار ہے۔ اس تاثر کو قائم کرنے میں امریکہ کے پریس اور میڈیا کا بہت بڑا ہاتھ ہے جو اس جنگ کو کبھی مذہبی تو کبھی تہذیبی جنگ قرار دیتے ہیں۔ نہ صرف عالم اسلام بلکہ اس جنگ کو اقوام عالم میں مسترد کیا جا رہا ہے گزشتہ دنوں بی بی سی ورلڈ سروس نے عالمی حالات میں امریکہ کے کردار کی بابت رائے حاصل کرنے کے لیے ایک انٹرنیشنل پول کروایا جس میں ۲۵ ممالک کے ۲۶،۳۸۱ افراد سے رائے لی گئی ان ۲۵ ممالک میں سے ۱۸ ممالک کے لوگوں میں عام رائے یہ پائی جاتی ہے کہ امریکہ مجموعی طور پر دنیا میں منفی کردار ادا کر رہا ہے۔ ۶۸ فیصد کے خیال میں امریکہ کا مشرق وسطی میں قیام دنیا میں کشمکش کا باعث بنا ہوا ہے جبکہ صرف ۱۷ فیصد لوگوں کی رائے امریکہ کے حق میں تھی۔ ۷۳ فیصد شہری عراق جنگ کو ناانصافی پر مبنی قرار دیتے ہیں۔ خود امریکہ کے اندر زیادہ تر منفی رائے دیکھنے میں آئی ہے اور امریکی شہریوں نے عراق کے متعلق امریکی پالیسیوں کو مسترد کیا ہے۔

Overwhelming majorities disapprove of the US handling of the war in Iraq (92%). (59)

امریکہ کی ۵۷ فیصد عوام کے خیال میں ان کے ملک کا کردار اس وقت دنیا میں منفی ہے۔ ہر دس میں سے صرف دو افراد میں امریکہ کے بابت مثبت خیالات پائے جاتے ہیں۔

Views of US foreign policy are uniformly unfavourable, with more than four in five disapproving of the US on the war on in Iraq (85%).(60)

ان ۲۵ ممالک کے باشندوں سے پوچھے گئے الگ الگ سوالوں کا گوشورہ تیار کیا گیا ہے عراق کی بابت نیز مشرق سطی میں امریکی فوج کے متعلق اور گوانتے نوماجیل سے متعلق عام عوام کی رائے جدول میں واضح سے ہے۔ [61]

(1) ***Associated press***, 28 Sep. 2001 & ***Washington press*** 1st Sep. 2001

(2) ***CQ Weekly,*** 15 Sep. 2001, P.2124

(3) ***9/11 Commission Report***, ***CNN.*** July 22, 2004

(4) ***CQ, Weekly,*** optic P.2127

(5) ***Christian Science Monitor,***"Taliban regroups on the road", 27 June 2003

(6) ***Middle East Times,***"Taliban defies bush debate rages over bin Laden's fate" 7 December 2001

(7) ***CNN,*** 14 March 2006

(8) Ibid

(9) ***CQ Weekly,*** 15 September 2001, P.2128

(10) ***The Economists,*** The spider in the web' ,22 September 2001, P.17

(۱۱) ***روزنامہ جنگ***، اسامہ امریکہ کی نظر میں مجاہد سے دہشت گرد کیسے بنے، ۱۵ اکتوبر ۲۰۰۱، ص:۹

(۱۲) ایضاً

(13) ***www.bbc.co.uk***, 2 October 2001

(14) ***www.nato.mt*** Nato Statement,

(15) ***www.unhcr.ch.pdf***

(۱۶) ***جنگ سنڈے میگزین*** ، سعود عثمانی، افغانستان تصویر کا دوسرا رخ، ۴ فروری ۲۰۰۱ء

(17) www.usembassy.org.uk ***"Washington File 15 September 2001"***

(18) Ibid

(19) ***www.Whitehouse.Gove***

(20) ***ABCNEWS.*** com "War with Iraq "

(22) "Timeline,Oliver King and Paul hamilos, ***The road to war in Iraq,*** 2 February 2006

(23) ***"The Age,*** Burkman Oliver."Invision right but illegal, says UK Hawk 2003, 26 June 2006

(24) ***www. Anwswer.com*** "2003 invasion of Iraq"

(25) ***www.bbc.co.uk,*** "Iraq war illegal, says Annan" 16 September 2004

(26) ***New scientist,***Windle, David, "Military Muscle" 29 October 2003

(27) ***www. 9/11 commision.gove/report,*** chap 10, section 10-3

(28) ***New Scientist ,***Windle David, "Military muscle" 29 January 2003

(29) ***www.globalsecurity.org*** , "Iraqi ground forces organization., 6August 2006

(30) William M Arkin, ***"Civilian causalities and Air war,*** Washington post, 21 October, 2001

(31) ***Los Angeles Time,***M.H Paul Richter,"Despite Grim Predictions U.S battle tool still zero, 24 November 2001

(32) ***www.cursor.org ,*** Prof. Marc W. Herold, "A Dossier on civilian victims of United State's Aerial Bombing of Afghanistan":AComprehensive accounting

(33) ***www.raw. fancymarketing.net*** "Afghanistan under the US strikes" 21 October 2001

(34) Ibid

(35) ***BBC,*** 9 November 2001

(36) ***Boston globe,***Jhon Donelly and Anthony Shadid, Civilian tool in US Raids put100 Bombing Flaws, 17 February 2002

(37) ***ABC News.com*** John Yang, "An Early Estimate rights group Offices estimate of Afghan civilian causalities in US Attacks,22 July 2002

(38) ***CBC News,*** 17 November 2006

Easter DRC" 1999, P.350

(41) ***www.cursor.org*** "Prof. Marc W. Herold,

(42) Ibid

(43) ***www.cursor.org*** The human Cost of war in Iraq, a mortality study 2002-2006

(44) ***www.iraqbody.com.ne***t 15 September 2006

(45) Ibid

(46) ***www.upi.com,***4 October 2006

(47) ***JAMA,***Hoge CW, Auchterlonie JL, MillikenCS, "Mental Health Problems, use of mental health services and alter national from military services after returning from Iraq & Afghanistan"2004, P.295

(48) Ibid

(۴۹) جنگ سنڈے میگزین، عرفان احمد، ۲۳ جنوری ۲۰۰۲ء

(50) ***www.hrw.org***

(51) ***News.bbc.co.uk.***25 September 2001

(52) ***www.iraqbodycount.com.***"The human cost of the war in Iraq"

(53) Ibid

(54) ***Boston Globe,***"Cost of Iraq war" 82 September 2006, P.8

(55) ***www.bbc.co.uk.***

(56) ***www.icausalities.org***

(57) ***www.iraqbodycount.***comLily Hamourtiziadou, A week in Iraq, 7 January 2001

(58) Ibid

(59) ***www.bbc.co.uk*** "BBC World Service Poll, 23 January 2007 "

(60) Ibid

خلاصۂ بحث

جنگ انسانی وحشت و بہیمت کے ایسے لامتناہی سلسلے کا نام ہے جس کی تباہ کاریوں سے تاریخ کا کوئی دور بھی محفوظ نہیں رہا۔ اس ہمہ گیر شورش و بدامنی کو ختم کر کے عالم انسانی کو امن و سلامتی کی منزل تک پہنچانے کے لیے کی جانے والی مسلسل جدوجہد کو اسلام نے جہاد کا نام دیا ہے اور جہاد کے متعلق اپنا خاص نظریہ پیش کیا جس کی بنیاد چند سنہری اُصولوں پر رکھی گئی مثلاً

- لڑائی علاج کی خاطر ہے وہ بھی اس وقت جب حکمت ونصیحت کی ساری کاوشیں ناکام ہو جائیں۔
- لڑائی ضرورت سے زیادہ جاری نہ رکھی جائے اور اس میں ظلم وزیادتی سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کی جائے۔
- لڑائی میں شریک نہ ہونے والوں کو مکمل تحفظ مہیا کیا جائے۔
- جب فریقِ مخالف مصالحت کے لیے ہاتھ بڑھائے تو اس کا مثبت جواب دیا جائے۔

سورۃ النساء۔ آیت: ۹۰ میں فرمانِ الٰہی ہے:

فَاِنِ اعۡتَزَلُوۡكُمۡ فَلَمۡ يُقَاتِلُوۡكُمۡ وَاَلۡقَوۡا اِلَيۡكُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمۡ عَلَيۡهِمۡ سَبِيۡلًا ۝

ترجمہ: ''اگر وہ تم سے (جنگ کرنے سے) کنارہ کشی کریں اور لڑیں نہیں اور تمہاری طرف صلح (کا پیغام) بھیجیں تو خدا نے تمہارے لیے ان پر (زبردستی کرنے کی) کوئی سبیل مقرر نہیں کی۔''

بلاشبہ اسلام معرکہ ہائے جہاد کے ذریعے اپنا دفاع بھی کرتا رہا ہے اور اس کے ذریعے ظلم کی سرکوبی بھی، لیکن اسلام کے پھیلنے پھولنے میں جو غیر معمولی اہمیت صلح حدیبیہ کو حاصل رہی ہے وہ غزوات کو بھی حاصل

قرآن نے سورۃ التوبہ کی آیت :٦ میں دورانِ جنگ پناہ طلب کرنے والے ہر فرد کو پناہ دینے اور اس کی حفاظت کرنے کی تلقین ان الفاظ میں کی ہے:

وَ اِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۝

ترجمہ: ''اگر کوئی مشرک تم سے پناہ کا خواستگار ہو تو اس کو پناہ دو یہاں تک کہ کلامِ خدا سننے لگے پھر اس کو امن کی جگہ واپس پہنچا دو اس لیے کہ یہ بے خبر لوگ ہیں۔''

تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ عہدِ رسالت میں پیش آنے والی لڑائیوں کے ذیل میں مؤرخین نے بے احتیاطی کی اور دیگر مقاصد کے لیے بھیجی جانے والی مہمات کو بھی غزوہ وسریہ کے ذیل میں شامل کر دیا جس سے اس عہدِ مبارک کی لڑائیوں کی تعداد زیادہ دکھائی دینے لگی حالانکہ دراصل لڑائیوں کی تعداد بہت کم ہے۔ ہجرت کے بعد مسلمانوں کو تین بڑے دشمنوں (قریش، یہود اور منافقین) کا سامنا تھا لیکن ان الگ لگ گروہوں کے ساتھ ہونے والی جنگوں کی تعداد انگلیوں پر گنی جا سکتی ہے۔ قریش کے حملہ کے نتیجے میں ہونے والی لڑائیاں، غزوۂ بدر، غزوۂ اُحد، غزوۂ احزاب اور غزوۂ حنین تک محدود ہیں۔ یہود کے ساتھ ہونے والی لڑائیوں میں غزوۂ بنو قینقاع، غزوۂ بنو نضیر، غزوۂ بنو قریظہ اور غزوۂ خیبر شامل ہیں۔ ان میں بھی پہلی دو لڑائیوں میں مطلق خونریزی نہیں ہوئی۔ تبوک میں رومیوں سے سامنا ہوا لیکن یہاں بھی لڑائی کی نوبت پیش نہیں آئی۔ دوسرے، بہت سے مقامات مثلاً حمراء الاسد، سویق، ذات الرقاع، بنو لحیان، دومۃ الجندل میں آپ ﷺ نے بہ نفس نفیس شرکت کی لیکن لڑائی کی نوبت نہیں آئی اس کے علاوہ جو دستے تبلیغِ اسلام، تکمیلِ صلح، رہزنوں کے تعاقب، جاسوسی، یا اس طرح کے دیگر مقاصد کے لیے بھیجے گئے ان کا شمار جنگوں یا غزوات میں کرنا اور فتح مکّہ کو جنگ کا نام دینا دراصل انصاف کے منافی ہے۔

ان محدود جنگوں میں شریک ۳۲۸ ۷ افراد میں سے کل ۶۳ ۷ افراد جان بحق ہوئے۔ اتنے بڑے

پر مکمل امن و امان قائم ہوا ۔ ۲۷۶ مستقل سیاسی اکائیاں ایک ریاست و وحدت میں مدغم ہو گئیں اور سینکڑوں ٹکڑوں میں منقسم شدہ جزیرہ عرب جہاں نہ کوئی ذمّہ دار حکومت تھی ، نہ عدل و انصاف ، ایک وحدت میں تبدیل ہو گیا۔

اس مقالے کا اصل ہدف یہ ہے کہ ان باتوں کا فکری سدّ باب ہو جو اسلام کے نظریہ جہاد اور نظریہ امن کو نقصان پہنچاتی ہیں ، اسی تناظر میں عہدِ حاضر کی جنگوں کے مقاصد ، طریقہ جنگ اور نتائجِ جنگ پر روشنی ڈالی گئی جس سے واضح ہوا کہ اس دورِ تہذیب وتمدّن میں بھی ان اخلاقی حدود و قیود ، اور قوانین کا عملی وجود موجود نہیں جنہیں اسلام چودہ سو سال قبل میدانِ عمل میں پیش کر چکا ہے۔ جس کا واضح ثبوت صلح حدیبیہ پر مکمل عمل پیرا ہونے ، اور فتح مکّہ کے موقع پر طاقت کے باوجود تیرہ ہزار لشکر پر مشتمل فوج کو نبی کریم ﷺ کا یہ حکم کہ کسی کی تلوار نیام سے باہر نہ آئے اور لشکر کا اس حکم پر سر تسلیم خم کر دینے کی صورت میں ہمارے سامنے موجود ہے۔ جبکہ پہلی جنگِ عظیم میں ایک کروڑ افراد جان سے ہاتھ دھو بیٹھے ۔ اتنا کشت وخون ہونے کے بعد نتیجہ کیا نکلا کہ چند ہی سالوں میں ایک دوسری عالمگیر جنگ کے سامان ہونے لگے ۔ دوسری عالمی جنگ کے بعد عالمی تنظیم اقوامِ متحدہ کا قیام عمل میں آیا جس کا مقصد ہی یہ تھا کہ آنے والی نسلوں کو جنگ کی تباہ کاریوں سے محفوظ رکھا جائے اور بین الاقوامی سطح پر امن و آشتی کو درپیش خطرات کے خلاف اجتماعی اقدامات کیے جائیں ۔ لیکن اقوامِ متحدہ کی قرارداد ۱۸۱ ، قرارداد ۲۴۲ ، ۳۳۸ کی صورت میں مسئلہ فلسطین کا پُر امن حل پیش کیے جانے کے باوجود اس پر عمل درآمد نہ ہو سکا اور آج تک مسئلہ فلسطین مشرق وسطی میں کشیدگی کا باعث بنا ہوا ہے۔

اس عالمی تنظیم کے قیام میں آنے سے پہلے ۱۸۹۹ء اور ۱۹۰۷ء کی ہیگ کانفرسوں میں یہی طے کرنے کی کوشش کی گئی تھی کہ کوئی بھی دو متحارب فریق جنگ کے دوران کن آداب پر عمل کریں گے اور کن حدود و قیود کا خیال رکھیں گے ۔ ۱۹۱۹ء ورسائی کانفرس ، ۱۹۲۱ء کی واشنگٹن اور ۱۹۲۸ کی پیرس کانفرنس اور اسی وضع کے دوسرے اجتماعات میں جنگ کی قہرناکیوں کو کم سے کم کرنے کی بہت کوششیں کی گئیں لیکن انسان اس نتیجے تک ہی نہ پہنچ سکا کہ جنگ میں کیا جائز ہے اور کیا ناجائز ۔ انسانی حقوق جس طرح آج ، ہیروشیما ناگاساکی ،

کہ انسان اپنے بھلے بُرے کا فیصلہ خود کرنے پر قادر نہیں اور امن وسلامتی کی راہ پر گامزن رہنے کے لیے وہ آج بھی خدائی ہدایات کا یقینی طور پر محتاج ہے۔

اسلام کی روشن تعلیمات کے باوجود اگر مسلمان کہیں نقضِ امن کے مرتکب ہو رہے ہیں تو اس کا سبب یقیناً ان تعلیمات سے عدمِ آگاہی ہے جس کا حل اسلامی تعلیمات کی بندش میں ہرگز نہیں بلکہ آج ضرورت اس امر کی ہے کہ اسلام کا پیغام اور تعلیمات اپنے اصل مآخذ کے ساتھ عام کی جائیں۔ کیونکہ آج کا مسلمان دراصل حقائق سے بے بہرہ اور دینِ اسلام کی اصل رُوح سے نا آشنا ہونے کے باعث دن بدن پستی کی جانب گامزن ہے۔ دنیا کی آبادی کا پانچوں حصہ ہونے اور ۷۰ فیصد سے زائد معدنی تیل کے مالک ہونے کے باوجود عالمی سطح پر مسلمانوں کی کوئی مؤثر آواز نہیں، عالمی تنظیم اقوامِ متحدہ میں مسلمانوں کی آواز نہ ہونے کے برابر ہے۔ مسلم ممالک عالمی معاملات میں مؤثر ومثبت مداخلت تو کیا اپنے خلاف ہونے والے پروپیگنڈا کا جواب دینے کی بھی صلاحیت نہیں رکھتے اس لیے کہ دین کی رسّی پر ان کی گرفت ڈھیلی پڑ چکی ہے اور اس لیے کہ انہوں نے زمانے کی نبض پر ہاتھ رکھ کر وقت کے ساتھ چلنا بالکل چھوڑ دیا۔ ترقی یافتہ اقوام انیسویں صدی میں Feudal Society سے صنعتی معاشرے میں تبدیل ہو کر Communication اور میڈیا کے دور میں داخل ہو چکیں اور مسلمان اپنے دیدہ و نادیدہ دشمنوں سے مقابلہ کرنے کے لیے ابھی تک قرونِ وسطیٰ کی تلواریں تیز کرنے میں مگن ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ تاریخ کا کوئی دور بھی جنگ وجدل سے محفوظ نہیں، عہدِ جدید میں بھی محدود مقاصد کے لیے بڑی بڑی جنگیں لڑی گئیں جن کا حاصل کچھ بھی نہیں رہا۔ تاریخی کتب میں غزوات وسرایہ کی کثیر تعداد پیش کیے جانے کے باعث اسلام پر آج جنگجو ہونے کا الزام عائد کیا جاتا ہے۔ جبکہ اسلام کے تصوّرِ جہاد کی غیر جانبدارانہ تحقیق، عہدِ نبوی کی جنگی مہمات اور اس سے حاصل کردہ شواہد سے واضح ہوا ہے کہ اسلام میں جنگ کا کوئی تصوّر ہی موجود نہیں اور یہ کہ اسلام حقیقتاً دینِ امن ہے۔

Appendix 1

Causalities in World War 1

Country	Total mobilized forces	Killed and died	Wounded	Prisoners and missing	Total casualties	Percentage of mobilized forces in casualties
Allied and associated powers.						
Russia	12,000,000	1,700,000	4, 950,000	2,500,000	9,150,000	76.3
British Empire	8,904,4067	908,371	2,090,212	191,652	3,190,235	35.8
France	8,410,000	1,357, 800	4,266,333	537,333	6,160,800	73.3
Italy	5,615,000	650,000	947,000	600,000	2,197,000	39.1
United States	4,355,000	116, 516	204,002	4,500	323,018	8.1
Japan	800,000	300	907	3	1,210	0.2
Romania	750,000	335, 706	120,000	80,000	535,706	71.4
Serbia	707 ,343	45,000	133, 148	152,958	331,106	46.8
Belgium	267, 000	13,716	44,686	34,659	93,061	34.9
Greece	230, 000	5,000	21,000	1000	27,000	11.7
Portugal	100,000	7,222	13,751	12,198	33,291	33.3
Montenegro	50,000	3,000	10,000	7,000	20,000	40.0
Total	**42.188,810**	**5,142,631**	**12, 800,706**	**4,121,090**	**22.064,427**	52.3
Central powers	11,000,000	1,773, 700	4216,058	1,152,800	7 ,142.558	64.9
Germany	7,800,000	1,200,000	3,620,000	2,200,000	7,020,000	90.0
Austria-Hungary	2,850,000	325,000	400,000	250,3000	975,000	34.2
Bulgaria	1,200,000	87,500	152,390	27,029	266,919	22.2
Total	**22,850,000**	**3, 386,200**	**8,388,448**	**3,629,829**	**15,404,477**	67.4
Grand total	**65,038,810**	**8,528,831**	**21 ,189,154**	**7,750,919**	**37,468,904**	**57.5**

Appendix 2

World War II Casualties

Country	Killed, (military)	Wounded (military)	Prisoners or missing	Civilians deaths due to war	Estimated total deaths
Allied Powers					
Belgium	12,000			76,000	88,000
Brazil	943		——		1,000
British	373, 372	4,222		92,673	466,000
commonwealth	23,365	475,047	251,724		24,000
Australia	37,476	39,803	32,393	—	38,000
Canada	24,338	53.174	10.888	—	
India	10.033	64,354	91.243	—	10, 000
New Zealand	6,840	19,314	10,582	—	7,000
South Africa	264,443	277,919	16,430	92,673	357,000
United Kingdom	6,877	6,972	213,919		7,000
Colonies	1,310,224	1,752,951	22,323	—	
China	10,000	——	115,248	215,000	225,000
Czechoslovakia	1,800		—	2,000	4,000
Denmark	213,324	400,000	—	350,000	563,000
France	88,300		—	325,000	413.000
Greece	7,900	2,860	—	200,000	208,000
Netherlands	3,000		420.760	7,000	10,000
Norway	123,178	236, 606	——	5,675,000	5.800,000
Poland	27,000			91,000	118,000
Philippines	292,131	671,801	139.709	6,000	298,000
United states	11,000,000		—	7,000,000	18,000,000
U.S.S.R	305,000	425,000	—	1,200,000	1,505,000
Yugoslavia			—		
Axis Powers	10,000		—	10,000	20,000
Bulgaria	82,000	50,000		2,000	84,000
Finland	3,500,000	5,000,000	3,400,000	780,000	4,200,000
Germany	200,000		170.000	290,000	490,000
Hungary	242,232	66,000	350,000	152,941	395,000
Italy	1,300,000	4,000,000	810,000	672,000	1,972,000
Japan	300,000	——	100,000	200,000	500,000
Romania					

Appendix 3

Balfour Declaration

Foreign Office,
November 2nd, 1917.

Dear Lord Rothschild,

I have much pleasure in conveying to you, on behalf of His Majesty's Government, the following declaration of sympathy with Jewish Zionist aspirations which has been submitted to, and approved by, the Cabinet.

"His Majesty's Government view with favour the establishment in Palestine of a national home for the Jewish people, and will use their best endeavours to facilitate the achievement of this object, it being clearly understood that nothing shall be done which may prejudice the civil and religious rights of existing non-Jewish communities in Palestine, or the rights and political status enjoyed by Jews in any other country"

I should be grateful if you would bring this declaration to the knowledge of the Zionist Federation.

Y. sincly
Arthur James Balfour

Appendix.4

Ratio of Jews Immigration in Palestine

	Jewish Immigrants	Jewish Capitalists*
1923	7,421	
1924	12,856	
1925	33,801	
1926	13,081	553
1927	2,713	139
1928	2,178	173
1929	5,249	207
1930	4,944	178
1931	4,075	233
1932	9,553	727
1933	30,327	3,250
1934	42,359	5,124
1935	61,854	6,309
1936	29,727	2,970
1937	10,536	1,275
1938	12,868	1,753

Population by Religion

	Total Population	Muslims	Jews
1922 (Census)	649,048	486,177	83,790
1931 (Census)	966,761	693,147	174,606
1943	1,582,833	946,973	492,980

Appendix 17

BBC World Service Poll
Detailed Results

Opinions of the US Government's Handling of The War in Iraq
By Country

	Strongly approve	Somewhat approve	Somewhat disapprove	Strongly disapprove	Don't know
Argentina	1	2	6	86	6
Australia	7	13	19	59	2
Brazil	5	7	15	70	3
Chile	5	18	20	45	12
China	2	6	22	61	9
Egypt	4	6	11	79	1
France	1	4	13	79	2
Germany	3	8	22	66	1
Great Britain	4	9	24	57	5
Hungary	3	9	33	37	18
India	22	22	20	21	16
Indonesia	4	8	27	58	3
Italy	4	11	18	63	5
Kenya	39	20	11	21	10
Lebanon	3	5	13	77	0
Mexico	4	9	14	66	7
Nigeria	31	26	17	22	4
Philippines	26	29	15	19	11
Poland	5	17	30	22	27
Portugal	5	11	22	61	2
Russia	1	4	32	50	12
South Korea	3	18	42	36	1
Turkey	3	3	28	62	3
UAE	10	8	10	70	1
USA	18	23	17	40	2

Appendix 5

Registered Land Sales from Arabs to Jews

	All Sales	Sales less than 100 Dunums	Percentage of less than 100 Dunams
1933	673	606	90.04
1934	1,178	1,116	94.73
1935	1,225	1,087	88.73
1936	343	306	89.21
1937	423	382	90.3
1938	330	273	82.72
1939	221	172	77.82
1940	416	408	98.07
1941	685	673	98.24
1942	713	690	96.77

UNO Partition Plane for Palestine
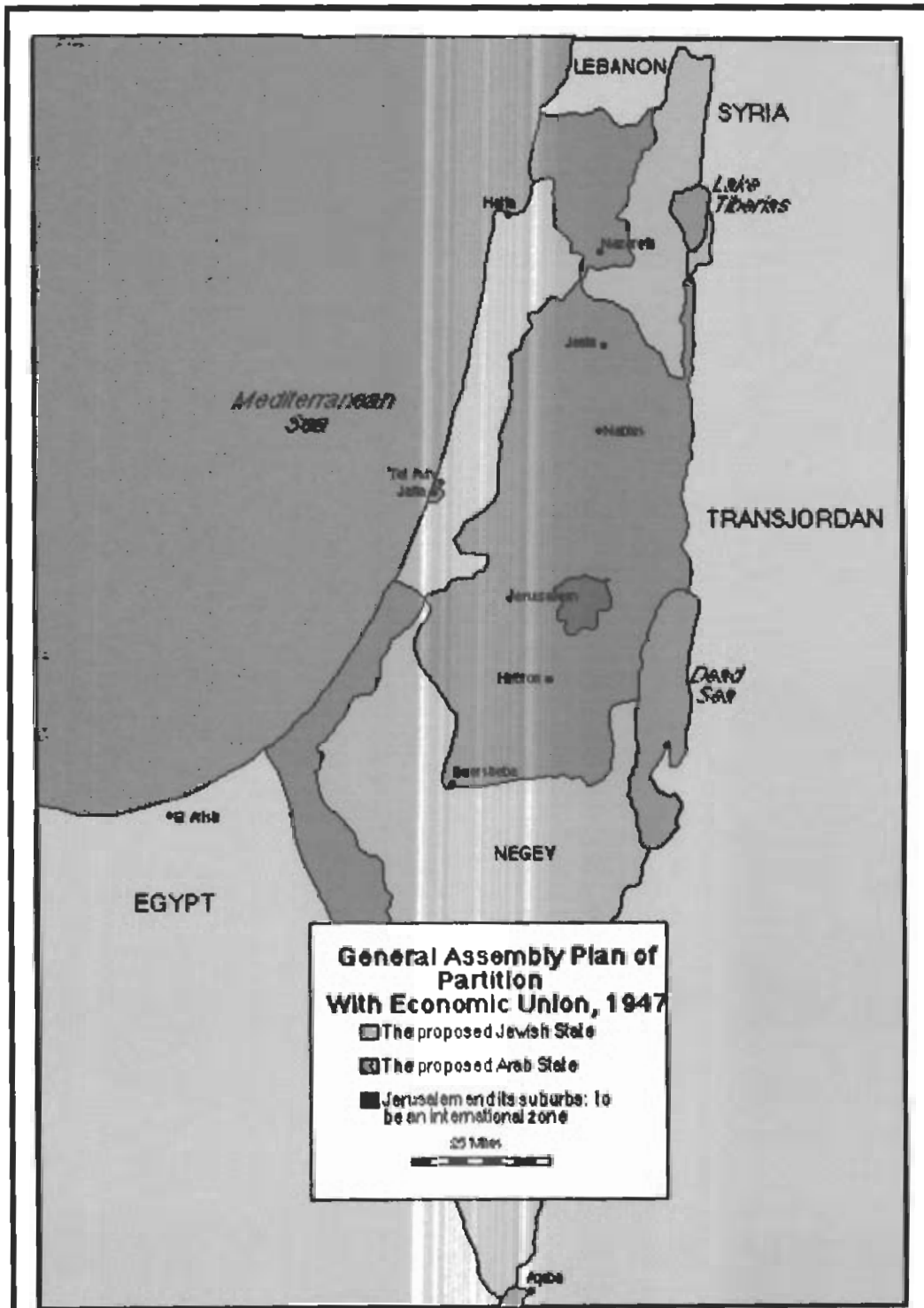
Israel after War of 1948

Appendix 9 -10

1956 War

1967 War

Result of Arab –Israel Wars

Major Wars in the Middle East 1948-73

	Cause	What started it	Who won and why	Outcomes
War of 1948	Creation of the State of Israel by the UN.	Arab states of Egypt, Syria, Transjordan, Lebanon and Iraq invaded Israel. Israel. Had a strong army, fought to save homeland, nowhere Israel	Israel. Had a strong army, fought to save homeland, nowhere else to go after Holocaust.	**Land** – Israel bigger than UN intended but Arabs gain West Bank (Jordan) and Gaza Strip (Egypt). **Political** –Israel, surrounded by enemies, would always need to be prepared for war.
Suez War 1956	Nasser's seizure of Suez Canal for income to build the Aswan Dam.	Britain, France and Israel invaded Egypt to get control of the Suez Canal.	No-one. Invaders forced to withdraw by US. UN organized ceasefire.	**Land** – Israel takes Sinai from Egypt opening access to Straits of Aqaba and Red Sea. **Political** –U.S and Soviet Union condemn Britain and France. UN peacekeepers protect Israeli border with Egypt.
Six-Day War 1967	Nasser demands for return of land taken by Israel in 1949 and for Palestinian refugees' right of return to Israel	Israel attacked first after Nasser makes threatening speeches	Israel. Attack without warning destroyed over 3000 Egyptian planes before they could take off.	**Land** – Israel occupies Palestinian West Bank and Gaza and Syrian Golan Heights. **Political** – Arabs blame defeat on Western powers for helping Israel. But unites Arab states in struggle. Saudi Arabia, Kuwait and Syria agree to fund Egypt
Yom Kippur War 1973	Sadat wanted return of land lost in 1967.	Egypt attacked to force Israel to peace talks.	Israel won battle but Arabs gained confidence and saw oil supply could be a political weapon.	**Political** – Sadat achieves aims, brakes stalemate and makes US more friendly using power of the Arabian oil.

Casualties in Arab-Israeli Wars

First Arab Israel War 1948

State	Entry	Exit	Combat Forces	Losses
Egypt	1948	1949	300,000	2,000
Israel	1948	1949	140,000	6,373
(Trans)Jordan	1948	1949	60,000	1,000
Syria	1948	1949	300,000	1,000

The Sinai Campaign of 1956

State	Entry	Exit	Combat Forces	Losses
Britain	1956	1956	2,000	20
Egypt	1956	1956	300,000	3,000
France	1956	1956	1,000	10
Israel	1956	1956	175,000	231

The Six Day War

State	Entry	Exit	Combat Forces	Losses
Egypt	1967	1967	400,000	10,000
Iraq	1967	1967	250,000	2,000
Israel	1967	1967	200,000	776
Jordan	1967	1967	60,000	5,000
Syria	1967	1967	300,000	1,000

Yom Kippur War

State	Entry	Exit	Combat Forces	Losses
Egypt	1973	1973	400,000	5,000
Iraq	1973	1973	400,000	5,000
Israel	1973	1973	200,000	2,688
Jordan	1973	1973	60,000	1,000
Syria	1973	1973	350,000	8,000

UN Security Council Resolution 1368

Resolution 1368 (2001)
Adopted by the Security Council at its 4370th meeting,
On 12 September 2001

The Security Council,
Reaffirming the principles and purposes of the Charter of the United Nations,

Determined to combat by all means threats to international peace and security
Caused by terrorist acts,

Recognizing the inherent right of individual or collective self-defense in accordance with the Charter,

1. Unequivocally condemns in the strongest terms the horrifying terrorist attacks which took place on 11 September 2001 in New York, Washington, D.C. and Pennsylvania and regards Such acts, like any act of international terrorism, as a threat to international peace and Security;
2. Expresses its deepest sympathy and condolences to the victims and their families and to the People and Government of the United States of America;
3. Calls on all States to work together urgently to bring to justice the perpetrators, organizers and sponsors of these terrorist attacks and *stresses* that those responsible for aiding, supporting or harboring the perpetrators, organizers and sponsors of these acts will be held accountable;
4. Calls also on the international community to redouble their efforts to prevent and suppress terrorist acts including by increased cooperation and full implementation of the relevant International anti-terrorist conventions and Security Council resolutions, in particular Resolution 1269 (1999) of 19 October 1999;
5. Expresses its readiness to take all necessary steps to respond to the terrorist attacks of 11 September 2001, and to combat all forms of terrorism, in accordance with its responsibilities Under the Charter of the United Nations;
6. Decides to remain seized of the matter.

Appendix.14

The Map of Studies
Counting Afghan Civilian Casualties

Author	Affiliation	Date released	Methodology	Published raw data?	Deaths
Marc Harold	Faculty at University of New Hampshire	Dec. 10, 2001 and updated continually	Dec. 10, 2001 and updated continually	Yes	3,100-3,600
Francoise Chipaux	Reporter at *Le Monde*	Dec. 13, 2001	?	No	Over 1,000 during first 2 mos.
Reuters	*Reuters* news wire service	Jan. 3, 2002	Sample of 14 incidents	No	982
Carl Conetta	*Project on Defense Alternatives*	Jan. 18, 2002	Relied upon only Western news reports	No,	1,000 - 1,300
Laura King et. el.	*Associated Press* writers	Feb. 11, 2002	Press reports, interviews	No,	500 - 600
John Donnelly and Anthony Shadid	Reporters for *Boston Globe*	Feb. 17, 2002	Sample of 14 incidents	Yes,	830
David Zucchino	Reporter for *Los Angeles Times*	June 2, 2002	Universe of 194 incidents	No,	1,067-1,200
Marla Ruzicka	Staff member of *Global Exchange*	July 20, 2002-in-progress	Sample of 11 bombing'sites'interviews	No,	812
Dexter Filkins	Reporter for *New York Times*	July 21, 2002	Sample of 11 incidents	Yes,	396
Marc Herold	Faculty at University of New Hampshire	in-progress	40 in-depth case studies	Yes	870-1,000

Appendix 15

Province populations and cluster Allocation*

Province	Mid-year 2004 population	Number of clusters
Baghdad	6,500,000	12
Ninewa	2,521,300	5
Basrah	1,981,900	3
Sulamaniyah	1,605,600	3
Thi-Qar	1,538,900	3
Babylon	1,408,700	3
Erbil	1,334,200	3
Diyala	1,271,300	3
Anbar	1,271,000	3
Salah Al-Din	976,100	2
Najaf	950,200	2
Wassit	938,700	1
Qadissiya	915,600	1
Tameem	881,500	1
Missan	848,300	1
Dahuk	817,400	0
Kerbala	741,700	1
Muthanna	569,900	0
Total	27,072,200	47

* excludes 3 clusters misattributed by the survey team

Appendix 16

Operation Enduring Freedom
Demographics of Military Deaths

(As of June 25, 2005)

Casualty Type	Totals	Army	Navy	Air Force	Marines
Hostile	80	62	4	6	8
Non hostile					
Total	194	138	15	20	21
Male	188	135	15	19	19
Female	6	3		1	21
Total	194	138			
Officer	29	19	3	3	4
E5-E9	92	64	8	7	13
E1-E4	73	55	4	10	4
Total	194	138	15	20	21
<22	39	27	3	7	2
22-24	27	17	2	5	3
25-30	51	39	1	6	5
31-35	34	26	5		3
>35	43	19	4	2	8
Total	194	138	15	20	21
Active	157	104	15	28	20
Reserve	14	12		2	
National Guard	23	22			1
Total	194	138	15	20	21
American Indian or Alaska Native	1				1
Asian	1	1			
Black or African American	14	10	2		2
Hispanic or Latino	18	14		2	2
Multiple races, pending, or unknown	1	1			
White	156	110	13	16	17
Total	194	138	15	20	21

Operation Iraqi Freedom — Military Deaths
May 1, 2003 - June 25, 2005
(As of June 25, 2005)

Casualty Type	Totals	Army	Navy	Marines Air	Force
Hostile	1,219	828	20	366	5
Hostile	373	266	10	86	10
Total30	1,592	1,095	30	452	15
Male	1,554	1,061	28	450	15
Female	38	34	2	2	
Total	1,292	1,095	30	452	15
Officer	160	122	3	31	4
E5-E9	498	416	11	63	6
E1-E4	934	557	16	358	3
Total	1,592	1,095	30	452	15
<22	483	272	4	204	3
22-24	376	240	4	132	
25-30	391	294	7	84	6
31-35	151	124	7	18	2
>35	191	165	84	14	4
Total	**1,592**	1,095	30	452	15
Active	1,226	803	18	393	12
Reserve	140	66	12	59	5
National Guard	226	226			
Total	**1,592**	1,095	30	452	15
American Indian or Alaska Native	13	6		7	
Asian	29	15	2	12	
Black or African American	162	136	3	20	3
Hispanic or Latino	172	102	2	65	3
Multiple Races, pending or unknown	20	18	1		1
Native Hawaiian or Pacific islander	15	14		1	
White	**1,181**	804	22	347	8
Total	**1,592**	**1,095**	**30**	**452**	15

Appendix 17

BBC World Service Poll

Detailed Results

Views of United States' Influence

By Country

	Mainly positive	Mainly negative	Depends/ neither	Don't know
Argentina	13	64	7	16
Australia	29	60	11	0
Brazil	29	57	8	5
Chile	32	51	8	8
China	28	52	12	9
Egypt	11	59	29	1
France	24	69	5	1
Germany	16	74	9	1
Great Britain	33	57	7	3
Hungary	29	31	28	12
India	30	28	24	17
Indonesia	21	71	6	3
Italy	35	47	15	4
Kenya	70	20	4	7
Lebanon	34	58	7	0
Mexico	12	53	21	14
Nigeria	72	20	6	2
Philippines	72	11	14	3
Poland	38	24	20	19
Portugal	29	55	14	1
Russia	19	59	16	6
South Korea	35	54	11	1
Turkey	7	69	15	9
UAE	25	57	18	1
USA	57	28	13	1

Appendix 17

BBC World Service Poll
Detailed Results

Opinions of the US Government's Handling of The War in Iraq
By Country

	Strongly approve	Somewhat approve	Somewhat disapprove	Strongly disapprove	Don't know
Argentina	1	2	6	86	6
Australia	7	13	19	59	2
Brazil	5	7	15	70	3
Chile	5	18	20	45	12
China	2	6	22	61	9
Egypt	4	6	11	79	1
France	1	4	13	79	2
Germany	3	8	22	66	1
Great Britain	4	9	24	57	5
Hungary	3	9	33	37	18
India	22	22	20	21	16
Indonesia	4	8	27	58	3
Italy	4	11	18	63	5
Kenya	39	20	11	21	10
Lebanon	3	5	13	77	0
Mexico	4	9	14	66	7
Nigeria	31	26	17	22	4
Philippines	26	29	15	19	11
Poland	5	17	30	22	27
Portugal	5	11	22	61	2
Russia	1	4	32	50	12
South Korea	3	18	42	36	1
Turkey	3	3	28	62	3
UAE	10	8	10	70	1
USA	18	23	17	40	2

Appendix 17

BBC World Service Poll
Detailed Results

Opinions of the US Government's Handling of Detainees in Guantanamo
By Country

	Strongly approve	Somewhat approve	Somewhat disapprove	Strongly disapprove	Don't know
Argentina	1	2	4	74	19
Australia	7	11	20	57	5
Brazil	5	8	18	58	11
Chile	3	12	18	45	22
China	2	10	20	39	29
Egypt	4	3	17	70	7
France	3	5	15	67	11
Germany	3	6	19	70	3
Great Britain	4	10	25	51	10
Hungary	1	6	22	47	23
India	14	20	18	21	26
Indonesia	3	9	29	43	16
Italy	4	6	18	64	9
Kenya	19	15	14	24	27
Lebanon	6	3	9	71	0
Mexico	3	12	41	29	15
Nigeria	18	27	24	14	17
Philippines	12	24	16	16	32
Poland	2	6	28	33	31
Portugal	2	6	18	66	9
Russia	1	6	26	31	36
South Korea	4	21	42	18	15
Turkey	2	1	22	63	11
UAE	4	10	9	68	9
USA	17	22	21	29	11

BBC World Service Poll

Opinions on the US Military Presence in the Middle East

By Country

	Stabilizing force	Provokes more conflict than it prevents	Both/ neither	Don't know
Argentina	3	86	2	9
Australia	18	72	7	3
Brazil	8	83	4	5
Chile	14	68	3	15
China	12	72	3	14
Egypt	14	85	1	0
France	9	80	6	5
Germany	17	73	8	2
Great Britain	14	72	3	11
Hungary	13	58	8	21
India	20	38	14	28
Indonesia	9	83	1	7
Italy	17	69	6	8
Kenya	40	46	3	11
Lebanon	15	77	6	0
Mexico	10	80	2	8
Nigeria	49	38	7	6
Philippines	41	39	9	11
Poland	16	56	9	20
Portugal	15	77	5	3
Russia	7	72	8	13
South Korea	17	75	4	4
Turkey	4	76	6	13
UAE	17	66	10	7
USA	33	53	6	8

۱۔ ابراہیم آغا، میجر جنرل، اللہ کی تلوار: اسلام آباد، نیشنل بک فاؤنڈیشن ، ۱۹۷۵ء

۲۔ ابوالکلام آزاد، رسول رحمت ﷺ : لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۸۱ء

۳۔ ابوالبشار قاسمی، اسلام اور فدائی حملے: ڈھاکہ، کتب خانہ دینیہ، ۲۰۰۴ء

۴۔ ابوالحسن علی ندوی، انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کے اثرات : کراچی، مجلس نشریات اسلام، ۱۹۷۲ء

۵۔ ابوالحسن علی ندوی، نبی رحمت ﷺ : کراچی، مجلسِ نشریات اسلام، ۱۹۸۱ء

۶۔ احسان، رسول ﷺ میدانِ جہاد میں : کراچی، پاک پبلشرز لمیٹڈ، ۱۹۶۸ء

۷۔ احمد امین مصری، مترجم۔عمر احمد عثمانی، اسلام پر کیا گزری : لاہور، دوست ایسوسی ایٹس، ت۔ن

۸۔ ارشد خان بھٹی، سیرت النبی ﷺ : لاہور، اصباح الادب، ۱۹۶۷ء

۹۔ اسرار احمد، ڈاکٹر ، نبی اکرم ﷺ کا مقصد بعثت: لاہور، مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن، ۱۹۸۹ء

۱۰۔ اسعد گیلانی، رسول ﷺ کا حکمت انقلاب : لاہور، ادارہ ترجمان القرآن، ۱۹۸۱ء

۱۱۔ اسعد گیلانی ، حضور ﷺ اور ہجرت: لاہور، ادارہ ترجمان القرآن، ۱۴۰۱ھ

۱۲۔ اسمعیل ظفر آبادی، ہادی کونین ﷺ : رحیم یار خان، ادارہ طبی شاہکار، ۱۹۷۶ء

۱۳۔ اصلاحی، امین احسن، تدبر قرآن : لاہور، فاران فاؤنڈیشن، ۱۹۸۴ء

۱۴۔ اصلاحی، صدر الدین، اسلام ایک نظر میں: لاہور، اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ، ت۔ن

۱۵۔ اصلاحی، صدر الدین، اساسِ دین کی تعمیر: لاہور، اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ ، ۱۹۶۹ء

۱۶۔ اعظم یار جنگ، تحقیق الجہاد: مترجم۔غلام الحسین پانی پتی، کراچی، نفیس اکیڈمی، ۱۹۶۷ء

۱۷۔ افضل حق، محبوب خدا ﷺ : لاہور، قومی کتب خانہ، ۱۹۶۹ء

۱۸۔ افغان ریحان، اسلامی تہذیب بمقابلہ مغربی تہذیب : لاہور، دار التذکیر، ۲۰۰۴ء

۱۹۔ اکبر شاہ نجیب آبادی، تاریخ اسلام: کراچی، نفیس اکیڈمی، ۱۹۸۱ء

۲۰۔ اکبر خان، کروسیڈ اور جہاد : لائل پور، نگار پریس، ۱۹۶۱ء

۲۳۔ امداد صابری، رسول خدا کا دشمنوں سے سلوک: لاہور، سنگ میل پبلیکشنز، ت۔ن

۲۴۔امیر علی، تاریخ اسلام: مترجم۔باری علیگ، لاہور، تخلیقات، ۲۰۰۳ء

۲۵۔امیر علی ،مترجم۔حادی حسین، روح اسلام: لاہور، ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۷۲ء

۲۶۔انور علی، شیخ فقیر محمّد، اسلام دینِ حق : کراچی، سیّد پبلیکشنز، ۱۹۸۰ء

۲۷۔ باشمیل ،محمد احمد، غزوہ بدر : کراچی ،نفیس اکیڈمی ،۱۹۸۶ء

۲۸۔ باشمیل ،محمد احمد، غزوہ حنین: کراچی ،نفیس اکیڈمی ،۱۹۸۸ء

۲۹۔ باشمیل ،محمد احمد غزوہ بنوقریظہ : کراچی ،نفیس اکیڈمی ،۱۹۸۶ء

۳۰۔ باشمیل ،محمد احمد ، غزوہ موتہ ،کراچی ،نفیس اکیڈمی ،۱۹۸۶ء

۳۱۔ برکات احمد، (مترجم) مشیر الحق ،رسول اکرم ﷺ اور یہود اور حجاز : نئی دھلی، مکتبہ جامعہ، ۱۹۸۵

۳۲۔ بٹ، محمد احسن ، جدید اسرائیل کی تاریخ : لاہور، دارالشعور، ۲۰۰۷ء

۳۳۔ بخاری، اسرار الرحمٰن بخاری، اسلام کے کارہائے نمایاں، لاہور، نیو بکس ،ت۔ن

۳۴۔ بخاری، محمود شاہ، پیکارِ مسلسل : لاہور، عزیز بک ڈپو ، ۱۹۷۸ء

۳۵۔ بشیر احمد، تاریخ اسلام: لاہور، نیو بک پیلس ، ت۔ن

۳۶۔ بلیغ الدین جاوید ، جنگ اسرائیل: لاہور، اورینٹل پبلیشرز ، ت۔ن

۳۷۔ تاج کمپنی لمیٹڈ ،اسلام کیا سکھاتا ہے : لاہور، تاج کمپنی لمیٹڈ، ت۔ن

۳۸۔ توکلی، محمد نور بخش، سیرت رسول میدان جنگ میں : لاہور، پنجاب بک ڈپو، ۱۹۸۵ء

۳۹۔ تھانوی، مولانا اشرف علی، سیرت رسول ﷺ : کراچی، سعید کمپنی، ت۔ن

۴۰۔ تھانوی، مولانا اشرف علی، تعلیمات حکیم الامت : حیدر آباد ،سندھ نیشنل اکیڈمی ٹرسٹ، ۲۰۰۱ء

۴۱۔ ثانی، ڈاکٹر حافظ ،سیرت تجلیات : کراچی، فضلی سنز (پرائیویٹ لمیٹڈ) ۱۹۹۶

۴۲۔ ثانی، ڈاکٹر حافظ محسن انسانیت ﷺ اور انسانی حقوق : کراچی، دارالاشاعت، ۱۹۹۹ء

۴۳۔ جامی نور حسین، رسول مقبول ﷺ : لاہور، میجر کتب خانہ، ت۔ن

۴۴۔ جعفری، سیّد آصف جاہ، سرور کائنات (ﷺ): ملتان، عاتکہ پرنٹر، ۲۰۰۳ء

۴۷۔ حبیب الحق ندوی، *فلسطین اور بین الاقوامی سیاسیات* : کراچی، مشرق پریس، ت۔ن

۴۸۔ حسن ابراہیم، مترجم۔علیم اللہ صدیقی، *مسلمانوں کی سیاسی تاریخ*: لاہور، مجلس ترقی ادب، ت۔ن

۴۹۔ حسینی، پروفیسر عطاءاللہ، *اسلامی نظام* : کراچی گردیزی پبلیشرز، ت۔ن

۵۰۔ حفظ الرحمٰن، سیوہاروی، *قصص القرآن* : کراچی، دارالاشاعت، ت۔ن

۵۱۔ حفیظ الرحمٰن، *تحقیقِ اول* : کراچی، قرۃ العین، ۲۰۰۵ء

۵۲۔ حقانی عبدالقیوم، *اسلامی انقلاب* : کوڑہ خٹک، موتمر المصنفین دارالعلوم حقانیہ، ۱۹۹۱ء

۵۳۔ حمیدالدین، *تاریخ اسلام*: کراچی، فیروزسنز پرائیویٹ لمیٹڈ، ۱۹۸۷ء

۵۴۔ حمیداللہ، *عہدِ نبوی کے میدانِ جنگ* : لاہور، مکتبہ پاکستان، ت۔ن

۵۵۔ حمیداللہ، *رسول ﷺ کی سیاسی زندگی* : لاہور، ادارہ اسلامیات، ۱۳۲۹ھ

۵۶۔ حمیداللہ، مترجم۔ابویحیٰ امام خان نوشہروی، *سیاسی وثیقہ جات از عہدِ نبوی تا خلافت راشدہ* : لاہور، مجلسِ ترقی ادب، ۱۹۶۰ء

۵۷۔ خالد اسمٰعیل، *مطالعہ نقوش سیرت ﷺ* : کراچی، طاہر سنز، ۲۰۰۰ء

۵۸۔ خالد علوی، *انسانِ کامل* : لاہور، یونیورسٹی بک ایجنسی، ۱۹۷۴ء

۵۹۔ راجہ، محمد شریف، *شہدائے عہدِ نبوی* : جوہر آباد، زاہد اکیڈیمی، ۱۹۷۴ء

۶۰۔ راجہ، محمد شریف، *عہدِ نبوی کے فوجی کمانڈر* : جوہر آباد، زاہد اکیڈیمی، ۱۹۷۷ء

۶۱۔ راضی محمد ولی، *ہادیِ عالم* : کراچی، دارالعلم، ۱۹۸۷ء

۶۲۔ ربانی، ڈاکٹر غلام عزیز، *سیرت طیبہ*، لاہور، مکتبہ تعمیر انسانیت، ۱۹۹۰ء

۶۳۔ رشید اختر ندوی، *طلوعِ اسلام* : لاہور، تاج کمپنی لمیٹڈ، ۱۹۵۷ء

۶۴۔ رشید اختر ندوی، *تہذیب وتمدن* : لاہور، مطبوعات ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۵۵ء

۶۵۔ رشید اختر ندوی، *مسلمان حکمران* : ادارہ معارف ملی، اسلام آباد، ت۔ن

۶۶۔ رضا خان، *تاریخِ مسلمانانِ عالم* : لاہور، علمی کتب خانہ، ۱۹۷۲ء

۶۷۔ رضا خان، *قدیم وجدید تاریخ مسلمانانِ عالم* : لاہور، علمی کتب خانہ، ۱۹۸۳ء

۷۰۔ سبط حسین، ماضی کے مزار : مکتبہ دانیال، ۱۹۶۹ء

۷۱۔ سراج الاسلام، جدید تاریخ یورپ : طاہر سنز،۱۹۸۹ء،

۷۲۔ سلمان منصور پوری، رحمۃ للعالمین : لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز ، ت۔ن

۷۳۔ سلمان ندوی، تاریخ ارض القرآن : اعظم گڑھ، مطبع المعارف، ۱۳۴۲ھ

۷۴۔ سلیم یزدانی، نبی اکرم ﷺ : کراچی ، مجلس شاہ فرید، ۱۹۸۵ء

۷۵۔ سیموئل پی وائنگٹن ، مترجم۔عبدالمجید طاہر تہذیبوں کا تصادم : لاہور، نگارشات پبلشرز، ۲۰۰۶ء

۷۶۔ شاہ بلیغ الدین ، رزم حق و باطل : کراچی، پیراڈائز سبکسریشن ایجنسی ، ت۔ن

۷۷۔ شاہ معین الدین احمد ندوی ، تاریخ اسلام : کراچی، غضنفر اکیڈمی، ۱۹۷۵ء۔

۷۸۔ شاہد محمود، ناقابلِ فراموش واقعات : لاہور ، پروگریسو بکس ، ۱۹۹۰ء

۷۹۔ شاہ ولی اللہ (محدث دہلوی)، مترجم۔مولانا عبدالرحیم حجۃ البالغۃ : لاہور ، اردو اکادمی ناشرانِ کتب ، ۱۹۷۷ء

۸۰۔ شبلی نعمانی سیرۃ النبی ﷺ :لاہور ، ناشرانِ قرآن لمیٹڈ، ت۔ن

۸۱۔ شبیر احمد صاحب ، فیوض الاسلام ، فتوح الشام : کراچی ، کتاب خانہ اشرافیہ، ت۔ن

۸۲۔ شمس الرحمان، دفاع اور جنگی تیاریوں کا اسلامی تصور : راولپنڈی، شعبہ دینی تعلیمات، آرمی ایجوکیشن ڈائریکٹوریٹ،۱۹۸۱ء

۸۳۔ شیخ سجاد حسین ، فلسطین و لبنان : کراچی ، آزادی قدس پبلیشرز، ۲۰۰۱ء،

۸۴۔ شیخ محمد رمضیق ، تاریخ اسلام : لاہور، نقوش پریس، ۱۹۶۷ء

۸۵۔ شیخ احمد دیدات ، مترجم۔فواز نیاز ،اکرم طیّب ، عرب اسرائیل تنازع : کراچی، جہانگیر بک ڈپو، ۲۰۰۶ء

۸۶ شفیع محمد مفتی، معارف القرآن ،کراچی ،ادارۃ المعارف،۱۹۷۲ء

۸۷۔ صبحی صالح، مترجم۔ پروفیسر غلام احمد حریری، علوم القرآن : ملک سنز پبلیشرز، فیصل آباد ، ۱۹۸۶ء

۸۸۔ صدیق قریشی، پروفیسر، رسول اکرم کی سیاست خارجہ : لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۸۱ء

۹۱۔ صفی الرحمٰن مبارک پوری ، *الرحیق المختوم*: لاہور، المکتبۃ السلفیۃ، ت۔ن
۹۲۔ صفی الرحمٰن مبارک پوری ، *مختصر سیرۃ النبی ﷺ* ،لاہور، دارالاندلس،ت۔ن
۹۳۔ طٰہٰ حسین، مترجم، رشید احمد ارشد، *نقوش سیرت* : کراچی، نفیس اکیڈمی، ۱۹۸۵ء
۹۴۔ عبدالحی ، *اسوہ رسول ﷺ* : کراچی، سعید کمپنی، ۱۹۷۸ء
۹۵۔ عبدالحلیم شرر ، *تاریخ اسلام*: لاہور،مقبول اکیڈمی ، ۱۹۸۸ء
۹۶۔ عبدالرشید، *اسلامی ریاست وحکومت*: کراچی، علمی کتاب گھر ، ۱۹۸۶ء
۹۷۔ عبدالصمد،*سیرت نبوی ﷺ اور سیرت نگاری کا خصوصی مطالعہ* : کراچی، یونیورسل پبلشرز ، ۲۰۰۱ء
۹۸۔ عبدالصمد رحمانی ، *حیات پیغمبر اعظم* : لاہور ، مکتبہ عالیہ ، ۱۹۸۷ء
۹۹۔ عبدالمقتدر،*سیرت طیبہ محمد رسول اللہ (ﷺ)* : لاہور ، الفضیل ناشران وتاجران کتب ، ۱۹۸۹ء
۱۰۰۔ عزیز الرحمٰن، مفتی،*رسالتمآب ﷺ* : لاہور، شہزاد پبلیشرز ، ت۔ن
۱۰۱۔ عزیز، محمد ڈاکٹر، *پیغام اور پیغمبر* :کراچی، نفیس اکیڈمی، ۱۹۸۴ء
۱۰۲۔ عزیز، محمد ومولانا مسعود علی ندوی، *تاریخ اسلام*:نیشنل بک فاؤنڈیشن،اسلام آباد، ۱۹۷۲ء
۱۰۳۔ عبداللطیف انصاری ، *تاریخ عالمِ اسلام* : کراچی ، المؤتمر العالم الاسلامی ، ۱۹۸۶ء
۱۰۴۔ عبدالوہاب ظہوری ، مترجم۔عبداللہ عنان، *تاریخ اسلام کے حیرت انگیز لمحات*:کراچی ، شیخ شوکت علی اینڈ سنز ، ۱۹۶۱ء
۱۰۵۔ عبدالوحید خان، *پیغمبر آخرالزماں : حضرت محمد ﷺ کی شخصیت* ، عبدالوحید خان، ۱۹۹۶ء
۱۰۶۔ عبیداللہ قدسی، *رحمت للعلمین* : کراچی، احمد جمال ، ۱۹۷۹ء
۱۰۷۔ عظیمی، شمس الدین ، *محمد رسول اللہ ﷺ* : کراچی، الکتاب پبلیکشنز ، ۲۰۰۳ء
۱۰۸۔ علی اکبر رضوی ،*تاریخِ اسلام کا سفر*: کراچی ،ادارہ ترویج کلام ، ۲۰۰۳ء
۱۰۹۔ علی محمد شاہین، *تاریخ اسلام*،کراچی، مکتبہ فریدی، ۱۹۸۵ء
۱۱۰۔ علی محمد ، *اتحاد اور جہاد*،کراچی، طارق برادرز، ۱۹۹۶ء۔
۱۱۱۔ عنایت اللہ سوہدری،*رسول کائنات*،لاہور،نذیر سنز پبلیشرز، ت۔ن

۱۱۴۔ عین الحق ، قدیم مشرق ،: کراچی، مکتبہ فریدی، ۱۹۵۸ء

۱۱۵۔ عین الحق ، تاریخ اسلام : کراچی، جاوید پریس،۱۹۶۳ء۔

۱۱۶۔ فاروق ایم ڈی، تاریخ محمد ﷺ : اسلام آباد ، ادارہ اشاعت قرآن وتاریخ، ۱۹۹۲ء

۱۱۷۔ فرخ ملک، مسلمانوں کی کردارکشی : لاہور، ڈاکٹر فرخ ملک ٹرسٹ، ۲۰۰۶

۱۱۸۔ فرمان علی چوہدری، صوبیدار، ایمان تقوی جہاد فی سبیل اللہ : لاہور مکتبہ حنفیہ لمیٹڈ، ۱۹۸۱ء

۱۱۹۔ فضل کریم شیخ، جدید دنیائے اسلام، لاہور، نیو بک پیلس ، ت۔ن

۱۲۰۔ فیوض الرحمان، بریگیڈیئر، نامور سپہ سالار :راولپنڈی،شعبہ دینی تعلیمات جنرل ہیڈکوارٹرز، ۱۹۹۵ء

۱۲۱۔ قاسمی، اخلاق حسین، رسول اکرم ﷺ کی انقلابی سیرت : لاہور، مکتبہ تعمیر انسانیت، ۱۹۹۰ء

۱۲۲۔ کوثر نیازی، اسلام ہمارا دین ہے : لاہور، فیروز سنز لمیٹڈ، ۱۹۷۲ء

۱۲۳۔ کوثر نیازی ، وکرر سول: لاہور: جنگ پبلشرز ،۱۹۸۹ء

۱۲۴۔ کوثر، انعام الحق ڈاکٹر ، سیرت پاک کی خوشبو : کوئٹہ ، سیرت اکیڈیمی بلوچستان، ۱۹۹۳ء

۱۲۵۔ کیرن آرم اسٹرانگ ، (مترجم)، محمد احسن بٹ، مسلمانوں کا سیاسی عروج وزوال : لاہور، نگارشات، ت۔ن

۱۲۶۔ گوہر رحمان، اسلامی ریاست : مردان، دارالعلوم تفہیم القرآن ،۱۹۸۱ء

۱۲۷۔ گلزار احمد، بریگیڈیئر ، غزوات رسول ﷺ : لاہور ، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، ۱۹۸۶ء

۱۲۸۔ لوئس ایل سنائیڈر رم ، مترجم۔غلام رسول مہر، جنگِ عظیم : لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز ، ت۔ن

۱۲۹۔ لیفٹننٹ جنرل سر میکمن (،مترجم،)، ریاض صدیقی، افغانستان دارا سے امان تک، کوئٹہ، یونائٹڈ پرنٹرز، 1987

۱۳۰۔ مبشر حسین، جہاد اور دہشت گردی: لاہور ، مبشر اکیڈیمی ، ۲۰۰۳ء

۱۳۱۔ مجید خدری، غلام رسول مہر، اسلام اور قانون جنگ وصلح : لاہور، مکتبہ معین الادب ، ۱۹۵۹ء

۱۳۲۔ محبوب رضوی، رسول ﷺ کے مکتوبات و معاھدات : دیوبند ، علمی مرکز ادارہ تاریخ ت۔ن

۱۳۳۔ محمد بن علی وہاب ، خلیج کا بحران :کراچی، یونائٹڈ بک کارپوریشن ، ۱۹۹۱ء

۱۳۴۔ محمود خطاب شیت ، آنحضرت ﷺ بحیثیت سپہ سالار : لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز ت۔ن

۱۳۵۔ مصطفیٰ زمانی ، بت شکن :کراچی، جامعات تعلیماتِ اسلامی، ۱۹۹۹ء

۱۳۸۔ معارف شاہ شیرازی، *اسلام اور دہشت گردی*: لاہور، ادارہ منشورات اسلامی، ۱۹۹۸ء

۱۳۹۔ مقبول احمد *تمدن عرب*: ملک مقبول اکیڈیمی، لاہور، ۱۹۴۰ء

۱۴۰۔ ملک غلام علی، *اسلام کا نظام قانون*: کراچی، کتبہ چراغ راہ، ۱۹۶۰ء

۱۴۱۔ ممتاز لیاقت، *تاریخ بیت المقدس*: لاہور، سنگ میل پبلیکشنز، ۱۹۷۲ء

۱۴۲۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، *اسلامی نظام زندگی اور ان کے بنیادی تصورات*، لاہور، اسلامک پبلیکشنز لمیٹڈ، ت۔ن

۱۴۳۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، *تفہیم القرآن*: لاہور، مکتبہ تعمیر انسانیت، ۱۹۷۲ء

۱۴۴۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، *سیرت سرور عالم ﷺ*: لاہور، ادارہ ترجمان القرآن، ۱۹۷۸ء

۱۴۵۔ نصیر احمد جامعی، *مشہور اسلامی جنگیں*: لاہور، احسن برادرز، ت۔ن

۱۴۶۔ نصیر احمد ناصر، *پیغمبر اعظم و آخر ﷺ*: لاہور، فیروز سنز، ت۔ن

۱۴۷۔ نواب علی، *سیرت رسول اللہ*: کراچی، مکتبہ افکار، ۱۹۳۱ء

۱۴۸۔ نور اسلام، *رسول خدا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ*: کراچی، دار الثقافت اسلامیہ، ۱۹۹۱ء

۱۴۹۔ وحید الدین زمان، *پیغمبر انقلاب*: کراچی، فضلی سنز لمیٹڈ، ۱۹۸۲ء

۱۵۰۔ وحید الدین خان، *پیغمبر انقلاب*: لاہور، المکتبہ الاشرافیہ، ۱۹۸۳ء

۱۵۱۔ وکٹر ای مارسڈن، مترجم۔محمد یحییٰ خان، *یہودی پروٹوکولز*: لاہور، نگارشات، ۲۰۰۴ء

۱۵۲۔ یوسف ظفر، **یہودیت**: لاہور، نفیس پرنٹر، ۱۹۸۲ء

۱۵۴۔ ابن حجر، شہاب الدین ابی الحسن العسقلانی، *فتح الباری*، مصر، شرکۃ مکتبۃ ومطبعۃ مصطفی البابی الحلبی، واولادہ۔ ۱۰۵۹ھ

۱۵۵۔ ابن خلدون، عبدالرحمٰن بن محمد بن خلدون، *تاریخ ابن خلدون*، بیروت، موسسۃ جمال، للطباعۃ والنشر، س ن

۱۵۶۔ ابن سعد، *طبقات الکبریٰ*، بیروت، دار سادر، ۹۶۵ھ

۱۵۷۔ ابن قیم، الجوزیہ، *زاد المعاد*، مکتبہ المنار الاسلامیہ، ۱۹۷۹ء

۱۵۸۔ ابن کثیر، عماد الدین ابن کثیر القرشی، *تفسیر ابن کثیر*، بیروت، دار احیاء التراث العربی، ۱۹۶۹ء

۱۵۹۔ ابن کثیر، عماد الدین ابن کثیر القرشی، *البدایہ والنھایہ*، مصر، الکتب العالمیۃ الاسلامیہ، ۱۳۴۸ھ

۱۶۰۔ ابن ماجہ، ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ، *سنن ابن ماجہ*، دھلی، المطبع الفاروق، ۱۹۸۸ء

۱۶۱۔ ابن ہشام، ابی محمد بن عبدالملک، بن ہشام المعافری، *السیرۃ النبویہ*، القاہرہ، مکتبۃ الکلیۃ الازہریۃ

۱۶۲۔ احمد حسن الزیارت، *تاریخ الادب العربی*، مصر، مصبعۃ الاعتماد، ۱۹۳۵ء

۱۶۳۔ الطبری، ابی جعفر محمد بن جریر الطبری، *تاریخ الطبری*، قاہرہ، دار المعارف المصر

۱۶۴۔ الطبری، ابی جعفر محمد بن جریر الطبری، *جامع البیان عن تاویل القرآن*، مصر، شرکۃ مکتبۃ ومطبعۃ البابی الحلبی، ۱۹۶۸ء

۱۶۵۔ السیوطی، جلال الدین *سنن النسائی*، بیروت، دار احیاء التراث العربی،

۱۶۶۔ السیوطی، جلال الدین، *الاتقان فی علوم القرآن*، مصر مصطفیٰ البابی، ۱۹۵۱ء

۱۶۷۔ امام مالک *موطا*، مصر، مصطفیٰ البابی ۱۹۵۱ء

۱۶۸۔ بخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسمٰعیل بخاری، *صحیح بخاری*، استنبول، المکتبۃ الاسلامیۃ، ۱۹۸۱ء

۱۶۹۔ بولس سلامہ، *المعلقات العشر*، بیروت، دار صادر، ۱۹۸۱ء

۱۷۰۔ علاء الدین ابی بکر مسعود الکاسانی، *بدائع والصنائع*، مصر، مطبعۃ الجمالیۃ، ۱۹۱۰ء

۱۷۱۔ علامہ یوسف بن سلمان بن عیسی الاندلسی، *اشعار الشعراء الستۃ الجاھلین دار الکفر*، بیروت، دار صادر، ۱۹۸۲ء

۱۷۲۔ عیسیٰ سابا، *شعراء الشوأل*، بیروت، مکتبہ صادر، ۱۹۵۱ء

۱۷۳۔ مسلم بن حجاج القشیری *صحیح مسلم*، بیروت، احیاء التراث العربی، ۱۹۵۵

۱۷۴۔ واقدی، محمد بن عمر *کتاب المغازی للواقدی*، لندن، المطبعۃ الجامعۃ آکسفورڈ، ۱۹۶۶ء

(English Books)

178 - Abba, Eban , My people: ***The story of the Jews.*** (New York: Random House)1968

179 - Abbas Alnasrawi, ***The Economy of Iraq***, (Westport, CT: Greenwood Press) 1994

180 - Amatzia Baram & Barry Robin, ***Iraq's road to war***, (Hound mils, Macmillan Press Ltd) 1994

181- Anwar el-Sadat, ***In Search of Identity, An Autobiography*** (New York: Harper&Row)1978

182 - Anthony H.Cordesman and others, ***The Arab-Israeli Conflicts*** **1973-1989** (Boulder CO: West view Press,) 1990.

183 - Arun bhattachar, ***A History of modern world (1914-1941),*** (New Dheli: Ashish Publishing house) 1991

184 - Arnold,Thomas, ***The preaching of Islam*** ,(Lahore:Shirkat-I-Qulam) 1913

185- ESSO foundation for Palestine ,**A study of Jewish Arab and British policies** , (New Heaven,Yale University Press)1949

186 - Bangas,Ghulam Taqi,***Iran, Iraq Relations*** (Peshawar: Hamidia Press)

187 - Benny Morris, Righteous Victims: *A History of the Zionist-Arab Conflict*,1881-1999 (New York: Alfred A. Knopf,) 1999

188- Black. C.E, &E.C Helmrich, ***Twentieth century Europe,*** (New York: Alfred- A- Knops) 1950

189- Bon Lawson, ***The United States in World War 1*** (New York: Scholastic Book Services) 1965

190- Bregman Ahron and Jihan el-Tahri, ***Israel and the Arabs: An Eyewitness Account of War and Peace in the Middle East*** (New York,TVBooks)2000

191- Bull,odd, ***War and peace in the Middle East, The experience and views of UN observer*** (London, cooper) 1976

192 Carl Clausewitz, Von, Tran- Coll J J.Graham, ***On War,*** (London,Rottledge) 1949

Press) 1939

195- CARR, E.H., ***International Relations Between the two world wars 1919-1939*** (London: Macmillan Press) 1947

196- Corbett, P.E. ***Post-war Worlds*** (New York: Farrar and Rinehart) 1942

197- Dakers, Caroline, ***The Countryside at war 1914-1918,*** (London:Constable) 1987

198- Dorpalen, Andreas, ***Europe in 20th century*** (New York: The Macmillan Company)1969

199- Dogger, Tufail Muhammad, ***Middle East today*** (Lahore: Dogger brothers)1958

200- Dupuy, Trevor N. Elusive Victory, ***The Arab-Israeli Wars,*** *1947-1974* (New York: Harper and Row)1978

201- Easum,Chester V ,***Half century of conflict,*** (New York: Harper & Brothers)1952,

202- Edward, Said, ***The politics of dispossession: the struggle for Palestinian self-determination,*** *1969-1994.* (New York: Vintage) 1995

203- Elisabeth,Bens and Mary , *Europe-1914-1939* (New York: Meredith Publishing Company) N.D

204- Eliot A. Cohen and John Gooch, ***Military Misfortunes: The Anatomy of Failure in War*** (New York: Free Press) 1990

205- ESPOSITO, ***Concise history of second world war,*** (New York: Fredrick A. Praeger) 1964

206- Fairis, N.A, ***The Crescent in Crises,*** (Lawrence: University of Kansas Press) 1955

207- Faruqi,Misbaul Islam, ***Jewish conspiracy and the Muslim world,*** (Karachi:Isabel Islam Faruqi) 1967

208- Fenwick, Charles G. ***International Law,*** (New York: Appleton Century-Crafts) 1948

209- Fay, S. B. ***The Origins of the World War*** (New York: L. Albertini) 1930

210 Flower,Desmond and James Reeves , ***The War 1939-1945,***

211- Frank , Robert Leckie, *The Story of World War I* (New York: Random
House) 1977

212- Frank, Robert H. ***Passions Within Reason: The Strategic Role of the Emotions*** (New York: W.W. Norton & Company) 1988

213- Fussell,Paul , ***The Great War and Modern Memory*** (London : oxford University press) 1977

214- Gavin, M.James , *War and peace in the space age,* (London: Hutchinson & Co, LTD) 1959

215- Gamerson,Garmes , *1914,* (London: Cassell and Company) 1959

216- Ghulam Muhammad, *The Middle East Crises,* (Karachi, Chiragh-e-Rah, publications) 1968

217- Gilbert, Felix (Institute of advanced study) ***The end of European era 1890 to the present*** (New York: W.W Norton & Company) 1970.

218- Green, N.A Maryan, ***International Law*** ,(Avon : Bath Press) 1987

219- Golani, Motti.*Israel in search of a war: The Sinai campaign 1955-1956* Portland1)1991

220- Haikal,Muhammad Nasser,***The Cairo documents*** (London:English library) 1975

221- Haim Bresheeth & Nira Yuval- Davis,***The Gulf War and the New World order*** (London, Zed Book Ltd) 1991,

222- Harkabi .Y, Trans. Misha Louvish , ***Arab Attitude to Israel*** (London: Valentine ,Mitchell) 1972

223- Harkabi, Yehoshafat, ***Arab Strategies and Israel's Response*** (U.S.A:Macmillan Publishing Co.)1977

224- Herzog, Chaim ,***The War of Atonement, October 1973*** (Boston: Little,Brown and Co)1975

225- Herzog, Chaim,***The Arab-Israeli Wars***,(Steimatz, Arm and Armour press) 1982

226- Henry Cattan LL.M, ***Palestine, The Arab and Israel*** New York : Longmans) 1969

227- Hersh, Seymour M. The Samson Option: ***Israel's Nuclear Arsenal and***

228- H. Hayes ,*Contemporary Europe since 1970* (N.Y: Macmillan) 1958
229- Hoffmann,***The state of War***, (N.Y: Frederick A. Praeger Publishers) 1955
230- Howard M. Sachar, *A History of Israel : From the Rise of Zionism to Our Time* (New York: Alfred A. Knopf) 1976
231- Hon,Right, ***Winston Churchill's War Speeches,*** (London: Cassell and company LTD) 1946
232- Hunt , Barry & Adrian Preston, ***War aims and strategic policy in the greater war*** (London: room Helm) 1914
233- Hurewitz, J. C. ***The Struggle for Palestine,*** (New York: Norton)1950
234- Hykal, Muhammad Hussain ,***The life of Muhammad*** (London: Sharrak) 1829
235- Iggers, George. G. ***Historiography in the twentieth century: From scientific objectivity to the postmodern challenge*** .(Hanover : Wesleyan University Press)1997
236- Issa Khalaf, ***Politics in Palestine : Arab Factionalism and Social Disintegration, 1939-1948, Series in the Social and Economic History of the Middle East*** (Albany: State University of New York Press), 1991
237- Isabella M.Massey, ***The Origins of the war of 1914,*** (London: Oxford University Press) 1957
238- Jabber ,Faud A. ***International Documents on Palestine 1967*** (Beirut : Institute of Palestine study) 1977
239- James, Irving L. ***Air war and Emotional Stress*** (U.S.A: The Rand series)1951
240- Kamran Mofid, ***The Economic Consequences of the Gulf War,*** (London : Routledge) 1990
241- Karrll , T.N, ***Diplomacy in Peace and War*** (New Dheli :Vikas publishing)1979
242- Karl W. Deutch, ***The Analysis of International Relations*** (U.S.A: Foundation of Modern political Series) 1968
243- Kelson,Hans,***Principle of International law*** ,(N.Y .Rinehart & Company INC) 1956

1997.

245- Khalidi, Walid, and Jill Khadduri, ***Palestine and the Arab-Israeli conflict: An annotated bibliography.*** (Beirut: Institute for Palestine Studies.)1974

246- Khalidi, Walid, ***From haven to conquest: Readings in Zionism and the Palestine problem until 1948.*** (Washington, DC: Institute for Palestine Studies) 1987

247- Khouri, Fred J. ***The Arab-Israeli Dilemma,*** (Syracuse, NY: Syracuse University Press), 1985

248- Kimball , Warren F., ***Churchill & Roosevelt "The Complete correspondence*** (NewJersey: Princeton University Press) 1984

249- Kirk, George , ***The middle East 1945-1950*** (London: Oxford University Press) 1954

250- Lawrence Freedmana and Efraim Karsh, ***The Gulf Conflict, 1990-1991, Diplomacy and war in the New World order*** (Princeton,N.J: Princeton University Press)1993

251- Lawson, Bon , ***The United States in World War 1*** (New York: Scholastic Book Services) 1965

252- Lenczowsk, George, ***The Middle East in the worlds affairs*** (N.Y Cornell University Press), 1952

253- Lieutenants. General E.L. M .Burns, ***Between Arab and Israeli*** the (Beirut :Institute for Palestine studies) 1962

254- Louis, Gotischalk , ***The Transformation of Modern Europe***, (Chicago:Foresman & company) 1954

255- Mahajan , V.D , ***History of modern Europe since 1789*** (New Dhali, S.chan & company (PV)LTD) 1985

256- Martin J. Sherwin, ***A World Destroyed*** (New York: Vintage books) 1977

257- Moore ,John Norton , *The Arab Israel Conflict* (New Jersey : Princeton University Press) 1977

258 Mowat, R.B M.A , *A history of European diplomacy (1914-1925)* , (New York :Longmans Green & Co) 1927

259 Murphy, robber , *Diplomat among wars* (N.Y, Collins)1964

Modern Middle East (New York: Oxford University Press) 2002

262- Peres, Shimon, ***The new Middle East***.(New York: Henry Holt) . 1993

263- Phelps hall, Walter , ***World Wars and revolution*** (New York: Appleton-Century-Crafts) 1952

264- Pollack,Kenneth M,***The Threatening Storm: The Case for Invading Iraq,*** (New York: Random House) 2002.

265- Rabin,Yitzhak trans.Dov Goldstein, ***The Rabin memoirs*** (Berkeley, CA: University of California Press) N.D

266- Robert F., Berkhofer, Jr ,. ***Beyond the great story: History as text and discourse.*** (Cambridge: Harvard University Press) 1995

267- Roth, Jack J , ***First World War: A turning point in modern history*** (Alfred: A .Knopf INC) 1968

268- Saad el-Shazly, ***The Crossing of the Suez*** (San Francisco: American Mideast Research)1980

269- Schubert, Frank N. and Theresa L. Kraus (Ed.) ***The Whirlwind War, The United States Army in Operations Desert Shield and Desert Storm.*** (Washington: Center of Military History), 2000

270- Stein, Kenneth W. ***The Land Question in Palestine, 1917-1939*** (Chapel Hill :University of North Carolina Press,) 1984

271- Stephen, H.Longrigg, ***The Middle East ' A Social Geography'*** (London: General Duckworth & Co) N.D

272- Stephen ,Hemsley longrigg and frank Stooker , ***Iraq*** (London : Earnest Been LTD) 1950

273- Stock, Ernest , ***Israel on the road to Sinai 1949-56*** (N.Y: Cornell University Press)1977

274- Taylor,A.J, ***English History 1914-1945*** (NewYork:Oford University Press) 1965.

275- Tessler, Mark , ***A history of the Israeli-Palestinian conflict*** (Bloomington,IN: Indiana University Press)1994

276- Thayer, Philip W. ***Tension in the Middle East*** (Johns Hopkins Press)1958

(U.K: Longman Group U.K LTD) 1949

278- Toynbee, Arnold and Veronica M. Toynbee. ***The war and Neutrals*** (London: Oxford University Press) 1956

279- Tuker Frances,***The Pattern of war*** (London : Cassell and Company) 1948

280- ***The Encyclopedia Britannica***,(Chicago, Encyclopedia Britannica Inc), 1996

28- ***The Encyclopedia of War Peace and Global Security*** , :Anmol (New Dheli Publishers)2005

282- ***The Encyclopedia American*** (U.S.A : Grolier in corporeted)1829

283- ***The Cambridge Encyclopedia of the Middle East and North Africa*** (N.Y : Cambridge University Press) 1988

284- ***The World Encyclopedia*** (London, World book International) 1992

285- Vick Vance and others, ***My 'War' With Israel*** , (London: Peter own) 1969

286- Walter Laqueur, ***The Second World War,*** (London: Sage Publishers) 1982

287- Walter Ansel, ***Hitlers Confronts England*** (Durham N.C: Duke University Press) 1960

288- Walt, Stephen M. ***The origins of alliances***.(Ithaca: Cornell University Press)1987

289- Walter Laqueur and Barry Rubin, editors, ***The Israel-Arab Reader,*** (New York: Penguin Books) 1984

290- Walter phelps Hall & William steams Davis , ***The course of Europe since waterloo*** (N.Y Apelto.C.C0) 1951

291- W.B.Fisher,***The Middle East, a Physical, Social and Regional Geography*** (London: Methuen) 1950.

292- Weizmann,Ezer,***The Battle for Peace*** (New York: Bantam Books,)1981

293- Weinberg, Gerhard L. ***A World at arms "A global History of World War two*** (Cambridge University Press) 1994

294- Wright,Gordon, ***The Ordeal of total war 1939-1945***(New York: Harper & Row Publishers) N.D

press)1942,

296- Wilford Knapp, **A history of war and peace-1939-1945** (London: Oxford University Press) 1967

297- William L. Langer and S.Everett Gleason, **The Undeclared War,1940-1941,** (New York: Harper & Brothers Publishers) N.D

298- World History , (New York : Glencoe McGraw-Hill) 1999

299- Ziegler, David W. **War Peace and International politics,** (Boston: Little Brown and company) 1977.

300۔ اردو ڈائجسٹ، مارچ ۱۹۹۱ء، ص ۳۶

301۔ روزنامہ جنگ، ۲۰ فروری ۱۹۹۱ء۔ ۷ فروری ۱۹۹۱ء

302 ماہنامہ ضیائے حرم، لاہور، جون ۲۰۰۴ء،

303 ۔نقوش، ادارہ فروغ اردو،

انگریزی رسائل وجرائد

(English Journals)

304- *Boston globe,* 17 February 2002

305- *Christian Science Monitor,* 27 June 2003

306- *Daily Dawn* Feb 8,1991

307- *England Journal of Medicine,* September, 1992,

308- *Los Angeles Time,*, 24 November 2001

309- *Middle East Times,* 7 December 2001

310- *New scientist,* 29 October 2003

311- *The Age,* 2003, 26 June 2006

312- *The Economists,* ,22 September 2001

313- *Timeline,* 2 February 2006

314- *The Nation,* 13 Feb 1991

315- *The New York Time* , 23 sep 1991

316 - *Washington post,* 21 October 2001

Thesis for Ph. D

Topic of Research:

Islamic concept of jihad and important wars of contemporary world An analytical study

Research Scholar

Nighat Akram

Supervisor

Prof. Dr. Abdul Rashid

Department of Qura'n –o–Sunnah
Faculty of Islamic Studies, University of Karachi
July 2007

Topic of Research:

Islamic concept of jihad and important wars of contemporary world
An Analytical study

This thesis is comprises of a preface, six chapters, conclusion, Appendixes and a Bibliography of three hundred and sixteen books & journals

Chapter 1:- Concept of jihad in Qura'n and Hadith has been discussed in this chapter by including the definition of jihad, difference between jihad and wars, war methodology of ancient period and rectifications introduced by Islam.

Chapter 2:- In this chapter the correct number of "Ghazawat"- Battle fields of the prophet Muhammad, their objectives, results and their role in the protection of human rights.

Chapter 3:- The third chapter deals with the affairs of World War1& II and their effects on Global community.

Chapter 4:- Palestine Israel is the main discussion of this chapter. Arab Israel wars are also taken into the account and analyze their consequences

Chapter 5:- Chapter five explains the background of the Gulf war 1991 and its impact on the region

Chapter 6:- In the present scenario Iraq and Afghanistan are most burning issues. Therefore, the historical, political and economical factors of these wars are discussed in this chapter.

Conclusion: - Conclusion is the output of the thesis ends with analytical study

Bibliography: -List of books and journals related to the topic